انتون چیخوف

کے

شاہکار

ڈرامے



ترجمہ و تعارف

زاہدہ زیدی

انتون چیخوف

کے

شاہکار ڈرامے

(ترجمہ اور تنقیدی جائزہ)

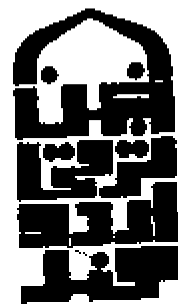
انتون چیخوف

کے

شاہکار ڈرامے

(ترجمہ اور تنقیدی جائزہ)

زاھدہ زیدی



انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلّی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۱۴۴۵

سنہ اشاعت : ———— ۱۹۹۲ء
قیمت : ———— ۹۵ روپے
بہ اہتمام : ———— شمیم جہاں
تزئین کار : ———— انیس احمد
طباعت : ———— ثمر آفسیٹ پرنٹرز، نئی دلّی

ANTON CHEKHOV
KE
SHAHKAR DRAME

Translated and with an Introduction

by :

ZAHIDA ZAIDI

Price 95 /=

1992

ISBN 81-7160-045-X

BOOK DEPOT BRANCH :
ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU BHAWAN, 2ND FLOOR,
CHOWHATTA, PATNA-800-004.

Head Office :
ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU GHAR, ROUSE AVENUE,
NEW DELHI - 110 002

ان سب فن کاروں کے نام جنہوں
نے ان ڈراموں کی اسٹیج پیش کش
میں میرے ساتھ تعاون کیا ——

زاہدہ زیدی

زاھدہ زیدی

مترجم کا پتا:
پروفیسر زاہدہ زیدی
آبشار نمبر ۴۔ ایچ۔ آئی۔ جی۔ فلیٹ
سر سیّد نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

فہرست

حرفِ آغاز

اردو کی خواتین شاعروں، ادیبوں اور نقادوں میں پروفیسر زاہدہ زیدی کا نام سرِفہرست ہے۔ اُن کی ادبی فتوحات کا بڑا حصہ وہ ہے، جو اردو کی کسی اور شاعرہ یا ادیبہ کو نصیب نہیں ہو سکا۔ زاہدہ زیدی شاعر ادیب، نقاد اور مترجم ہیں اور ہر میدان میں انھیں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔

زاہدہ زیدی حالی کے خاندان سے ہیں۔ ان کے والد سید محمد مستحسن زیدی ایک کامیاب بیرسٹر تھے۔ اگرچہ ان کا پیشہ وکالت تھا لیکن بہت اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ والدہ مختار فاطمہ صاحبہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ انھیں اردو کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں پر بھی قدرت حاصل تھی۔ وہ خوش گو شاعرہ تھیں۔ زاہدہ زیدی کے دادا احمد حسین کا تخلص شوق تھا۔ وہ شاعر کی حیثیت سے اپنے زمانے میں بہت مقبول تھے۔ زاہدہ صاحبہ کے نانا خواجہ غلام الثقلین ایک ایسے مصلح تھے، جنھوں نے زندگی بھر مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لیے کام کیا۔ مولانا حالی کی طرح خواجہ غلام الثقلین بھی عورتوں کی تعلیم کے زبردست حامی تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس خاندان کی خواتین نے مغربی تعلیم حاصل کی اور بعض خواتین نے تو اردو ادب میں اعلاترین مقام حاصل کیا۔ زاہدہ زیدی نے ابتدائی تعلیم پانی پت میں حاصل کی اور پھر میٹرک سے ایم۔ اے (انگلش) تک کی تعلیم علی گڈھ میں مکمل کی۔ وہ ایک ذہین اور محنتی طالب علم تھیں۔ اسی لیے ہر امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ علی گڈھ سے ایم۔ اے کرنے کے بعد انگلینڈ چلی گئیں۔ وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے انگریزی میں بی۔ اے (آنرز) اور ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انگریزی تو خیر ان کا مضمون ہی ہے۔ اردو اُن کی مادری زبان ہے۔ فارسی ادب کا ذوق انھیں اپنے خاندان سے ورثے میں ملا۔ انھوں نے اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں کے ادب کا بہت اچھا مطالعہ کیا ہے۔ فلسفہ، نفسیات، مختلف مذاہب، فنونِ لطیفہ اور بعض سماجی علوم پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ زاہدہ زیدی کی ملازمت کا بیشتر زمانہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی میں گزرا۔ حال ہی میں وہ پروفیسر کی حیثیت سے اسی شعبہ سے ریٹائر ہوئی ہیں۔

مغربی ادب میں زاہدہ زیدی کا مخصوص میدان ڈرامہ ہے۔ انھوں نے خاص طور سے جدید ڈرامے کا مطالعہ کیا ہے۔ اس موضوع پر وہ کئی کتابیں اور متعدد مضامین بھی لکھ چکی ہیں۔

زاہدہ زیدی کا اسٹیج سے گہرا تعلق رہا ہے۔ وہ چوبیس پچیس انگریزی اور اردو ڈرامے اسٹیج کر چکی ہیں۔ انھوں نے ڈراموں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا اور اردو میں طبع زاد ڈرامے بھی لکھے۔ ان کے ڈراموں کے دو مجموعے "دوسرا کمرہ" اور "صحرائے اعظم" شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

زاہدہ زیدی منفرد اور ممتاز شاعرہ ہیں۔ اردو میں ان کے تین شعری مجموعے "زہرِ حیات" "دھرتی کا لمس" اور "سنگِ جاں" شائع ہو چکے ہیں۔ میری محدود معلومات کے مطابق وہ اردو کی واحد شاعرہ ہیں، جن کی انگریزی شاعری کے دو مجموعے بھی چھپ چکے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب انتون پاولووچ چیخوف کے اُن تین ڈراموں کا ترجمہ ہے، جو زاہدہ زیدی نے انگریزی سے اردو میں کیا ہے۔

چیخوف دنیا کے اُن چند افسانہ نگاروں میں ہیں جنھوں نے عالمی ادب میں ممتاز ترین مقام حاصل کیا۔ اس عظیم روسی تخلیق کار کی وفات کو نوے سال گزر چکے ہیں، لیکن آج بھی اس کے افسانوں، ڈراموں، خاکوں اور دوسری تحریروں میں تازگی اور ہمارے عہد سے ان کی معنویت برقرار ہے۔ چیخوف کی ان تحریروں نے دنیا کی مختلف زبانوں کے بے شمار فنکاروں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیا ہے۔ خاصی بڑی تعداد میں ان کے افسانے اردو میں بھی ترجمہ ہو چکے ہیں۔

زاہدہ زیدی نے شگفتہ اور سلیس زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں چیخوف کے فن کا انتہائی عالمانہ انداز میں ایسا تنقیدی تجزیہ پیش کیا ہے کہ اس عظیم فنکار کے فن کی تمام اہم خصوصیات کا بھرپور اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ ترجمے ہمارے ڈرامائی ادب میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

خلیق انجم

مقدّمہ

انتون چیخوف کی ڈراما نگاری

زاہدہ زیدی

عظیم روسی ادیب، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار انتون پاولووچ چیخوف (۱۸۶۰ء تا ۱۹۰۴ء) کی شخصیت اور ادبی کارنامے محتاجِ تعارف نہیں۔ افسانہ نگار کی حیثیت سے عالمی ادب میں ان کا نام سرِفہرست نظر آتا ہے۔ انھوں نے افسانے کے فن کو کچھ اس طرح نکھارا، سنوارا اور تراشا کہ وہ انسانی فطرت اور سماج کا ایک شفاف آئینہ بن گیا اور اختصار کے باوجود اس نے انسانی جذبات کے نازک ترین ارتعاشات سے لے کر سماج کے پیچیدہ مسائل تک کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ اور اپنی سچائی، لطافت، دروں بینی اور تہ در تہ معنی آفرینی کے باوصف آج بھی چیخوف کے افسانوں کی ہر دل عزیزی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے نئے نئے پہلو سامنے آئے ہیں اور وہ نہ صرف عام قاری کے لیے دلچسپ اور بصیرت افروز ہیں بلکہ نئے لکھنے والوں کے لیے بھی مشعلِ راہ بنے ہوئے ہیں۔ مختصر افسانوں کے علاوہ جن کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے (اور اس اندازے میں وہ ابتدائی افسانے اور خاکے شامل نہیں جنھیں چیخوف نے خود قلم زد کر دیا تھا) چیخوف نے کچھ طویل افسانے یا ناولٹ NOVELETTES بھی لکھے جن کی تعداد ایک درجن سے کچھ زیادہ ہے۔ اور یہ تخلیقات بھی "بہ قامت کہتر و بہ قیمت بہتر" کے تصور کے مطابق ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی طوالت تو ایک اوسط ناول سے کم ہے، لیکن اپنی معنوی وسعت اور گہرائی، سماجی عوامل اور انسانی فطرت کے ادراک، زندگی کے نشیب و فراز کے باریک بین مطالعے اور تہ در تہ معنی

آفرینی میں یہ کسی قابلِ قدر ناول سے کم نہیں۔ ان طویل افسانوں میں "وارڈ نمبر ۶"، "ایک غیر دل چسپ کہانی"، "دلہن"، "بھونرا"، "سٹیپ" اور "تول کا آدمی"، خاص طور سے جاذبِ نظر اور بصیرت افروز ہیں اور ان کے شاہکار ڈراموں کے ساتھ یہ بہترین طویل افسانے ہی چیخوف کے فن کا نقطۂ عروج بھی ہیں۔

اور ساتھ ہی ڈرامے اور تھیٹر کے میدان میں بھی انتون چیخوف کا کارنامہ کچھ کم اہم اور قابلِ قدر نہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کا یہ فنی کارنامہ زیادہ اہم اور تاریخ ساز ہے۔ کیوں کہ چیخوف نہ صرف ایک منفرد، معنی خیز اور شاعرانہ ڈرامائی اسلوب کے خالق ہیں بلکہ ڈرامے کی دنیا میں ایک خاموش انقلاب کے بانی اور دور رس تبدیلیوں کے نقیب بھی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف ڈرامے کے فورم کو روایتی تصورات، مصنوعی رسمیات CONVENIONS اور میلوڈرامائی طمطراق سے پاک کیا اور اسے فطری رنگ و روپ عطا کیا بلکہ اس میں ذہن کی پراسرار واردات، گریز پا کیفیات جذبات کے زیر و بم، زندگی کے نازک اور لطیف رنگوں اور خوشی اور غم کی دھوپ چھاؤں کو کچھ اس طرح سمویا کہ وہ زندگی کا ایک سچا اور دل آویز مرقع بن گیا جو اپنی سادگی اور دروں بینی کے باوصف تہ در تہ معنوں کا آئینہ دار بھی ہے۔ لیکن انتون چیخوف کو اس بلند سطح پر پہنچنے اور فنی عظمت کے تابندہ افق کو چھونے کے لیے خاصے پیچیدہ اور دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا اور کئی مرتبہ انھوں نے ٹھوکر بھی کھائی اور خود کو گھسے پٹے راستوں پر چلتے ہوئے یا خار دار جھاڑیوں میں الجھا ہوا پایا۔ اور پھر زندگی نے انھیں مہلت بھی بہت کم دی۔ پھر بھی آخر کار انھوں نے اپنی منزلِ مقصود کو پا ہی لیا۔ اور نہ صرف اس فن کے لامحدود امکانات کو روشن کیا بلکہ اس شاہراہ پر قدم رکھنے والوں کے لیے ترقی کی نئی راہیں بھی کھول گئے۔ چیخوف کی ڈرامانگاری جدید ڈرامے کے ارتقا کی ایک اہم کڑی ہے جس نے کئی نسلوں کو متاثر کیا ہے۔ اور آج بھی جدید ترین ڈرامانگار، خاص طور سے ابسرڈ ڈرامانگار ان کی غیر معمولی جسارت اور فنی بصیرتوں کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں اپنا استاد تصوّر کرتے ہیں۔ چیخوف کے اس دل چسپ اور بصیرت افروز فنی سفر کی مختصر روداد آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے چیخوف کے سلسلے میں چند غلط فہمیوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

اکثر ادبی حلقوں میں یہ خیال عام ہے کہ انتون چیخوف بنیادی طور پر ایک افسانہ نگار تھے جنھوں نے اپنے ادبی سفر کے آخری دور میں ڈرامے پر بھی توجہ مرکوز کی۔ لیکن حقیقت اس سے

بہت مختلف ہے۔ چیخوف کو نوعمری ہی سے ڈرامے سے گہرا شغف تھا۔ اور بچپن ہی میں نہ صرف وہ اپنے آبائی قصبے تگانگروگ میں اسٹیج پر اداکاری کے جوہر دکھا چکے تھے بلکہ اکثر وہ اور ان کے دو بھائی عام زندگی میں بھی بھیس بدل کر اپنی کامیاب اداکاری سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ بلکہ ایک دفعہ تو ان لوگوں نے فقیروں کا بھیس بدل کر اپنے بزرگوں سے خیرات بھی وصول کر لی اور کبھی کبھی وہ بڑے آدمیوں کی وضع قطع بنا کر تھیٹر بھی دیکھ آتے تھے جہاں نوعمر لڑکوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اور ساتھ ہی انتون چیخوف نے اسکول کی طالب علمی کے زمانے ہی میں ڈراما نگاری میں بھی طبع آزمائی شروع کر دی تھی۔ اور اسکول کی تعلیم ختم کرنے سے پہلے ہی وہ تین خاصے طویل ڈراموں کے مصنف بھی بن چکے تھے۔ جن کے عنوانات کچھ اس طرح ہیں:
"ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے"، "چاہو تو اسے مذاق میں اڑا دو" اور "یتیم" FATHERLESS لیکن ان تینوں ڈراموں میں سے صرف "یتیم" کے مسوّدے کے کچھ حصے چیخوف کے اسکالرز کو دستیاب ہو سکے ہیں۔ باقی ڈراموں کا تذکرہ ان کے خطوں وغیرہ میں ہے۔ بہر طور اس سے یہ دلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے کہ چیخوف کی ڈراما نگاری کی ابتدا ان کی افسانہ نگاری سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد بھی اپنی مختصر زندگی اور ادبی سفر کے ہر دور میں وہ کسی نہ کسی طرح تھیٹر اور ڈراما نگاری سے وابستہ رہے یہاں تک کہ آخری زمانے میں جب تپ دق نے جسمانی طور پر ان کو بالکل ناتواں اور کھوکھلا کر دیا تھا، انھوں نے اپنی تمام تر توجہ ڈرامے پر مرکوز کی اور شاید منزل کو پانے کی اس لگن ہی نے اس ٹمٹماتی ہوئی شمع کو قبل از وقت خاموش ہونے سے بچایا۔

ان تین ڈراموں کے علاوہ چیخوف کی ابتدائی تخلیقی کاوشوں میں ایک طویل ڈراما پلیٹونوف PLATONOV بھی ہے جس کا مسوّدہ ان کے انتقال کے بعد ملا۔ اور جو کئی اعتبار سے غیر معمولی اور قابلِ قدر ہے لیکن ہم اس گفتگو کا آغاز ان مختصر ڈراموں سے کریں گے جو چیخوف نے تگانگروگ سے ماسکو آنے کے بعد ۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۹ء کے درمیان لکھے اور جن میں سے بیشتر شائع بھی ہوئے اور تھیٹر میں بھی ان کی کافی پذیرائی ہوئی۔ اور ان کا ترجمہ انگلش اور دوسری زبانوں میں ہو چکا ہے۔ چیخوف کے ان مختصر اور ہلکے پھلکے ڈراموں کی سدا بہار مقبولیت اور ہر دل عزیزی خاصی قابلِ حیرت ہے۔ کیوں کہ چیخوف نے یہ ڈرامے خاصے غیر سنجیدہ موڈ میں لکھے اور وہ انھیں زیادہ

اہمیت بھی نہیں دیتے تھے ان کے بیان کے مطابق ان کا واحد مقصد خاندان کی مالی پریشانیوں کا ایک آسان حل ڈھونڈنا تھا۔ ہاں وہ یہ ضرور کہتے تھے کہ اس قسم کے ڈرامے لکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیوں کہ ان کے لیے بڑی زندہ دلی، جوش و خروش اور ایک خاص کیفیت کی ضرورت ہے۔ جب کہ انسان سنجیدگی سے تو کوسوں دور ہو لیکن اس کا مشاہدہ اور احساس ظرافت پوری طرح بیدار ہوں۔ بہرطور ان ڈراموں کی مقبولیت کے طفیل نہ صرف چیخوف کے خاندان کے مالی مسائل کا ایک حل مل گیا بلکہ انھوں نے ادبی سفر کے اس ابتدائی دور میں چیخوف کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی کو بھی چار چاند لگا دیے۔

ان ڈراموں میں جن کی تعداد ایک درجن سے کچھ زیادہ ہے "ریچھ" "حویلی" "ٹ ری کا پیغام" "راج ہنس کا گیت" "شادی" "شاہراہ پر" اور "انجان شہید" زیادہ کامیاب اور دل چسپ ہیں۔ لیکن بعض اعتبار سے "تمباکو نوشی کی خرابیاں" زیادہ اہم ہے کیوں کہ وہ چیخوف کی ڈراما نگاری کے ارتقا میں ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ مختصر ایکانکی ڈرامے جن میں سے بعض مثلاً "انجان شہید" صرف ایک کردار پر مشتمل ہیں چیخوف کے بہترین ڈراموں کے مقابلے میں تو بہت ہی ہلکے پھلکے اور ابھرے ہیں اور فنی طور پر بھی پیچیدہ اور ترشے ترشائے نہیں۔ لیکن پھر بھی ان میں بعض ایسی خصوصیات ضرور ہیں جن کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ اول تو دل چسپ اور برجستہ مکالمے اور ظرافت کی وہ پھلجھڑیاں جو ان کی کامیابی اور ہر دل عزیزی کی ضامن بنیں۔ اور پھر واقعات اور کرداروں کی پیش کش میں مشاہدے کی تازگی اور توانائی اور ظرافت کے ساتھ ہمدردی کی ایک ہلکی سی لہر۔ اور کردار نگاری میں نفسیاتی حقیقت نگاری کا رجحان جس میں آنے والے دور کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ڈراما نگاری کا یہ تجربہ چیخوف کے لیے ایک فنی تربیت کا دور تھا اور ان مختصر ڈراموں کے توسط سے چیخوف نے ڈرامے کے کچھ بنیادی لوازمات مثلاً مکالمہ نگاری، کردار نگاری اور حاضرین کی نفسیات وغیرہ سے خاطر خواہ واقفیت حاصل کی۔ اور اس سلسلے میں ان کا مختصر ڈراما "تمباکو نوشی کی خرابیاں" خاص طور سے اہم ہے جسے انھوں نے ۱۸۸۶ء اور ۱۹۰۳ء کے درمیان چھ مختلف طریقوں سے لکھا اور رفتہ رفتہ مکالموں اور ڈرامائی ایکشن میں وہ لطافت، اشاریت اور تہ داری پیدا کی جو ان کے شاہکار ڈراموں کا طرۂ امتیاز ہے۔

II

لیکن کئی اعتبار سے ان کا طویل ڈراما پلیٹونوف PLATONOV جس کا مسودہ ان کے انتقال کے بعد برآمد ہوا اور جو بعض اسکالرز کے خیال کے مطابق ۱۸۸۱ء کے آس پاس لکھا گیا تھا، زیادہ اہم ہے۔ اور اس کے توسط سے ہمیں چیخوف کے فنّی سفر کی سمت متعین کرنے میں زیادہ مدد مل سکتی ہے۔" پلیٹونوف" ۱۶۴ صفحات پر محیط ایک نہایت طویل ڈراما ہے جس کی اسٹیج پیش کش بھی کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن یہاں چیخوف کا رویہ سنجیدہ اور ارادے بلند ہیں۔ اور انھوں نے ایک خاصے پیچیدہ اور بھاری بھرکم موضوع پر ایک طویل ڈراما لکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ڈرامے کے فنّی وسائل پر ابھی چیخوف کی گرفت ڈھیلی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ ڈرامے کے روایتی تصوّر کی گرفت میں ہیں۔ اس ڈرامے میں کرداروں کی ریل پیل، غیر ضروری تفصیلات کی افراط، اتفاقی واقعات پر ڈرامائی ارتقا کا دارو مدار اور سنسنی خیز واقعات کی بھرمار کچھ ایسے عناصر ہیں جو اس کے روایتی پن اور فنّی ناپختگی کے غماز ہیں لیکن چیخوف کی طویل ڈراما لکھنے کی اولین کوشش کی حیثیت سے یہ ڈراما غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اور یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ یہاں چیخوف نے روسی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی کی ہے۔ اس ڈرامے میں تقریباً سبھی طبقوں کے کردار موجود ہیں مثلاً ڈاکٹر، اسکول ماسٹر، تجارت پیشہ لوگ، بگڑے ہوئے رئیس، جرائم پیشہ لوگ، عیش پرست عورتیں اور تعلیم یافتہ لڑکیاں وغیرہ اور ان سب کی الگ الگ خصوصیات کا چیخوف نے کافی دیدہ ریزی سے جائزہ لیا ہے۔ اور مجموعی طور پر اس میں جاگیردارانہ سماج کے انحطاط کی خاصی کامیاب تصویر کشی کی گئی ہے اور سماجی تنقید کے ساتھ ساتھ مستقبل کی پُر امید زندگی کی طرف بھی اشارے موجود ہیں۔ سماجی زندگی کی پیش کش کے ساتھ ساتھ چیخوف نے ذاتی زندگی کے نشیب و فراز اور امید و ناامیدی کی کش مکش کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ڈرامے کا ہیرو پلیٹونوف جو اپنی جائداد گنوانے کے بعد ایک معمولی اسکول ماسٹر کی زندگی گزار رہا ہے، ایک کمزور شخصیت کا مالک ہے۔ اور اپنے ارادوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کردار میں چیخوف نے روسی ادب کے کئی مشہور کرداروں کی خصوصیات کو جمع کر دیا ہے اور اسی کے ساتھ برطانوی شاعر بائرن اور شیکسپیئر کے لافانی کردار ہیملٹ

کی خصوصیات کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اور چیخوف کی نوعمری کے پیش نظر یہ کوئی قابل حیرت بات نہیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ پلیٹونوف کی ناکامی، مایوسی اور بے یقینی کی کیفیت ایک پوری نسل کی صورت حال کا آئینہ ہے۔ دوسری طرف ان چاروں عورتوں کی پیش کش میں جو کسی نہ کسی طرح پلیٹونوف سے وابستہ ہیں۔ چیخوف نے اپنے مشاہدے اور انسانی فطرت کے عرفان پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔ اور ان کی الگ الگ خصوصیات کو خاصی چابک دستی سے اجاگر کیا ہے۔ ساشا (پلیٹونوف کی بیوی) ایک سیدھی سادی اور مظلوم عورت ہے جو شوہر کی بے وفائی سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کا ارادہ کرتی ہے لیکن آخری مرحلے میں اس کے کم عمر بچے کی محبت اسے اس اقدام سے باز رکھتی ہے۔ "اینا" ایک دولت مند اور عیاش بیوہ ہے اور کئی عشق لڑا چکی ہے۔ اور اب اس کی نظریں پلیٹونوف پر ہیں۔ لیکن دراصل وہ خود سے نفرت کا شکار ہے اور اس کی عیش پرستی فرار کے مترادف ہے۔ "میری" جو ایک تعلیم یافتہ لیکن ناتجربہ کار لڑکی ہے اور کسی غلط فہمی کی بنا پر پلیٹونوف کے عشق کا شکار ہو جاتی ہے۔ پلیٹونوف اس میں دل چسپی بھی لیتا ہے اور بار بار اس کی ہتک بھی کرتا ہے اور آخر کار وہ قانونی کارروائی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے...... سونیا جو ایک آئیڈیلسٹ IDEALIST قسم کی لڑکی ہے اور شادی سے پہلے بھی پلیٹونوف کی محبوبہ رہ چکی ہے۔ شادی کے بعد اس محبت کی تجدید اسے سخت کش مکش میں مبتلا کر دیتی ہے جس میں آخر کار اس کے جذبات ہی کی فتح ہوتی ہے لیکن جب اسے دوسری عورتوں سے پلیٹونوف کے تعلقات کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے گولی کا نشانہ بنا دیتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس ڈرامے میں بھی جو چیخوف نے غالباً ۲۱، ۲۲ سال کی عمر میں مکمل کر لیا تھا۔ ہمیں مصنف کی انسانوں سے گہری دل چسپی اور سماج سے وابستگی کے نقوش ملتے ہیں۔

لیکن چیخوف کے دورِ اول کے ڈراموں میں ایوانوف (۱۸۸۷ء) سب سے زیادہ دل چسپ، اہم اور کامیاب ڈراما ہے۔ جس میں شدت، مرکزیت اور فکری اعتماد کے گہرے نقوش ملتے ہیں اور گو کہ اس میں شک نہیں کہ چیخوف ابھی اپنے شاہکار ڈراموں کی منزل سے دور ہیں اور "ایوانوف" میں وہ شاعرانہ حقیقت نگاری، علامتوں کا معنی خیز استعمال اور روح کو بے نقاب کرنے والی دروں بینی نہیں جو چیخوف کے شاہکار ڈراموں کا طرۂ امتیاز ہے پھر بھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ "ایوانوف" اس منزل کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ گویا چیخوف نے ابھی اپنے منفرد اور معنی آفریں ڈرامائی اسلوب

کی نوک پلک تو درست نہیں کی۔ لیکن"ایوانوف" ڈرامے کی گھسی پٹی روایات مصنوعی طریقہ کار اور میلوڈراماٹی مبالغہ آرائی سے ایک کامیاب انحراف کی مثال ضرور ہے۔ ڈرامے کا ہیرو کوئی مثالی کردار نہیں بلکہ کمزوریوں اور تضادات کا مجموعہ ہے اس کی بیوی سارہ، محبوبہ ساشا اور ڈاکٹر لووف بھی غیر رسمی اور خاصے پیچیدہ کردار ہیں۔ سارہ ایک بیمار اور اداس عورت ہے جو شوہر کی بے رخی کے باوجود اس کی محبت میں مبتلا ہے۔ اور اس کی بے وفائی کو جان کر بھی سمجھنا نہیں چاہتی۔ ساشا ایک پڑھی لکھی اور پُر جوش نوجوان لڑکی ہے جسے صرف ناکام اور نامراد قسم کے لوگ ہی متاثر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایوانوف سے عشق کرتی ہے اور اس کی زندگی کو نئی امیدوں اور ولولوں سے بھر دینے کا بیڑا اٹھاتی ہے۔ ڈاکٹر لووف ایک نیک نیت لیکن نہایت محدود قسم کا شخص ہے جو انسانی نفسیات سے قطعی طور پر بے بہرہ ہے اور ہر چیز کو اپنی محدود اخلاقیات کی ترازو میں تولتا ہے۔ ڈرامے کے ثانوی کردار بھی خاصے جاندار اور قدرتی قسم کے ہیں اور مختلف رویّوں اور رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور قصباتی زندگی کی تصویر میں گہرے اور ہلکے رنگ بھر کے اسے حقیقت سے قریب لاتے ہیں۔ ڈرامے کا ایکشن بھی سنسنی خیز واقعات اور میلوڈراماٹی طمطراق سے پاک ہے اور اس کا تانا بانا روزمرّہ کی قصباتی زندگی ہی نے فراہم کیا ہے۔ جس میں چیخوف کی ظرافت نے کہیں کہیں پھلجھڑی سی چھوڑ دی ہے اور طنز نے اسے معنی کی ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ لیکن ڈرامے کا سب سے اہم پہلو ایوانوف کا وہ باریک بین نفسیاتی مطالعہ ہے جسے سماجی، سیاسی اور تہذیبی زندگی کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔

ڈرامے کا ہیرو ایوانوف (جسے اینٹی ہیرو ANTI HERO کہا جاسکتا ہے) ایک تعلیم یافتہ زمیندار ہے، جو یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی قصباتی جاگیر پر واپس آتا ہے۔ اور تعلیمی نظام، زراعت کے طریقوں اور تہذیبی زندگی کی اصلاح کے کاموں میں سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ ذاتی زندگی میں بھی اس کے خیالات انقلابی قسم کے ہیں چنانچہ وہ ایک یہودی لڑکی سے شادی کرتا ہے، جو اس کی شخصیت سے متأثر ہو کر اپنے خاندان اور مذہب کو خیرباد کہتی ہے۔ لیکن ڈراما اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ ان واقعات کو کافی سال گزر چکے ہیں اور ایوانوف ۳۵ سال کا ہو چکا ہے۔ اور پچھلے چند سالوں سے اس میں عجیب و غریب تبدیلیاں

رونما ہو رہی ہیں جن کا اس کی ذاتی، سماجی اور اقتصادی زندگی پر بھی گہرا اثر پڑا ہے۔ ایوانوف میں اب اس جوش و خروش اور ولولے کا نام و نشان بھی باقی نہیں جس نے کبھی اس کی شخصیت کو اتنا دل کش بنا دیا تھا۔ اور نہ ہی اسے اپنے انقلابی نظریات اور اصلاحی منصوبوں میں کوئی اعتماد باقی رہا ہے۔ وہ خود کو بے حد تھکا ہوا، پریشان اور بوڑھا محسوس کرنے لگا ہے اور اپنے انقلابی خیالات کو اس صورتِ حال کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے، اس کے جذبات کے سوتے خشک ہو گئے ہیں اور اسے کسی شخص اور کسی چیز سے لگاؤ نہیں۔ زندگی اس کے لیے بے کیف ہو چکی ہے اور وہ نہ صرف ساری دنیا سے بلکہ خود سے بھی بیزار ہے۔ اور ایک ناقابلِ فہم احساسِ جرم کا شکار ہے۔ اپنی بیوی سے اب وہ پہلی سی محبت محسوس نہیں کرتا اور اس کی خطرناک اور جان لیوا بیماری بھی اس کے جذبات کے تاروں کو چھیڑنے یا اس میں احساسِ ذمہ داری بیدار کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اس کی جائداد کو گھن لگ چکا ہے اور وہ بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بھی وہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے قاصر ہے۔ ہاں کبھی کبھی اس پر جوش کے دورے سے پڑتے ہیں مثلاً نوجوان دوشیزہ ساشا کی محبت میں اسے نئی زندگی کی ایک جھلک نظر آتی ہے لیکن بہت جلد خوش آئند جذبات کی یہ لہر بھی بے کیفی کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ اور سارہ کی الم ناک موت کے بعد جب وہ ساشا سے شادی کا فیصلہ کرتا ہے تو عین وقت پر اپنی بے سمت اور بے معنی زندگی کے خالی پن کا احساس اسے گھیر لیتا ہے اور وہ جا کر ساشا سے التجا کرتا ہے کہ وہ اس ہولناک اقدام سے باز آئے۔ اور جب وہ اس بات پر تیار نہیں ہوتی تو خود کو گولی کا نشانہ بنا لیتا ہے۔

ایک اور دل چسپ پہلو اس ڈرامے کا یہ ہے کہ اس میں ایوانوف کے نفسیاتی مطالعے میں چیخوف نے اپنی میڈیکل تعلیم، تجربے اور سائنس اور نفسیات کی جدید ترین تحقیقات کا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ پروفیسر اوفیا تیکو کولیوسکی نے اپنی مشہور کتاب "روسی دانش وروں کی تاریخ" میں اس ڈرامے کو "طبی المیے" کے نام سے نوازا ہے، جس میں ان کے خیال کے مطابق ڈاکٹر چیخوف نے ایک نفسیاتی مرض یعنی NURUS THANIA کا بڑی باریک بینی اور ہمدردی سے مطالعہ کیا ہے۔ اور جون ٹلوچ JOHN TULLOCH نے اپنی فکر انگیز کتاب CHEKHOV

A STRUCTURALIST STUDY میں اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ اس ڈرامے کی تحریک چیخوف کو مشہور روسی ماہرِ نفسیات مرژیاوسکی MERZHEVESKY کے شہرۂ آفاق لکچر (جنوری ۱۸۸۷ء) سے ملی تھی جس میں فاضل مقرر نے اس نفسیاتی بیماری کا مطالعہ روسی سماجی اور ثقافتی زندگی کے سیاق وسباق میں کیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق روسی نوجوانوں کی ایک پوری نسل چھٹی دہائی کی اصلاحات سے گہرے طور پر متاثر ہوئی تھی لیکن سماج کو بدلنے کا ان کا عزم اور ولولہ بہت جلد حقیقت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا تھا اور وہ خود قصباتی زندگی کی دلدل میں پھنس کر بے یقینی، بے کیفی، یاسیت اور دوسری نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوگئے تھے۔ یہ دونوں آرا دلچسپ اور بصیرت افروز ہیں اور اس ڈرامے کے سلسلے میں چیخوف کے بعض اہم بیانات کی تائید بھی کرتی ہیں۔ چیخوف کا کہنا تھا کہ ڈرامے کا ہیرو روسی کلاسیکی ادیبوں سے مستعار لی ہوئی کوئی مذرائد قسم کی شخصیت نہیں بلکہ انھوں نے عصری زندگی کے کچھ اہم مسائل اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو معروضی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے...... اس ڈرامے کا ایک اور اہم مقصد ڈرامائی پیش کش کو سنسنی خیز واقعات اور مصنوعی رسومات سے پاک کر کے اس میں زندگی کو فطری انداز سے پیش کرنا بھی تھا۔ اور اس میں بھی چیخوف بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ ڈراما کافی رواں دواں اور فنی چابک دستی کا نمونہ ہے اور اس کا مرکزی خیال بڑی خوبی سے ابھرتا ہے۔ لیکن میکانیکی رولوں اور مصنوعی رسومات سے وہ پوری طرح پاک نہیں اور اس کا اختتام بھی ایک سنسنی خیز واقعے پر ہوتا ہے۔ اس ڈرامے کو روسی اسٹیج پر غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی یہ بار بار اسٹیج کیا جا چکا ہے۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ چیخوف کی ڈرامانگاری کے ارتقا میں "ایوانوف" ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور اب چیخوف کے چار شاہکار ڈراموں پر تنقیدی نظر ڈالنے سے پہلے اس دور کے ایک اور طویل ڈرامے یعنی WOOD DEMON یا "جنگل کا جن" کا مختصر تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ ڈراما ۱۸۸۸ء اور ۱۸۸۹ء کے درمیان لکھا گیا۔ اور گو کہ اس میں ایوانوف کی سی شدت اور مرکزیت نہیں۔ لیکن بعض اعتبار سے اسے چیخوف کی ڈرامانگاری کا اگلا قدم کہا جا سکتا ہے۔

کیوں کہ مختلف حوالوں سے اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس ڈرامے کی تخلیق میں چیخوف کا اولین مقصد ایک شاعرانہ قسم کی حقیقت نگاری کی داغ بیل ڈالنا تھا اور اسی لیے اس زمانے کے خطوط وغیرہ میں انھوں نے اس ڈرامے کا تذکرہ "منترنم ڈرامے" "ادبی ڈرامے" "اور طربیہ ناول" کے ناموں سے کیا ہے۔ لیکن ڈرامے کو پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگرچہ اس وقت تک چیخوف نے ڈرامے کی مصنوعی روایات اور جامد تصوّرات سے بڑی حد تک چھٹکارا حاصل کر لیا تھا اور ان کے ارادے بھی بلند تھے۔ یعنی وہ ڈرامائی ایکشن کو ایک شاعرانہ جہت دے کر حقیقت نگاری سے آگے لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اپنے اس خواب کو حقیقت کے قالب میں ڈھالنے کا ہنر انھوں نے ابھی نہیں سیکھا تھا۔ اس ڈرامے کا انداز فطری ضرور ہے اور اس میں واقعات کا تانا بانا بھی روزمرّہ کی زندگی سے لیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ایک شاعرانہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکی اور اس تہ داری اور معنی آفرینی کے نشانات بھی نہیں ملتے جو چیخوف کے شاہکار ڈراموں کی پہچان ہے۔ اس کی جگہ ایک جذبات میں ڈوبی ہوئی رومانوی فضا تیار کی گئی ہے اور کم و بیش رسمی قسم کی اخلاقیات میں مسائل کا حل ڈھونڈا گیا ہے۔ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا انعام ملتا ہے اور آخر کار شر پسند اور بدکار لوگ بھی نیکی کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان دنوں چیخوف اس دور میں عظیم روسی ادیب لیوتالستائی سے کافی متاثر ہو گئے تھے اور انھوں نے کئی افسانے اور ڈرامے لیوتالستائی کے فلسفے کے زیرِ اثر لکھے۔ جن میں اخلاقیات کا پلڑا بھاری ہے اور زندگی کا وہ کشادہ دل، لچکدار اور ارضی تصوّر جس میں المیہ اور طربیہ عناصر ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ اور سات رنگوں کی قوس قزح کھلی ہوئی ہے، یعنی وہ فنی رویّہ جسے عام طور سے چیخوف سے منسوب کیا جاتا ہے، کچھ ماند پڑ گیا ہے۔

مختصراً یہ کہنا کافی ہوگا کہ "جنگل کا جن" میں چیخوف اپنے فطری رجحان سے کچھ بھٹک بھی گئے ہیں۔ اور اپنے مقاصد میں کامیاب بھی نہیں ہو سکے ہیں اور بہت جلد چیخوف کو اس بات کا احساس بھی ہو گیا۔ اس لیے انھوں نے اس ڈرامے کی اشاعت بھی رکوا دی اور ایک بار ناکامی سے دوچار ہونے کے بعد اس ڈرامے کی اسٹیج پیش کش کی کوشش بھی نہیں کی۔ اور پھر کئی سال تک اس پر غور و فکر کرنے کے بعد اسے از سرِ نو ایک نئے ڈرامے یعنی "انکل وانیا" کے قالب میں ڈھالا۔ دونوں ڈراموں

میں کردار، واقعات اور دوسری تفصیلات کے اعتبار سے خاصی مماثلت ہے۔ لیکن جو تبدیلیاں کی گئی ہیں وہ بھی بہت اہم اور معنی خیز ہیں اور فورم، ٹیکنیک اور تخلیقی رویوں کے اعتبار سے "انکل وانیا"، ایک بالکل نیا ڈراما ہے اور اپنی تہ داری، نفسیاتی دروں بینی، انسانی فطرت اور رشتوں کے عرفان، سماجی بصیرتوں اور شاعرانہ کیفیت کے باوصف "انکل وانیا"، (حبیب ماموں) "جنگل کا جن"، کے مقابلے میں ایک بہت اعلا درجے کی تخلیق ہے جس کا تفصیلی تذکرہ آگے آئے گا۔

III

چیخوف کے ان ڈراموں کی تصنیف میں، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور ان کے چار شاہکار ڈراموں کی تخلیق میں تقریباً چھ سال کا طویل وقفہ ہے۔ اس عرصے میں چیخوف نے سخالین جزائر کا سفر کیا جہاں مجرموں کو عمر قید کی سزا کے طور پر بھیجا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ مضامین اور ایک مستقل مقالہ تحریر کیا۔ انھوں نے یورپ کا سفر بھی کیا۔ اس دوران میں وہ اپنے طبی پیشے سے بھی عملی طور پر وابستہ رہے اور ڈاکٹروں کی انجمن کے بھی سرگرم ممبر رہے۔ انھوں نے افسانہ نگاری پر بھی زیادہ سنجیدگی سے توجہ دی اور اپنے کئی شاہکار افسانے اسی دوران میں مکمل کیے۔ ساتھ ہی اسی زمانے میں انھوں نے مالی خودو میں ایک مکان اور جائداد بھی خریدی اور اس کو بنانے سنوارنے میں بھی کافی لگن سے مصروف رہے۔ اور اس عرصے میں بظاہر وہ ڈرامے اور تھیٹر کی دنیا سے الگ تھلگ رہے۔ لیکن یہ نابستگی سطحی تھی اور درحقیقت ایک فطری، تہ دار اور معنی آفریں ڈرامائی اسلوب کی ان کی تلاش جاری تھی، جس کا پہلا واضح ثبوت ان کا دل کش ڈراما "آبی پرندہ" TAE SEAEULL تھا جو ۱۸۹۶ء میں پہلی بار پیٹرسبرگ کے ایک تھیٹر میں پیش کیا گیا اور اگرچہ اس کی پہلی اسٹیج پیش کش ناقص ہدایت کاری، غلط اداکاری اور افراتفری کے باعث ناکام رہی جس سے چیخوف اس قدر دل گرفتہ ہوئے کہ "جرم ڈراما نگاری" سے تائب ہونے کا عہد کر بیٹھے۔ لیکن جب دو سال بعد نوجوان فن کاروں ستانیسلاوسکی اور نمیرووچ دان چنکو کے قائم کردہ ماسکو آرٹ تھیٹر نے اسے زیادہ اہتمام اور فن کاری کے ساتھ پیش کیا تو اس ڈرامے کے فطری انداز، حساس کردار نگاری، دل کشی اور شاعرانہ کیفیت نے ہر ایک کا دل موہ لیا۔ اور ساتھ ہی نوزائیدہ ماسکو آرٹ تھیٹر کی شہرت کو بھی چار چاند لگادیے۔ جس کے اعتراف کے طور پر ماسکو آرٹ تھیٹر نے آبی پرندے ہی کو اپنا نشان بنایا۔ اور رفتہ رفتہ

چیخوف سے تھیٹر کے دونوں سربراہوں کا پیشہ ورانہ تعلق بھی ایک گہری دوستی اور خلوص واحترام میں تبدیل ہوگیا۔ اور یہیں چیخوف کو وہ گوہر نایاب بھی ملا جس کی شاید انھیں برسوں سے تلاش تھی۔ نوجوان اداکارہ اولگا کینپر نے نہ صرف اپنی بہترین اداکاری سے تمام ماسکو کو متأثر کیا بلکہ مشکل پسند مصنف انتون چیخوف کا دل بھی جیت لیا۔ اور کچھ عرصے بعد وہ دونوں شادی کے مقدس رشتے میں منسلک ہوگئے۔

اور اب چیخوف کے چار شاہکار ڈراموں یعنی "آبی پرندہ" (۱۸۹۶ء) ماموں وانیا (۱۸۹۸ء) تین بہنیں (۱۹۰۰ء) اور چیری کا باغ (۱۹۰۳ء) پر فرداً فرداً تنقیدی نظر ڈالنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان ڈراموں کی کچھ مخصوص اور مشترک خصوصیات پر مختصراً روشنی ڈالی جائے۔ اور چیخوف کے شاہکار ڈراموں کی ساخت اور ان کی ڈرامانگاری کے اجزائے ترکیبی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان ڈراموں کا فطری انداز تہ داری، لطافت، دروں بینی، سماجی اور آفاقی بصیرتوں کا انکشاف اور زندگی کے بارے میں ایک گہرا اور متوازن فلسفیانہ رویّہ ان کی کچھ نمایاں خصوصیات ہیں۔ جن کی بنا پر چیخوف کے ڈرامائی اسلوب کو "شاعرانہ حقیقت نگاری" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس لطیف اور دل نشیں ڈرامائی اسلوب کے اجزائے ترکیبی کا تعین خاصا مشکل کام ہے۔ اور وقت نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ڈرامے کے فورم میں اس قسم کی جاذبیت اور اثر انگیزی پیدا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ بہر طور چیخوف کے ڈراموں کے گہرے مطالعے اور ان کی اسٹیج پیش کش اور اردو ترجموں کے ذاتی تجربے کی بنیاد پر میں یہ کہنے کی جرأت کروں گی کہ چیخوف نے ان ڈراموں میں فطرت نگاری REALISM تأثراتی طرزِ اظہار IMPRESSIONISM اور علامتی طرزِ اظہار SYMBOLISM کے

---

[1] نوٹ: بعض نقادوں نے "ایوانوف" کا شمار بھی چیخوف کے شاہکار ڈراموں میں کیا ہے۔ اور گو کہ اس میں شک نہیں کہ وہ بھی اپنی جگہ ایک کامیاب ڈراما ہے اور موضوع کے اعتبار سے بھی اہم ہے۔ لیکن فورم اور تکنیک کے اعتبار سے اسے عبوری دور کا ڈراما ہی کہا جا سکتا ہے۔
(زاہدہ زیدی)

عناصر کو ایک دوسرے میں تحلیل کر کے ایک سادہ و پرکار اور معنی خیز ڈرامائی اسلوب کی تخلیق کی ہے جسے بجا طور پر شاعرانہ حقیقت نگاری کا نام دیا جا سکتا ہے۔

فطرت نگاری REALISM شروع ہی سے چیخوف کا فنی موقف تھا۔ وہ ڈرامے کے مصنوعی تصور اور میلوڈرامائی طمطراق سے خالف تھے۔ اور اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ ڈرامے میں مسلسل سنسنی خیز واقعات رونما ہوتے رہیں اور کردار ہمہ وقت کسی غیر معمولی کام میں مصروف نظر آئیں اور اونچی اونچی باتیں کر کے حاضرین کو متأثر کرتے رہیں۔ زندگی کا تانا بانا تو روزمرّہ کے معمولی واقعات ہیں جن کی زیریں تہوں میں اکثر غیر معمولی عوامل کارفرما رہتے ہیں۔ اس لیے ڈرامے کو غیر معمولی بصیرتوں کی ترسیل کے لیے بھی ان ہی معمولی تفصیلات کا سہارا لینا چاہیے۔ لیکن ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اس فطری انداز سے چیخوف کی مراد زندگی کی من وعن پیش کش اور سپاٹ فوٹوگرافی نہ تھا۔ بلکہ ان کے فنی رویے میں معنی خیز انتخاب اور معنی آفریں ترتیب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور انھوں نے سطحی اور سپاٹ حقیقت نگاری سے دامن بچا کر زندگی کے نازک اور لطیف رنگوں، گریزپا کیفیات، ذہنِ انسانی کے نازک ترین ارتعاشات غم، مسرت، ناامیدی، تأسف، بے کیفی، بے زاری، جوش، ولولوں، خواب، خیال اور یادوں، مختصراً یہ کہ زندگی کے تتلیوں کی طرح اڑتے رنگوں اور جھلملاتی دھوپ چھاؤں کو بھی فن کے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی۔ اور اس میں انھیں غیر معمولی کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ اور یہی خصوصیات ان کے ڈرامائی اسلوب کو تأثراتی طرزِ اظہار IMPRESSIONISM سے قریب تر لاتی ہے، جو سیکڑوں رنگوں کے نازک ترین ارتعاشات اور نور اور تاریکی کی آنکھ مچولی کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے کے مترادف ہے! اور بڑی حد تک یہی اندازِ بیان چیخوف کے ڈراموں میں شاعرانہ کیفیت اور دروں بینی کا خاص وسیلہ بھی ہے۔

ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ چیخوف نے ان ڈراموں کو علامتی معنویت سے بھی مالامال کر دیا ہے۔ اور ان کی تقریباً سبھی تفصیلات کوئی نہ کوئی علامتی بُعد لیے ہوئے ہیں۔ پس منظر موسم، وقت، مظاہرِ فطرت، طوفان، بہار، خزاں، گرمی، جنگلات، جھیل، چاند۔ یہاں تک کہ

ملبوسات اور ان کے رنگ، کرداروں کی نقل و حرکت، یہاں تک کہ معمولی ترین چیزیں مثلاً ایک گھڑی، پیانو، یا الماری کی چابی بھی اکثر علامتی معنویت کی حامل ہیں اور گہرے معنوں کی ترسیل میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہر ڈرامے میں ایک مرکزی علامت ہے جو پورے ڈرامے پر چھائی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایکٹ کی بھی اپنی کوئی مخصوص علامت ہے اور اس کے علاوہ ہر ڈرامے میں ہلکی پھلکی علامتوں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے۔ اور اس طریقۂ کار میں چیخوف نے ڈرامے کی ہمہ جہت زبان کا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ یعنی پس منظر، نقل و حرکت، رنگ، روشنی، اندھیرا، موسیقی، آوازیں، خاموشی، سبھی کا استعمال بھرپور اور شاعرانہ ہے۔ چیخوف کی علامت نگاری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب علامتیں ہر ڈرامے کی ساخت میں پیوست ہیں اور اس کے چھوٹے بڑے واقعات کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ اور یہ کہیں بھی ڈرامے کے ایکشن پر تھوپی ہوئی معلوم نہیں ہوتیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان ڈراموں میں علامتی طرزِ اظہار، چیخوف کی فطرت نگاری اور تأثراتی طرزِ اظہار سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ چیخوف کا علامتی طرزِ اظہار اس قدر لطیف ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسرے ڈرامانگاروں کی، یہاں تک کہ ہنرک ابسن کے ڈراموں کی علامت نگاری بھی کافی سپاٹ اور جارحانہ سی معلوم ہوتی۔ چیخوف کی علامت نگاری ان کی شاعرانہ حقیقت نگاری کا ایک لازمی جزو ہے اور گہرے اور وسیع تر معنوں اور آفاقی بصیرتوں کے عرفان کا سب سے اہم وسیلہ ہے۔

مقالے کی حدود اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ چیخوف کے شاہکار ڈراموں کی دوسری خصوصیات کو بھی کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جائے اس لیے نہایت اختصار سے ان کی طرف صرف اشارہ کیا جائے گا۔

سب سے پہلے تو یہ کہ چیخوف کے ان ڈراموں کا ایکشن اور ارتقا بظاہر تو بہت سست رفتار ہے بلکہ کہیں کہیں تو اسے ساکت و جامد بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اس سطحی سکوت کی زیریں تہوں میں گوناگوں جذبات، ذہنی ارتعاشات، گریزپا کیفیات اور شدید یا لطیف احساسات کا ایک ریلا سا موجزن ہے جو کسی حد تک شعور کی رو سے مشابہ ہے۔ اور جسے ڈرامے کے اندرونی ایکشن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور چیخوف کے ڈراموں سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے

لیے اس اندرونی ایکشن کو گرفت میں لانا ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ ان سب ڈراموں میں توجہ کا مرکز ایک مخصوص کردار یا ہیرو ہیروئن نہیں بلکہ ایک سوشل گروپ ہے۔ جس کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ جس میں بیشتر کردار کافی پہلودار ہیں اور ہم ان کی ظاہری خصوصیات کے ساتھ ان کی داخلی کیفیات سے بھی روشناس ہوتے ہیں۔ اور ان ڈراموں میں سیاہ و سفید اور نیکی و بدی کی تقسیم بھی دو ٹوک انداز سے نہیں کی گئی ہے بلکہ بیشتر کردار کم و بیش ان دونوں خصوصیات کے حامل ہیں۔ گو کہ بعض زیادہ وسیع النظر اور بلند حوصلہ ہیں جب کہ بعض دوسرے کردار تنگ نظری، خود غرضی یا روایت پرستی کا شکار ہیں۔

اسی طرح ان ڈراموں میں ہنرک ابسن اور برناڈشو کے ڈراموں کی طرح ایک مخصوص موضوع یا مسئلے کو مرکزِ توجہ نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ ان میں مختلف موضوعات، تصورات، نقطہ ہائے نظر، احساسات اور ذہنی کیفیات کا ایک تانا بانا سا ہے جس نے انھیں نہ صرف زیادہ تہ دار بلکہ زیادہ لطیف بھی بنا دیا ہے۔ یعنی ان ڈراموں کی فنی ساخت بڑی حد تک ایک سمفنی SYMPHONY سے ملتی جلتی ہے جس کا مجموعی تأثر ہر ساز کی مخصوص کیفیت، اتار چڑھاؤ اور ان کے پیچیدہ اور معنی خیز آپسی تعلق کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔

اسی طرح چیخوف کے بہترین ڈراموں کو المیہ اور طربیہ خانوں میں بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں المیہ اور طربیہ عناصر کی بیک وقت موجودگی نے ایک دھوپ چھاؤں کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ غم و مسرت کے جذبات، آنسو اور قہقہے، عشق اور ناکامیاں زندگی کے ولولے اور بیزاری، بلند و بالا حوصلے اور مضحکہ خیز طرزِ عمل اور طرزِ احساس ان کے تار و پے میں پیوست ہیں۔ گویا ان میں طنز اور ہمدردی کی زیریں لہر یکساں طور پر فعال ہے۔ گو ان کا تناسب ہر ڈرامے میں کسی قدر مختلف ہے۔ ایک سرے پر "تین بہنیں" ہے جس میں المیہ عناصر کا پلڑا بھاری ہے اور دوسرے سرے پر "چیری کا باغ" جس میں طربیہ عناصر کی فراوانی ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ان ڈراموں میں داخلی اور خارجی عناصر کو بھی اسی خوبی سے یکجا کیا گیا ہے۔ ایک طرف ان ڈراموں کی حساس کردار نگاری اور دروں بینی قابلِ رشک ہے اور دوسری طرف ان کی جڑیں عصری صورتِ حال میں پیوست ہیں اور چیخوف نے نہ صرف ماحول

اور سماجی صورتِ حال کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے بلکہ مستقبل کی طرف بھی بلیغ اشارے ان ڈراموں میں موجود ہیں اور ساتھ ہی یہ گہری آفاقی بصیرتوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

اور اب ہم ان مشترک خصوصیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے فرداً فرداً ان ڈراموں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی مخصوص کیفیات، موضوعات اور صورتِ حال بھی اسی قدر متاثر کرتی ہیں جیسی کہ ان کی مشترک خصوصیات اور فنی رویّے۔ اس لیے اب ہم اپنی توجہ اس طرف مبذول کرتے ہیں۔

IV

"آبی پرندہ" (۱۸۹۶ء) (چانکا روسی) (THE SEAGULL) اس ڈرامے کے منظرِ عام پر آنے سے کچھ عرصہ پہلے چیخوف نے اپنے ایک بزرگ دوست اور پبلشر سوورین کو خط میں لکھا کہ "میں آج کل ایک ڈرامے پر کام کر رہا ہوں جس میں جھیل کا پس منظر ہوگا۔ ادب اور آرٹ پر دل کھول کر گفتگو اور اس کے علاوہ ۔ عشق ۔ عشق ۔ عشق ۔ یعنی سیکڑوں من عشق" اور اس میں شک نہیں کہ اس ہلکے پھلکے اور کسی قدر طنزیہ فقرے میں چیخوف نے ڈرامے کے موضوعات اور اس کے فکری، جذباتی اور سماجی ماحول اور فضا کو بڑی حد تک سمو دیا ہے۔ اس ڈرامے کا پس منظر تھیٹر کی مشہور ایکٹرس ارکادینا کے بھائی سورن کی جائداد اور مکان ہے جو ایک بڑی جھیل کے کنارے واقع ہے۔ اور اس جھیل کو ڈرامے کے ایک اہم کردار ڈاکٹر ڈورن نے پہلے منظر میں جادوئی جھیل MAGIC LAKE کا خطاب دیا ہے۔ اسی منظر میں کچھ دور فاصلے پر اسے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ اور یہ نہ صرف اس ڈرامے کا فطری پس منظر بلکہ ایک اہم علامت بھی ہے۔ جو ڈرامے کے اہم کرداروں کی زندگی پر مختلف طریقوں سے اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے توسط سے جاگیردار ی نظام کے انحطاط کے کچھ اشارے بھی ہمیں ملتے ہیں اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صرف سورن اور ارکادینا ہی کی جائداد کو گھن نہیں لگ رہا بلکہ قرب و جوار کی سبھی جاگیریں اس انحطاط کا شکار ہیں۔ اور جھیل کی وہ رونقیں جنھوں نے کبھی اسے حسن و عشق، موسیقی اور زندہ دلی کا گہوارہ بنا رکھا تھا اب معدوم ہیں۔ آبی پرندے کے علاوہ جس کا ذکر آگے آئے گا یہی جھیل اس ڈرامے کی مرکزی علامت بھی ہے۔

جہاں تک ڈرامے کے دوسرے موضوع یعنی "ڈھیروں عشق" کا تعلق ہے تو وہ بھی اس ڈرامے کا ایک دلچسپ پہلو ہے جس کے وسیلے سے ہم مختلف کرداروں کی داخلی زندگی اور

ان کی شخصیت کے حدود و امکانات سے روشناس ہوتے ہیں۔ اس ڈرامے کا تقریباً ہر کردار کسی نہ کسی کے عشق میں مبتلا ہے۔ میدویدنکو جو ایک نادار اور مسکین اسکول ماسٹر ہے، اپنی بیوی ماشا سے بڑی بے لوث اور پائیدار قسم کی محبت کرتا ہے۔ ماشا جو اس جائداد کے مختارِ کل شمار یو کی بیٹی ہے، اپنے شوہر کی محبت کا جواب دینا کسرِ شان سمجھتی ہے اور ایکٹرس ارکادینا کے بیٹے تریپلیف کے عشق میں مبتلا ہے۔ تریپلیف ماشا کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور پڑوس کی نوجوان لڑکی نینا سے جو ایکٹرس بننے کے خواب دیکھ رہی ہے، بڑے والہانہ انداز سے محبت کرتا ہے۔ نینا شروع میں تریپلیف کی محبت کا جواب دیتی ہے لیکن بہت جلد وہ مشہور ناول نگار تری گورین کے عشق میں مبتلا ہو جاتی ہے جو عمر میں کم سے کم اس سے دوگنا ہے۔ تری گورین بھی ایک والہانہ جذبے کے ماتحت اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے لیکن بہت جلد وہ اپنی دیرینہ محبوبہ ارکادینا کے پاس واپس چلا جاتا ہے۔ ارکادینا جو ایک خوب صورت لیکن ڈھلتی ہوئی عمر کی طرحدار عورت ہے اور کبھی عاشقوں کے جھرمٹ میں گھری رہتی تھی، اب تری گورین سے بڑے طمطراق سے عشق کرتی ہے۔ اور ہر حالت میں اسے بلا شرکتِ غیرے اپنانے کی کوشش کرتی ہے۔ اور یوں بھی اب وہ عمر کی اس سرحد میں داخل ہو چکی جب کہ تری گورین کی موجودگی اس کی حسن و جوانی کی داستانوں کو زندہ رکھنے کے لیے از حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ماشا کی ادھیڑ عمر کی بے وقوف ماں پولینا عمر رسیدہ لیکن ذہین، مشفق اور طرحدار ڈاکٹر ڈورن سے محبت کرتی ہے، جو اس کی طرف تو ظاہر ہے کوئی توجہ نہیں کرتا لیکن اپنے زمانے میں حسن و عشق کی کئی داستانوں کا ہیرو رہ چکا ہے۔ اس طرح گویا عشق و عاشقی کا موضوع پورے ڈرامے پر چھایا ہوا ہے۔ جسے دیکھ کر شیکسپیر کے رومانوی طربیوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جہاں ہر نوجوان کسی نہ کسی کے عشق میں گرفتار نظر آتا ہے۔ چیخوف نے عمر کی قید بھی ہٹا دی ہے۔ اور نوجوانوں سے لے کر عمر رسیدہ لوگ تک سبھی عشق کی بھول بھلیاں میں کھوئے ہوئے ہیں۔

ان سب عشق کے تجربوں میں ایک بات تو مشترک ہے اور وہ یہ کہ کم و بیش یہ سبھی ناکام قسم کے عشق ہیں۔ گو کہ ان کی ناکامی کہیں المیہ اور کہیں طربیہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ لیکن یہ سب اپنی نوعیت شدت اور سنجیدگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ مثلاً پولینا کا ڈاکٹر ڈورن

سے عشق انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ اور ماشا کا تریپلیف سے یک طرفہ عشق بھی خام لبے نکلا ہے یہ نہ صرف ایک جامد قسم کا جذبہ ہے بلکہ کسی حد تک ایک پوز بھی ہے۔ اور زندگی سے فرار کے مترادف ہے۔ ماشا ہمہ وقت سیاہ لباس میں ملبوس نظر آتی ہے اور اپنے بچے اور گھریلو مسائل سے بے نیاز رومانی خیالوں میں کھوئی رہتی ہے۔ اور خود کو ایک المیہ ناول کی ہیروئن تصور کرتی ہے۔ ارکادینا اور تری گورین کا معاشقہ بھی اپنے پورے سوشل ملمطراق کے باوجود بڑی حد تک خود پرستی اور خود غرضی کا زائیدہ ہے اور اس میں بھی فرار کے عناصر کافی نمایاں ہیں۔ البتہ تریپلیف کا نینا سے عشق کافی گہرا اور والہانہ ہے جو ناکام ہونے کے باوجود بھی اس کی زندگی کو گہرے طور پر متأثر کرتا ہے۔ اور نینا کا تری گورین سے عشق بہت ہی شدید، سنجیدہ اور والہانہ ہے۔ جو نہ صرف اس کی زندگی کے دھارے کو موڑ دیتا ہے بلکہ اس کے فلسفۂ حیات اور فنی نظریے کو بھی نئی بصیرتوں سے آشنا کرتا ہے۔ نینا ایک مختصر اور شدید معاشقے کے بعد تری گورین کے بچے کی ماں بنتی ہے۔ اور پھر اپنے بچے اور محبوب دونوں کو کھو دینے کے بعد خود کو زندگی کے لق ودق صحرا میں تنہا پاتی ہے۔ دوسری طرف تری گورین کا نینا سے عشق بھی ایک والہانہ لیکن وقتی جذبہ ہے، جو ذمہ داری کے احساس سے یکسر خالی ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس ڈرامے میں چیخوف نے عشق کے تجربے کا تقریباً ہر پہلو سے مطالعہ کیا ہے۔ اور اس کے وسیلے سے ان کرداروں کی داخلی زندگی اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے اور ایک مخصوص سماجی اور تہذیبی ماحول کی تشکیل بھی کی ہے۔

اسی طرح ادب اور تھیٹر کے موضوع کو بھی اس ڈرامے میں مرکزیت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اس "ڈراما در ڈراما" کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جو اس ڈرامے کے پہلے ایکٹ میں خاندانی گروپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور جو تریپلیف کی تخلیق اور اس کے فنی نظریات کی تجسیم ہے۔ یہ ڈراما شیکسپیر کے شاہکار ہیملٹ میں "ڈراما در ڈراما" کی یاد دلاتا ہے۔ اور اسی کی طرح ماں بیٹے کی آویزش کے نتیجے کے طور پر یہ بھی نامکمل رہتا ہے۔ لیکن جو بات زیادہ قابلِ غور ہے وہ یہ کہ یہ ڈراما در ڈراما "آبی پرندے" کی ساخت میں پوری طرح پیوست ہے اور اس کی کھنک تقریباً ہر ایکٹ میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ اور یہیں سے آرٹ اور تھیٹر کی بحث کا بھی آغاز ہوتا ہے۔

یوں تو اس ڈرامے کا کم و بیش ہر کردار کسی نہ کسی طرح آرٹ، لٹریچر اور تھیٹر میں دل چسپی رکھتا ہے اور بعض کردار تو خود کو کسی ڈرامے کا مرکزی کردار تصور کرنے میں ایک خاص لذت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس بحث میں جو لوگ زیادہ نمایاں حصہ لیتے ہیں وہ یہ ہیں، تری گورین جو ایک مشہور اور کامیاب ناول نگار ہے۔ ارکادینا جو ایک مشہور ایکٹرس ہے۔ تریپلیف جو ایک نوجوان مصنف ہے اور نینا جو شروع میں ایکٹرس بننے کے خواب دیکھ رہی ہے اور ڈرامے کے آخر تک ایک ایکٹرس بن چکی ہے۔ ان چاروں کرداروں کے علاوہ جو خود بھی ادب اور تھیٹر کے میدانوں سے تعلق رکھتے ہیں ڈاکٹر ڈورن بھی اس بحث میں ایک اہم حصہ لیتا ہے۔ اور گو کہ وہ خود فن کار نہیں لیکن اسے ادب اور آرٹ کا ایک سنجیدہ اور حساس نقاد تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ ادب کو وسعتِ نظر، پاکیزگی قلب اور روحانی آزادی کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔ اور ادب میں سنجیدگی، خلوص اور ارفع و اعلا مقاصد کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس کے بغیر تخلیقی جذبہ اکثر تخریبی شکل اختیار کر لیتا ہے اور تخلیق کار کی شخصیت کو مسخ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق تخلیقی صلاحیت فطرت کا ایک نادر تحفہ ہے جو فن کار پر کچھ اہم ذمہ داریاں بھی عائد کرتی ہے۔

جہاں تک دوسرے کرداروں کا تعلق ہے ارکادینا خود فن کار ضرور ہے لیکن اس کا فنی نظریہ نہایت سطحی اور عامیانہ قسم کا ہے۔ اور تھیٹر اس کے لیے صرف شہرت اور گلیمر GLAMOUR کا وسیلہ ہے۔ اور اس کی توجہ اپنے حسن و جمال کی آرائش اور ڈھلتی ہوئی عمر میں جوانی کا تاثر قائم رکھنے پر مرکوز ہے۔ وہ روسی تھیٹر کی فرسودہ روایات کا ایک حصہ ہے اور اسے نئے تجربات اور تصورات سے کوئی دل چسپی نہیں۔ اپنے بیٹے کے تجرباتی ڈرامے کو وہ دیکھنے سے پہلے ہی رد کر دیتی ہے۔ اور اپنے تحقیر و تضحیک آمیز کلمات سے نہ صرف اس کی دل آزاری کرتی ہے بلکہ اپنی محدود ذہنیت کا ثبوت بھی دیتی ہے۔

ارکادینا کا دوست اور محبوب تری گورین بھی ایک باصلاحیت فن کار اور مشہور ناول نگار ہے، لیکن اس کا فنی نظریہ بھی کافی سطحی ہے۔ لکھتے رہنا اس کے لیے ایک نشہ سا ہے۔ اس کے انداز بیان میں دل کشی بھی ہے اور روانی بھی لیکن اس کے پاس زندگی اور فن کا کوئی واضح تصور اور کوئی فلسفۂ حیات نہیں (جسے چیخوف فن کار کے لیے بہت ضروری خیال کرتے تھے) فن کار کی کامیابی اور

شہرت اور دوسروں کو آگے بڑھنے سے روکنے کی صلاحیت ہی اس کے لیے سب سے بڑی قدر ہے۔ ادب کے گہرے مسائل اور نظریاتی بحثوں سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ تریپلیف کے تجریدی ڈرامے کو وہ کافی بے دلی سے دیکھتا ہے اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

ان دونوں کے برعکس نینا اور تریپلیف کا فنی رویّہ سنجیدہ اور پُرخلوص ہے۔ شروع میں نینا کو تریپلیف کا ڈراما جس میں وہ ہیروئن کا رول کر رہی ہے، بہت خشک اور الجھا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف وہ مشہور ناول نگار تری گورین کی تحریروں سے کافی متأثر ہوتی ہے اور جب پہلی بار اس سے ملتی ہے تو اس کی شخصیت سے بھی بے حد مسحور ہو جاتی ہے۔ لیکن تری گورین سے عشق کے شدید اور المناک تجربے سے گزرنے کے بعد جب وہ خود ایکٹرس بنتی ہے اور فن میں اپنے زخموں کا مداوا ڈھونڈتی ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ فن کی دنیا میں شہرت اور کامیابی اتنی اہم نہیں جتنا خلوص اور لگن۔ اور وہ فن کو خود شناسی کا وسیلہ بناتی ہے اور اسے خدمت اور عبادت کا درجہ دیتی ہے۔ اور اب تریپلیف کا وہ ڈرامہ جس میں فن کی دیوی خود کو مادے کی کثافتوں سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے اسے زیادہ بامعنی معلوم ہوتا ہے۔

تریپلیف کا فنی نظریہ بھی سنجیدہ اور پُرخلوص ہے وہ روسی تھیٹر کی فرسودہ روایات اور سطحی اخلاقی تصوّرات سے غیر مطمئن ہے اور تھیٹر اور ڈرامے کی دنیا میں دور رس تبدیلیاں لانے کا خواہش مند ہے۔ اس کا تجریدی ڈراما اس کے فنی نظریات کی تجسیم ہے۔ اس دل آزاری اور دل شکنی کے باعث جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، وہ دوبارہ کوئی ڈراما لکھنے یا اسٹیج پر پیش کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ لیکن کئی سال بعد ڈرامے کے آخری ایکٹ میں جب ہم اسے دیکھتے ہیں تو وہ ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے خاصی کامیابی حاصل کر چکا ہے۔ لیکن وہ اپنے کام سے مطمئن نہیں اور سب سے زیادہ فکر اسے اس بات کی ہے کہ اس کامیابی اور شہرت کے ساتھ وہ شاید خود بھی کلیشے زدہ تصوّرات کی لپیٹ میں آتا جا رہا ہے۔ کم از کم اس دلدل میں پھنسنے کا خطرہ ضرور ہے۔ کیوں کہ اس کے ملک کی ادبی فضا اور معیار فرسودہ روایات اور عامیانہ تصوّرات کا شکار ہیں۔ اور وہ خود کو ادب کی کسی نئی شاہراہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لائق نہیں پاتا۔ بہر طور اس میں کوئی شک نہیں کہ تریپلیف کا ادبی رویّہ سنجیدہ اور ذمہ دارانہ ہے۔ اور وہ اسے دولت اور شہرت کا وسیلہ

نہیں سمجھتا بلکہ زندگی سے پُرخلوص وابستگی اور گہری بصیرتوں کے ادراک کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

"آبی پرندہ" اور بھی کئی اعتبار سے دل کش اور جاذبِ توجہ ہے لیکن مقالے کی حدود ان تفصیلات میں جانے کی اجازت نہیں دیتیں اس لیے اس ڈرامے کی مرکزی علامت یعنی آبی پرندے پر روشنی ڈالنے کے بعد اس بحث کو ختم کیا جائے گا۔

دوسرے ایکٹ میں جب نینا جو اب تری گورین کے عشق میں مبتلا ہو چکی ہے اپنے خیالات میں گم بیٹھی ہے تو ترپلیف ایک سمندری بگلے کو لے کر داخل ہوتا ہے جسے اس نے اپنی گولی کا نشانہ بنایا ہے۔ اور اسے نینا کے قدموں میں رکھ کر کہتا ہے کہ اگر وہ اس کی محبت کا جواب نہ دے سکی تو وہ ایک دن خود کو بھی اپنی گولی کا نشانہ بنائے گا اور یہ بات حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتی ہے۔ چوتھے ایکٹ میں جب آخری بار اسے اس سلسلے میں مایوسی ہوتی ہے تو وہ خود کو اپنی گولی کا نشانہ بنا لیتا ہے۔ دوسرے ایکٹ ہی میں جب کچھ دیر بعد تری گورین نینا کے پاس آتا ہے تو اس مرے ہوئے بگلے کو دیکھ کر ایک کہانی کا پلاٹ اس کے ذہن میں آتا ہے جس کی ہیروئن ایک معصوم لڑکی ہے جو ایک سمندری بگلے کی طرح جھیل کے کنارے رہتی ہے۔ اور پھر ایک شکاری نہ معلوم کہاں سے آتا ہے اور اس کی معصوم زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور یہ بات بھی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتی ہے۔ وہ معصوم لڑکی خود نینا ہے اور وہ شکاری تری گورین جو صرف تفریحِ طبع کی خاطر اس معصوم کا شکار کرتا ہے۔ اور جب آخری ایکٹ میں وہ اس بگلے کو دیکھتا ہے جس میں اسی کی ہدایت کے مطابق بھُس بھرا دیا گیا تھا تو وہ بگلا، نینا اور کہانی سب اس کے ذہن سے محو ہو چکے ہیں۔ اسی ایکٹ میں جب نینا ترپلیف سے ملنے آتی ہے تو وہ بار بار خود کو آبی پرندے سے تشبیہ دیتی ہے اور ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک مجروح سمندری بگلا بھی ہے اور ایک آزاد آبی پرندہ بھی جو وسیع تر فضاؤں میں پرواز کے لیے پر تول رہی ہے۔

اس طرح آبی پرندے کی علامت بھی ڈرامے کی ساخت میں پیوست ہے اور اس کے گہرے اور گریز پا معنوں کی ترسیل میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر "آبی پرندہ" ایک بہت دل کش اور اثر انگیز ڈراما ہے جس میں نوجوانی کی امنگ اور رومانوی عناصر کے ساتھ ساتھ سنجیدہ مسائل کی آمیزش اور فلسفیانہ تفکر کی زیریں لہر بھی موجود ہے اور شاعرانہ کیفیت نے اس کی حقیقت نگاری کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

ماموں وانیا (۱۸۹۸ء) (دیجے وانیا (روسی) حلیب ماموں (آزاد ترجمہ) "ماموں وانیا"

بھی جس کا آزاد ترجمہ یہاں "حبیب ماموں" کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک تہ دار معنی آفریں اور دلکش ڈراما ہے۔ جس میں ذاتی زندگی کے نشیب و فراز اور کرداروں کی حساس اور باریک بین پیش کش کے ساتھ ساتھ چیخوف نے وسیع تر سماجی، اخلاقی اور سائنٹفک مسائل کا احاطہ بھی کیا ہے۔ اور ان کے توسط سے مستقبل کا ایک وژن بھی پیش کیا ہے۔

اس ڈرامے کا پس منظر بھی ایک قصباتی جاگیر ہے جہاں بوڑھا پروفیسر سربیاکوف (پروفیسر کلیم الدین) ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی جوان اور حسین بیوی یلینا (دردانہ فرحت) کے ساتھ قیام کے ارادے سے آیا ہے۔ یہ جائداد دراصل اس کی پہلی بیوی کی ملکیت ہے جس کی بیٹی سونیا (سلیمہ) ماں ماریا وسیلینا (فخرالنساء بیگم) اور بھائی وانیا (حبیب) پہلے ہی سے وہاں مقیم ہیں اور حبیب جس کی عمر ۴۷ سال ہے اس جائداد کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس ڈرامے کا ایک اور اہم کردار ۳۷ سالہ ڈاکٹر استروف (ڈاکٹر سلمان) ہے جو کسی قریبی قصبے کے ہسپتال میں کام کرتا ہے اور جسے آزاد ترجمے میں اس خاندان کے دور کے رشتے دار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر کی بیٹی سلیمہ جو ایک ۲۵ سالہ حساس، سنجیدہ اور جفاکش لڑکی ہے کافی عرصے سے سلمان سے خاموش محبت کرتی ہے ان لوگوں کی زندگی سست رفتار، محدود لیکن پرسکون ہے۔ لیکن پروفیسر اور اس کی بیوی دردانہ کے اس قصباتی ماحول میں قدم رکھتے ہی اس پرسکون زندگی میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوتا ہے جو کسی طوفان کو اپنے جلو میں لیے ہوئے ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ ڈاکٹر سلمان جو نہ صرف ایک ذمہ دار ڈاکٹر ہے بلکہ جس نے گردونواح کے جنگلات کی حفاظت کا بیڑا بھی اٹھایا ہے ایک بے اختیار جذبے کے تحت پروفیسر کی حسین بیوی کی طرف کھنچتا چلا آتا ہے جس کے باعث نہ صرف اس کا کام متأثر ہوتا ہے بلکہ سلیمہ بھی گہری مایوسی اور کرب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف حبیب (وانیا) بھی خود کو دردانہ کے عشق میں مبتلا پاتا ہے۔ اور یکایک اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ پروفیسر کلیم الدین جسے وہ علم و فضیلت کا منارہ سمجھتا رہا حقیقت میں ایک محدود اور کھوکھلا انسان ہے اور اس نے اپنی شخصیت اور مسرت کو نظرانداز کر کے اپنی زندگی ایک ایسے شخص کی خدمت میں گنوا دی جو کسی طرح بھی اس خلوص اور احترام کا مستحق نہ تھا۔ اور اب وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اس کا ماضی ایک ویران کھنڈر ہے اور اس کا مستقبل ایک لق و دق صحرا کی طرح اس کے سامنے پھیلا ہوا ہے مختصراً یہ

کہ جب ڈراما شروع ہوتا ہے تو حبیب ایک شدید ذہنی، جذباتی اور روحانی بحران سے گزر رہا ہے جسے وجودی بحران بھی کہا جا سکتا ہے اور حبیب کی ذہنی کیفیات کو اس ڈرامے میں خاصی مرکزیت حاصل ہے۔ اس کی ذہنی کیفیت کسی حد تک ایوانوف سے ملتی جلتی ہے لیکن یہاں چیخوف نے حبیب (وانیا) کو صرف طبی نقطۂ نظر سے ایک کیس اسٹڈی CASE STUDY کے طور پر پیش نہیں کیا ہے بلکہ اس کی ذہنی کیفیت کا رشتہ زیادہ گہرے اور پیچیدہ مسائل سے جوڑا ہے۔ اور اگرچہ حبیب اپنی حالت کا ذمہ دار پورے طور پر پروفیسر کلیم الدین ہی کو ٹھہراتا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ حبیب کی بے سمت اور اجاڑ زندگی اور اس کا اپنی شخصیت کو نظر انداز کرتے رہنا ایک معمولی آدمی کو اپنی زندگی کا محور بنا لینے ہی کا نتیجہ ہے لیکن ڈرامے کے سیاق و سباق میں یہ بات بھی کافی صاف طور سے ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس المناک صورتِ حال کا ذمہ دار اس کا سماجی اور ثقافتی ماحول بھی ہے۔ اور قصبہ کی محدود اور بے کیف زندگی نے اس ذہین اور حساس شخص کی صلاحیتوں کو کچل کر رکھ دیا ہے ....

اور یہ بات کسی حد تک ڈاکٹر سلمان پر بھی صادق آتی ہے جو اس ڈرامے کا سب سے اہم اور مثبت کردار ہے۔ اس کی نظر وسیع اور مقاصد بلند ہیں۔ اور جنگلات سے اس کا عشق کوئی جھکی قسم کا شوق نہیں بلکہ اس کی انسان دوستی، سائنٹفک نقطۂ نظر اور مستقبل کے وژن کا سنگم ہے جس کے باعث بعض نقادوں مثلاً جون ٹلوچ نے اسے چیخوف کے ڈراموں کا ایک وژنری ایپک ہیرو VISIONARY EPIC HERO قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بلند حوصلہ شخص بھی محدود قصباتی زندگی اور پس ماندہ ماحول سے کافی حد تک متأثر ہوا ہے۔ بے حسی، جہالت، غربت اور گندگی کے ماحول میں کام کرتے کرتے اس کے جذبات کے سوتے خشک ہو گئے ہیں اس کی شخصیت کے دو متضاد دھارے یعنی زندگی سے گہری وابستگی، عزم اور حوصلہ اور مایوسی، بے زاری اور جھنجھلاہٹ (جو اس کے ماحول کی بے حسی اور ابتذال کی دین ہیں) ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ اور حبیب کی طرح وہ بھی کبھی کبھی شراب نوشی میں فرار کا راستہ ڈھونڈتا ہے اور رعایانہ قسم کی باتیں کر کے دل کا غبار نکالتا ہے۔

جنگلات اس ڈرامے کی مرکزی علامت ہے جو ماضی کے ورثے، حال کی ذمہ داریوں اور مستقبل کے روشن امکانات کا اشاریہ ہے۔ ڈرامے کا مثبت ہیرو ڈاکٹر سلمان جنگلات کا رشتہ سماجی ترقی، اخلاقیات، کلچر اور احساسِ حسن سے جوڑتا ہے اور اسے اس بات کا گہرا دکھ ہے کہ اس کے ملک کے

جنگلات کس بیرسی کی حالت میں دم توڑ رہے ہیں۔ اور اس کے خیال کے مطابق یہ بربادی، کوتاہ بینی اور بے حسی کا نتیجہ ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ ڈراما تقریباً سو سال پہلے لکھا گیا تھا (۱۸۹۶ء) لیکن آج بھی یہ خیالات چونکا دینے والے اور بصیرت افروز ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چیخوف سائنس اور ہیومنزم HUMANISM کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور سماجی عوامل اور ماحولیات سے ان کی دل چسپی بے حد گہری، ہمہ جہت اور دور رس تھی اور اس دل چسپی کو چیخوف نے اتنے والہانہ انداز سے پیش کیا ہے کہ اس میں ایک شاعرانہ کیفیت بھی پیدا ہو گئی ہے۔

اس ڈرامے کے دوسرے کردار فخرالنساء بیگم (ماریا دسیلینا) حکیمن (مارینا) اور محمدؔ شریف (تبلیگن) ہیں۔ حبیب کی ماں فخرالنساء بیگم اپنے گرد و پیش سے بے نیاز، ہمہ وقت پرانے رسالے اور کتابیں پڑھنے میں مصروف رہتی ہیں۔ اور حقوقِ نسواں کے مسائل میں الجھی رہتی ہیں لیکن ان کی یہ دل چسپی بھی صرف کتابی قسم کی ہے۔ وہ اب تک پروفیسر کو اپنی زندگی کا محور بنائے ہوئے ہیں۔ محمدؔ شریف اس جائداد پر کام کرنے والا ایک سیدھا سادا مرنجان مرنج شخص ہے جس کے توسط سے بعض سماجی اور عصری مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کردار کا رول، آزاد ترجمے میں کسی قدر کم کر دیا گیا ہے۔ حکیمن اس خاندان کی ایک پرانی خادمہ ہے جس میں سادگی، ہمدردی، وفاداری اور سمجھداری کے عناصر یکجا ہو گئے ہیں۔

ڈرامے کے پہلے ایکٹ میں جوست ندار کوٹھی کے باغ اور آزاد ترجمے میں حویلی کے آنگن میں پیش کیا گیا ہے ہم ان سب کرداروں اور ڈرامے کی صورتِ حال سے متعارف ہوتے ہیں اور خاص طور سے حبیب کی ذہنی کیفیت اور ڈاکٹر سلمان کی شخصیت اور تصورِ حیات سے روشناس ہوتے ہیں۔ دوسرے ایکٹ کا پس منظر کھانے کا کمرہ اور وقت رات ہے۔ اور اس میں ڈرامائی دل چسپی کا مرکز پروفیسر کلیم اور اس کی بیوی دُردانہ ہے۔ پروفیسر ایک بوڑھا اور بیمار شخص ہے اور اپنی بیماری کو کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اس کی زندگی کا محور خود اپنی ذات ہے۔ اور وہ اپنی علمیت سے ہر ایک کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو وہ اپنے آرام و آسائش کا آلۂ کار اور اپنی انا کی تسکین کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ وہ کسی حد تک خود ترسی کا بھی شکار ہے اور اس کا خیال ہے کہ جو لوگ جوان اور تندرست ہیں وہ تو خود زندگی کے مزے لوٹ

ہیں۔ اور اسے بوڑھا سمجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ سب لوگوں سے اور خاص کر اپنی بیوی دُردانہ سے حسد بھی کرتا ہے۔ اور ان سب کو کچوکے دیتے رہنا اس کی فطرت میں داخل ہو گیا ہے۔ ڈرامے کے دوران ہمیں اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ پروفیسر کا علمیت اور اسکالرشپ کا دعویٰ بھی خاصا کھوکھلا اور بے بنیاد سا ہے۔ اور معمولی درجے کے استادوں کی طرح ریٹائر ہونے کے بعد وہ بھی کم و بیش غیر ضروری اور گمنام شخصیت ہو کر رہ گیا ہے۔

اسی ایکٹ میں ہم پروفیسر کی بیوی دُردانہ کو بھی زیادہ قریب سے دیکھتے ہیں۔ وہ حسین اور نوجوان ہے لیکن اس کے سامنے کوئی منزلِ مقصود نہیں۔ اور بقول ڈاکٹر سلمان کاہلی سے زندگی گزارنا اور سب کو اپنے حسن سے مسحور کرتے رہنا ہی اس کا واحد مشغلہ ہے۔ اس نے بہت کم عمری میں پروفیسر سے شادی کی۔ وہ اس کی علمیت اور شہرت سے مرعوب ہو گئی تھی۔ اور اسی کو محبت سمجھ بیٹھی لیکن اب اس کی زندگی میں خالی پن کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسے موسیقی سے دلچسپی تھی۔ لیکن پروفیسر سے شادی کے بعد اس دلچسپی کو بھی گھن لگ چکا ہے۔ وہ پروفیسر کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے لیکن شوہر کی بدمزاجی، عجیب و غریب مطالبات، شکوے شکایت، طعن و تشنیع اکثر اس کے لئے سوہانِ روح بن جاتے ہیں۔ وہ ڈاکٹر سلمان میں ایک کشش محسوس کرتی ہے۔ لیکن اخلاقیات کے رسمی تصورات کے تحت اس سے دور دور رہتی ہے۔ صرف ایک بار (تیسرے ایکٹ میں) وہ اپنے جذبات کے دھارے میں بہہ نکلتی ہے اور یکایک اسے احساس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سلمان کی اور اس کی باہمی کشش ایک سنجیدہ صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اس لیے وہ پروفیسر سے شہر واپس جانے پر اصرار کرتی ہے۔

اسی منظر میں ہم سلیمہ کو بھی زیادہ قریب سے دیکھتے ہیں۔ پہلے ہم اسے حبیب اور سلمان کے ساتھ دیکھتے ہیں اور پھر وہ اپنی سوتیلی ماں سے، جو کم و بیش اسی کی ہم عمر ہے، سلمان سے اپنی محبّت کا اعتراف کرتی ہے۔ اس ایکٹ کا فطری پس منظر رات کا وقت اور طوفانی کیفیت ہے۔ جو ایک علامتی اہمیت کی حامل ہے۔ اور کرداروں کی اندرونی کیفیات کا اشاریہ ہے۔ طوفان کی آمد کافی شدید اور شورانگیز ہے لیکن یہ طوفان ماحول پر پوری طرح اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ قریب سے گزر جاتا ہے۔ اور یہ صورتِ حال بھی علامتی بُعد رکھتی ہے۔ کیوں کہ اصل طوفان تو اگلے ایکٹ میں آتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ بھی بعض اعتبار سے "چائے کی پیالی" کے طوفان سے ملتا جلتا ہے۔

تیسرے ایکٹ کا پس منظر حویلی کا سب سے بڑا ہال ہے جہاں پروفیسر نے سب لوگوں کو ضروری اعلان کرنے کے لیے بلایا ہے۔ اور وہ اعلان یہ ہے کہ وہ شہر میں رہنے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا اور قصبے کی زندگی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہے اس لیے اس نے یہ طے کیا ہے کہ اس جاگیر کو فروخت کر کے شہر میں ایک اچھی کوٹھی خریدی جائے اور باقی روپے کے سود سے شہر میں معقول رہائش کا خرچ پورا کیا جائے۔ اس تجویز پر پروفیسر اور حبیب کے درمیان اختلافِ رائے تلخ کلامی سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ ایک طوفانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ حبیب کا کہنا ہے کہ جائداد اس کی مرحوم بہن کی ملکیت تھی اس لیے یہ دراصل سلیمہ کی میراث ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ جاگیر بک گئی تو وہ اپنی بوڑھی ماں اور سلیمہ کو لے کر کہاں جائے گا۔ حبیب یوں بھی بہت دل گرفتہ ہے کیوں کہ اسی منظر کے شروع میں جب وہ دردانہ فرحت کے لیے خزاں کے پھولوں کا نادر تحفہ لے کر داخل ہوتا ہے تو اسے ڈاکٹر سلمان کے بہت قریب دیکھ لیتا ہے۔ سلیمہ بھی بہت اداس ہے کیوں کہ اسے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سلمان اس سے محبت نہیں کرتا۔ بہر طور اس ایکٹ کا اختتام خاصے میلوڈرامائی انداز میں ہوتا ہے۔ بحث جب بدکلامی کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو حبیب بھنایا ہوا کمرے سے باہر جاتا ہے اور پستول لے کر واپس آتا ہے۔ اور پروفیسر کو اپنی گولی کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نشانہ دو بار خطا ہوتا ہے۔

اگلے ایکٹ کا پس منظر حبیب کا معمولی سا کمرہ ہے۔ اور یہ ایک یا دو دن بعد ظہور پذیر ہوتا ہے اس دوران حبیب نے دو بار خودکشی کی کوشش کی لیکن دوسرے افراد کی کوششوں سے وہ ناکام رہی۔ پروفیسر اور اس کی بیوی کے شہر واپس جانے کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور سلمان بھی ہسپتال واپس جانے کے لیے بالکل تیار ہے۔ کچھ دیر بعد پروفیسر داخل ہوتا ہے اور اس کے اور حبیب کے درمیان مفاہمت ہو جاتی ہے۔ اور حبیب اسے یقین دلاتا ہے کہ اسے جائداد کی آمدنی باقاعدہ ملتی رہے گی اور سب معاملات پہلے کی طرح طے ہوتے رہیں گے۔ پروفیسر کچھ دیر اپنی علمیت کا رعب جھاڑتے اور سب لوگوں کو پند و نصائح سے نوازنے کے بعد رخصت ہو جاتا ہے۔ دردانہ بھی اس کے ساتھ جاتی ہے۔ سلمان بھی اپنے کام پر روانہ ہو جاتا ہے۔ اور اب ہم اس سیدھے سادے کمرے میں فخرالنسا بیگم کو مطالعے میں غرق اور محمد شریف، جیکمن، سلیمہ اور حبیب کو اپنے اپنے کاموں میں مصروف دیکھتے ہیں۔ طوفان گزر جانے کے بعد زندگی اپنے معمول پر آ چکی ہے۔ وہی قصبے کی محدود فضا، وہی پرسکون

اور سست رفتار زندگی۔ہاں حبیب اور سلیمہ دونوں بہت اداس اور دل گرفتہ ہیں۔سلیمہ حبیب کو تسلی دیتی ہے اور حبیب کام مسلسل کام میں اپنے زخموں کا مداوا ڈھونڈتا ہے۔سلیمہ بھی کام،خدمت،روحانی تصورات اور دوسری دنیا کے دل خوش کن تصور میں اپنے دکھوں کا مداوا ڈھونڈتی ہے۔اور اسی منظر پر یہ ڈراما اختتام پذیر ہوتا ہے۔لیکن ڈراما دیکھنے کے بعد ہمارا یہ احساس فزوں تر ہو جاتا ہے کہ وسیع تر ماحول کی گھٹن،پس ماندگی اور سماجی نابرابری کسی بڑے طوفان کی منتظر ہے۔

مجموعی طور پر حبیب ماموں (یچے جے وانیا) ایک تہ دار اور معنی خیز ڈراما ہے جو موضوعات' ساخت اور فنی گرفت کے اعتبار سے "آبی پرندہ" سے زیادہ رچا ہوا اور کامیاب ہے۔اس میں علامتوں اور ڈرامے کی ہمہ جہت زبان کا استعمال بھی بڑے سلیقے سے کیا گیا ہے اور یہ حساس کردار نگاری' نفسیاتی دروں بینی،سماجی بصیرتوں اور مستقبل کے ایک تخیل آفریں تصور سے مالا مال ہے۔

تین بہنیں ..۱۹۰۰ء

"تین بہنیں" چیخوف کا سب سے گہرا،سنجیدہ اور تہ دار ڈراما ہے جو اپنے دور کے ڈراموں میں ہر اعتبار سے افضل اور ممتاز ہے اور جس کا مقابلہ گیرائی،تہ داری،زندگی اور انسانی فطرت کے گہرے عرفان،سماجی اور آفاقی بصیرتوں کی تفہیم،زبان اور ترسیلی وسائل کے تخلیقی استعمال،شاعرانہ خصوصیات اور معنی آفرینی کے اعتبار سے صرف شیکسپیر کے ڈراموں سے کیا جا سکتا ہے۔اس قسم کے ڈرامے تجزیے کے لیے تو ایک طویل مقالہ درکار ہوگا۔اس لیے یہاں صرف چند مختصر اشاروں پر اکتفا کی جائے گی۔

یہ ڈراما تقریباً چار سال پر محیط ہے۔اور اس کا پس منظر شمالی روس کا ایک دور دراز قصبہ ہے جہاں ایک ملٹری رجمنٹ بھی قیام پذیر ہے۔مرحوم جنرل پروزوروف کی تین بیٹیاں ہیں اولگا،ماشا اور ارینا جن کی عمریں ڈرامے کی ابتدا میں بالترتیب ۲۸،۲۲ اور ۲۰ سال کی ہیں اور ایک بیٹا اندرے جس کی عمر ۲۶ سال ہے اور ان کے کشادہ اور خوب صورت مکان میں یا اس کے سامنے سب مناظر پیش کیے گئے ہیں۔تینوں بہنیں تعلیم یافتہ،شائستہ اور مہذب ہیں اور قصبے کے محدود ماحول میں خود کو اجنبی سا محسوس کرتی ہیں۔وہ تینوں خاص کر اولگا اور ارینا ماسکو جانے کے خواب دیکھا کرتی ہیں جس سے ان کی بچپن کی خوشگوار یادیں وابستہ ہیں اور جوان کی نظر میں تہذیب' تمدن' شائستگی

اور لطف و مسرّت کا گہوارہ ہے۔ اولگا اسکول مسٹرس ہے اور فطرتاً سنجیدہ، ہمدرد اور ذمہ دار ہے۔ ماشا سب سے زیادہ حسین اور حساس ہے اور بہت کم عمری ہی میں اسکول ماسٹر کولی گن سے شادی کرکے جو محدود صلاحیتوں کا ایک مضحکہ خیز اور بے ضرر سا انسان ہے، بڑی بے دلی اور بے کیفی سے دن گزار رہی ہے ارینا کسی قدر الھڑ اور پر امنگ ہے اور کوئی کام کرکے کارآمد اور بامعنی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ ۳۰ سالہ شریف اور پر جوش لیکن کم رو لفٹننٹ توزن باخ ارینا سے محبت کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایک اور فوجی افسر سولیونی بھی ارینا سے کافی جارحانہ انداز سے عشق کرتا ہے اور ارینا ماسکو جاکر اپنے خوابوں کے شہزادے سے ملنے اور اس کے عشق میں گرفتار ہونے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ ان تینوں کا بھائی اندرے ذرا ڈھیلا ڈھالا قسم کا نوجوان ہے۔ وہ ماسکو جاکر پروفیسر بننا چاہتا ہے لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں کرتا۔ ڈرامے کی ابتدا میں وہ قصبے کی ایک نوجوان چھچھوری سی لڑکی نتاشا کے عشق میں گرفتار نظر آتا ہے جو دوسرے ایکٹ تک اس کی بیوی بن چکی ہے۔ چے بوتکن جو ایک ملٹری ڈاکٹر اور خاندان کا پرانا دوست ہے اسی گھر میں قیام پذیر ہے۔ اور اس عمر رسیدہ شخص نے جو اپنے پیشے کی ذمہ داریوں سے قطعی طور پر بے تعلق ہے۔ شراب نوشی، جوے اور پرانے اخباروں کی ورق گردانی میں زندگی سے فرار کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔ پرانی خادمہ انفیسا اور کاؤنٹی کاؤنسل کا بہرا چپراسی فیراپونٹ بھی اسی سوشل گروپ سے وابستہ ہیں۔ اس بے کیف سی فضا میں لفٹننٹ کرنل وارا شنین کی آمد ایک خوشگوار ارتعاش پیدا کردیتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ معنوں کی نئی تہیں کھلتی ہیں اور زندگی اور ماحول کے نئے امکانات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ذاتی زندگی کی محرومیوں اور پریشانیوں کے باوجود ۴۲ سالہ وارا شنین بلند حوصلہ اور عالی ظرف ہے اور ایک دل کش شخصیت کا مالک ہے۔ وہ ماحول اور عصری زندگی سے غیر مطمئن ہے لیکن زندگی کے لامحدود امکانات اور انسان کے روشن مستقبل کا تصوّر اس کو سرشار کردیتا ہے۔ غالب کا یہ شعر اس پر صادق آتا ہے ؂

ہوں گرمیِ نشاطِ تصوّر سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

عمر کے فرق کے باوجود ماشا اور وارا شنین ایک دوسرے کے لیے بے انتہا کشش محسوس کرتے ہیں اور والہانہ طور پر ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔

دوسری طرف نتاشا کے اس خاندان میں داخل ہوتے ہی تخریب کاری کا بھی ایک نیا سلسلہ شروع

ہوتا ہے۔ نتاشا نہ صرف اپنے شوہر پر مکمل تسلط جماتی ہے اور اس کے حوصلوں اور منصوبوں کا خون کرتی ہے یہاں تک کہ شادی کے بعد جلد ہی کاؤنٹی کاؤنسل کے صدر پروٹوپوف سے معاشقہ بھی چلاتی ہے۔ بلکہ وہ تینوں بہنوں کو بھی گھر اور جائداد سے بے دخل کر کے اس پر بھی پوری طرح قبضہ جماتی ہے۔ مختصراً یہ کہ وہ نہ صرف قصبہ کے عامیانہ کلچر کی نمائندہ ہے بلکہ اس مادی کثافت اور ابتذال کی علامت بھی ہے جو بہر حال تہذیب، شائستگی اور انسانیت کی بہترین اقدار کو پسپا کرنے کے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔

ڈرامے کے پہلے ایکٹ میں پس منظر گھر کا ڈرائنگ روم اور ہال ہے جو پھولوں سے آراستہ اور خوشگوار دھوپ سے بھرا ہوا ہے۔ وقت بارہ بجے دن اور موسم بہار ہے موقع ارینا کی سالگرہ پارٹی۔ اور یہ سب تفصیلات ایک خوشگوار اور پُر امید فضا کی تشکیل کرتی ہیں اور ایک علامتی لجد بھی رکھتی ہیں۔ اس ایکٹ میں ہم سب کرداروں سے متعارف ہوتے ہیں اور اس کے آپسی رشتوں اور ڈرامے کی صورتِ حال سے بھی اور اولگا اور دوسرے کرداروں کی یادوں کے توسّط سے ماضی کے دروانے بھی کھلتے ہیں۔

دوسرے ایکٹ میں کمرہ وہی ہے لیکن ماحول بدل چکا ہے۔ موسم سرما اور وقت شام ہے۔ کشادہ ہال اب کافی بے ترتیب اور نیم تاریکی میں ملفوف ہے اور جو چند شمعیں جل رہی ہیں انھیں بھی نتاشا بار بار آ کر بجھا رہی ہے۔ اور یہ سب تفصیلات علامتی معنویت کی حامل ہیں۔ نتاشا اب اندرے کی بیوی اور اس کے بچے کی ماں ہے اور ساتھ ہی اپنے پرانے عاشق پروٹوپوف سے بھی معاشقہ چلا رہی ہے۔ موقعہ کارنوال پارٹی کے آنے کا انتظار ہے جو نتاشا کے حکم سے باہر ہی سے واپس کر دی جاتی ہے اور یہ واقعہ بھی معنی خیز ہے۔ ارینا اب پوسٹ آفس میں کام کر رہی ہے اور اپنے کام اور ماحول کی بے حسی اور جہالت سے غیر مطمئن ہے۔ وہ بھی اب اولگا کی طرح اکثر سر کے درد کی شکایت کرتی ہے۔ اسی ایکٹ میں نتاشا اپنے بچے کے لیے ارینا سے اپنا کمرہ خالی کرنے اور اولگا کے کمرے میں منتقل ہونے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اگلے ایکٹ میں وہ اپنے شوہر کو اس کا کمرہ خالی کرنے کا حکم دیتی ہے تاکہ اس کی چھوٹی بچی (جو غالباً پروٹوپوف کی اولاد ہے) اس میں آرام سے رہ سکے۔ اندرے اپنے تعلیمی منصوبوں کو فراموش کر کے پورے طور پر ہتھیار ڈال چکا ہے اور زندگی سے فرار حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر چے بوتکن کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ لیکن ان سب پریشان کن حالات کے باوجود مسرت اور شادمانی کی ایک لہر بھی اس تاریکی کو چیرتی ہوئی گزر رہی ہے۔ اس کا پہلا مظہر تو

ماشا اور وارشنین کی وہ لطیف اور دل کش دوستی ہے جو اب رومانس کی سرحد میں داخل ہو رہی ہے۔ اور دوسری وہ فلسفیانہ بحث جس میں وارشنین، توزن باخ اور ماشا خاص طور سے حصّہ لیتے ہیں۔ اور جس کے موضوعات زندگی کی نوعیت اس کے معنی اور مقاصد، وقت اور تبدیلی اور زندگی اور ماحول پر اس کے اثرات، انسانی زندگی کی حدود اور امکانات، انسانیت کا روشن مستقبل اور اس جہانِ نو کی تعمیر میں انسان کی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داریاں، تعلیم، تہذیب، سائنس اور اس کے دور رس اثرات وغیرہ ہیں اور یہ بحث دراصل پہلے ایکٹ ہی میں شروع ہو چکی ہے۔ اور مختلف سطحوں پر آخری ایکٹ تک جاری رہتی ہے۔

اگلے ایکٹ کا پس منظر اولگا کا مختصر سا بیڈ روم ہے جس میں اب ارینا بھی منتقل ہو چکی ہے۔ اور جس کا مجموعی تأثر جگہ کی کمی اور فرنیچر اور لوگوں کی زیادتی ہے۔ اپنے آبائی مکان میں ان بہنوں کی زندگی روز بروز سمٹتی جا رہی ہے۔ اس ایکٹ کی صورتِ حال قصبے میں لگی ہوئی وہ آگ ہے جس کے شعلے کھڑکی سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور یہی اس ایکٹ کی مرکزی علامت بھی ہے، جو ایک طرف تو اس سلگتی ہوئی آگ کا اشاریہ ہے جو رفتہ رفتہ اس خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ اندرے کی زندگی کا المیہ، اولگا اور ارینا کی تنہائی اور بے بسی اور رفتہ رفتہ ان کے خوابوں کا چکنا چور ہو جانا، ماشا کی وارشنین سے والہانہ محبت جس کا انجام جدائی اور رنج والم کے سوا کچھ نہیں اور تخریب کاری کا وہ مسلسل عمل جس میں نہ صرف افراد بلکہ اقدار بھی کچلی جا رہی ہیں۔ اور جب نتاشا شمع لیے ایک دروازے سے داخل ہوتی ہے اور دوسرے سے نکل جاتی ہے تو ماشا بے اختیار کہہ اٹھتی ہے کہ یہ تو اس طرح ادھر اُدھر جا رہی ہے گویا یہ آگ اسی نے لگائی ہو، تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ زیادہ گہرے معنوں میں یہی بات سچ ہے..... دوسرے اس حادثے کے توسط سے مختلف کرداروں کی شخصیت کی تہیں کھلتی ہیں۔ اولگا کی مصیبت زدہ لوگوں سے گہری ہمدردی اور دیا دلی، نتاشا کا خود دلتیا انداز، مصنوعی جذبات اور انفیسا سے ظالمانہ برتاؤ، اندرے کی پوری صورتِ حال سے بے تعلقی، وارشنین کا ذاتی نقصان کے باوجود ماشا کی محبت اور مستقبل کے تصور سے سرشار ہونا اور چے بوتکن کا اس موقعہ پر شراب کے نشے میں مست ہو کر ناقابلِ بیان سچائیوں کا اظہار۔ غرض کہ یہ حادثہ جو ایک ہمہ جہت علامت ہے۔ کرداروں کی داخلی کیفیات اور ڈرامے کے اندرونی ایکشن کو بے نقاب کرتا ہے۔

اسی ایکٹ میں ماشا اپنی بہنوں سے اپنی محبّت کا اقرار کرتی ہے اور ارینا اولگا کے مشورے سے توزن باخ سے شادی کا فیصلہ کرتی ہے۔

تیسرے اور چوتھے ایکٹ کے درمیان بھی ایک سال سے زیادہ کا وقفہ ہے۔ اولگا اب ہیڈ مسٹرس ہو گئی ہے اور انفسیا کے ساتھ اسکول ہی میں رہتی ہے۔ ارینا شادی کر کے توزن باخ کے ساتھ جانے والی ہے اور اس کا سامان پورٹیکو کے قریب رکھا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ ملٹری رجمنٹ کا تبادلہ ہو گیا ہے۔ اور بہت جلد وہ قصبہ چھوڑ کر جانے والے ہیں۔ اس ایکٹ کا پس منظر مکان کا سامنے کا حصّہ اور کشادہ غیر رسمی باغ کا ایک حصّہ ہے۔ موسم خزاں اور موقع "رخصتی" ہے اور یہ سب تفصیلات بھی علامتی معنویت کی حامل ہیں۔ تینوں بہنیں اب کوٹھی کے باہر ہیں اور بھائی اندرے نتاشا کی بچی کی پرام باغ میں گھما رہا ہے جو اس کی بیوی کے عاشق کی اولاد ہے۔ گھر اور جائداد پر نتاشا کا تسلّط مکمل ہو چکا ہے۔ اندر اس کا عاشق براجمان ہے اور ہال سے عامیانہ قسم کے بھونڈے گانوں کی آواز آ رہی ہے نتاشا ارینا کے چلے جانے کے بعد حسین اور پُروقار درختوں کو کٹوانے اور ان کی جگہ نمائشی قسم کے پھول لگوانے کے منصوبے بنا رہی ہے۔ اسی ایکٹ میں توزن باخ سولیونی کے ساتھ لڑائی کے مقابلے میں مارا جاتا ہے۔ اور چے بوتکن جو اس موقع پر ڈاکٹر کی حیثیت سے موجود ہے اس المیے کو روکنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس ایکٹ کا سب سے پُر اثر مناظر اندرے کی بہرے جیراپی کے سامنے وہ تقریر ہے جس میں وہ اپنے ماحول کی یکسانیت، سماجی پس ماندگی اور اخلاقی ابتذال کی تصویر کھینچتا ہے اور ماشا اور وارشنین کی جدائی ہے اور اس المناک لمحے کے بعد ماشا کا اپنے شوہر کی عجیب و غریب حرکتوں پر آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان ہنسنا چیخوف کے فن کا انوکھا کرشمہ ہے۔ اور ایکٹ کے آخر میں جب بینڈ کی آواز رجمنٹ کی رخصتی کا اعلان کر رہی ہے۔ تینوں بہنوں کا کورس جس میں وہ از سرِ نو زندگی شروع کرنے کا عہد کرتی ہیں۔ اور غم کے معنی اور کائنات کے اسرار و رموز سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں اور یہ امید کرتی ہیں کہ ان کے رنج اور ناکامیاں آنے والی نسلوں کے لیے سکون اور مسرت کا پیغام لائیں گی۔ ان کے خلوص بصیرت اور بلند حوصلگی کی تفہیم اور ڈرامے کے مثبت پہلو کا اشاریہ ہے۔ ساتھ ہی عقب میں چے بوتکن کی بے حسی اور کلبیت اور اندرے کا دھیرے دھیرے پرام گھمانا اس کی مکمل پسپائی اور ڈرامے کی منفی صورتِ حال کا اشاریہ

ہے۔اس طرح زندگی کے ایک گہرے، متوازن اور فکر انگیز وژن VISION کی تجسیم پر یہ ڈراما اختتام پذیر ہوتا ہے۔

ماسکو اس ڈرامے کی مرکزی علامت ہے۔ جو ماضی کی چمک دار یادوں اور مستقبل کے دھندلے خوابوں کا اشاریہ ہے جس کا محدود دائرہ ذاتی مسرت کی تلاش ہے۔ پہلے ایکٹ میں یہ تصور تینوں بہنوں کے ذہن پر پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ دوسرے ایکٹ میں بار بار اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے تیسرے ایکٹ میں اس خواب کے چور چور ہو جانے کا منظر اداسی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور چوتھے ایکٹ میں اس کا کوئی ذکر نہیں جو ان کے اس دھندلے خواب سے ماورا جانے کے مترادف ہے۔ لمحۂ حال اور ماحول سے گہری وابستگی اور انسانیت کے مستقبل کا ایک وسیع تر اور زیادہ معنی خیز تصور جس کے لیے ذاتی زندگی کی مسرتوں کی قربانی دینی ہوگی، ان کے آخری الفاظ میں منعکس ہے۔

دوسری، اہم اور پیچیدہ علامت موسموں کا مکمل دائرہ ہے جو نہ صرف ہر ایکٹ کی ایک مرکزی علامت ہے بلکہ پورے ڈرامے کو اسطوری طرز احساس اور طرزِ فکر سے منسلک کرتا ہے آخری ایکٹ کی خزاں صرف پت جھڑ اور جدائی کا موسم نہیں، بلکہ انگلش کے مایۂ ناز شاعر جون کیٹس کی خزاں (TO AUTUMN) کی طرح "پھلوں" کے پکنے اور رس دار بننے کا موسم بھی ہے۔ تینوں بہنیں غم واندوہ کی آنچ میں تپنے کے بعد شعور کی پختگی اور احساس کی توانائی کی منزل میں قدم رکھ رہی ہیں۔

"تین بہنیں" آفاقی بصیرتوں کے ساتھ ساتھ سماجی بصیرتوں سے بھی مالامال ہے، اور نہ صرف ماحول کی پس ماندگی، بے حسی، جہالت، تنگ نظری اور اخلاقی ابتذال کا منظر ابھر کر سامنے آتا ہے بلکہ یہ احساس بھی سر اٹھاتا ہے کہ اس پس ماندہ اور دور افتادہ قصبے میں بھی ترقی اور روشن خیالی کی کونپل پھوٹ سکتی ہے۔

اور آخر میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اپنی تہ داری اور اثر انگیزی میں یہ ڈراما چیخوف کے اور سبھی ڈراموں سے زیادہ ہے اور چیخوف کے ڈراموں کی جن سمفونک SYMPHONIC خصوصیات کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے وہ بھی اسی ڈرامے میں سب سے زیادہ نمایاں اور جاذبِ توجہ ہیں۔

پورا ڈراما گوناگوں موضوعات، افکار، ذہنی کیفیات، جذبات، احساسات، تخیل آفریں تصورات، معنی خیز علامتوں اور بصیرت افروز اشاروں کا ایک دل کش منظر نامہ ہے جو سب ایک دوسرے میں پیوست ہیں اور جنھوں نے اس ڈرامے کی ساخت کو ایک سمفنی SYMPHONY سے قریب تر کر دیا ہے۔ اور اس منظر نامے کی تشکیل میں تھیٹر کی ہمہ جہت زبان اور مالا مال ترسیلی وسائل کا استعمال بہت ہی تخیل آفریں اور شاعرانہ ہے۔

چیری کا باغ (۱۹۰۳ء)

"چیری کا باغ" انتون چیخوف کا غالباً سب سے مشہور اور ہر دل عزیز ڈراما ہے۔ اور بعض اعتبار سے ان کی ڈرامائی تخلیقات میں منفرد اور ممتاز ہے۔ اس میں طنز و مزاح کی لہر زیادہ نمایاں اور تابناک ہے اور چیخوف کے شاہکار ڈراموں میں کومیڈی یا طربیہ کے تصور سے یہی سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس سلسلے میں جو بات زیادہ قابلِ حیرت ہے وہ یہ کہ چیخوف نے یہ ڈراما اس وقت لکھا جب وہ تپ دق سے بالکل نڈھال ہو چکے تھے۔ اور خود ان کی زندگی کی شمع ٹمٹما رہی تھی لیکن یہ ڈراما شروع سے آخر تک تخلیقی توانائی اور زندہ دلی کا نمونہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس ڈرامے میں موضوع اور مواد پر چیخوف کی فنی گرفت بہت مضبوط ہے اور گو کہ "چیری کا باغ" "تین بہنیں" کے مقابلے میں کافی مختصر ہے لیکن اس کا مرکزی خیال بڑی خوبی سے ابھر کر سامنے آتا ہے اور اس کا وژن VISION بہت شفاف ہے۔ اور تیسری اہم بات یہ ہے کہ عصری مسائل اور سماجی اور معاشی عوامل کو جو چیخوف کے سبھی شاہکار ڈراموں میں کسی نہ کسی حد تک منعکس ہیں، اس ڈرامے میں مرکزیت حاصل ہے اور یہ مرکزی موضوع جاگیرداری نظام کا زوال اور سرمایہ داری نظام کا عروج ہے۔ لیکن سماجی تبدیلیوں کی ایک پُر اثر اور کامیاب پیش کش اور سماجی بصیرتوں کے عرفان کے ساتھ ہمیں اس ڈرامے میں وسیع تر آفاقی بصیرتوں کا عکس بھی ملتا ہے۔

ڈرامے کی مرکزی صورتِ حال جاگیردار خاتون رانوسکایا اور اس کے بھائی گاویو کی جائداد اور چیری کے باغ کا، (جو قرضے میں جکڑی ہوئی ہے) نیلام ہے اور چیری کا باغ ہی اس ڈرامے کی مرکزی علامت ہے، جس پر کچھ دیر بعد روشنی ڈالی جائے گی۔ اس خاندان کے افراد میں رانوسکایا،

اس کا بھائی گاویو، سترہ سالہ بیٹی آنیا منھ بولی بیٹی واریا اور متعدد نوکر چاکر شامل ہیں۔ اور یہ سب ہی کافی بے ضرر لیکن انتہائی بے عمل اور کم و بیش مضحکہ خیز قسم کے لوگ ہیں۔

رانوسکایا جو ایک ڈھلتی ہوئی عمر کی حسین عورت ہے۔ اپنے شوہر کی موت اور بچّے کے حادثے کے بعد اپنے ناکارہ عاشق کے ساتھ پیرس میں دن گزار رہی ہے اور وہاں جائداد کی دن بہ دن گھٹتی ہوئی آمدنی کو اندھا دھند خرچ کر رہی ہے۔ ایک پریشان کن صورتِ حال سے فرار کا اس کے پاس یہی سب سے کارگر راستہ ہے۔ جائداد کے نیلام کی بات سن کر وہ واپس روس ضرور آتی ہے۔ لیکن آتے ہی بچپن کی معصوم یادوں میں کھو جاتی ہے اور اپنے مسائل کو اپنے گناہوں کی سزا سمجھ کر ان کی طرف سے آنکھ بند کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جب نوجوان سرمایہ دار لوپاخن اس کے سامنے اس بحران سے نکلنے کی ایک ٹھوس تجویز رکھتا ہے تو وہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتی۔ کیوں کہ اس کے خیال میں پورے علاقے میں اگر کوئی حسین اور قابلِ ذکر چیز ہے تو وہ ان کا چیری کا باغ ہے۔ اور اسے کٹوا کر اس زمین کے پلاٹ کرائے پر دینے کا خیال اس کے لیے نہایت مضحکہ خیز اور ناقابلِ فہم ہے۔

اس کا بھائی گاویو صوفی صدی اس کا ہم خیال ہے۔ وہ بھی ذہنی طور پر کاہل اور بے عمل انسان ہے۔ اور اور بلیرڈ کا کھیل، مخصوص کھانے اور مٹھائیاں اور پچھلی نسل کی اصلاحی تحریکیں اس کے لیے حقیقت سے فرار کا وسیلہ ہیں۔ اور ان اصلاحی تحریکوں پر لمبی چوڑی بے تکی بحثیں کرنا اس کا خاص مشغلہ ہے۔ اپنی بہن کی طرح وہ بھی ماحول سے کٹا ہوا اور تیز رفتار سماجی تبدیلیوں سے بے خبر ہے۔

رانوسکایا کی کم عمر لڑکی آنیا الھڑ اور معصوم ہے وہ انقلاب پسند طالبِ علم تروفی موف کے خیالات سے متاثر ہوتی ہے۔ اور اس کے زیرِ اثر اپنے ماحول اور اپنے خاندان کے ماضی کو ایک نئے انداز سے دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا جوش اور ولولہ قابلِ تعریف ہے لیکن بنیادی طور پر زندگی کی طرف اس کا رویّہ بھی بے حد جذباتی اور بچکانہ قسم کا ہے۔

رانوسکایا کی منھ بولی بیٹی واریا جسے ان نامساعد حالات میں گھر چلانا پڑ رہا ہے۔ ہر طرف سے کٹوتی کرکے پائی پائی بچاتی ہے اور خود رانوسکایا ان گھریلو اور معاشی مسائل سے بے نیاز ہر طرف سونے اور چاندی کے سکّے لٹاتی پھرتی ہے۔ جفاکش واریا کے لیے بھی یہ سب مسائل ناقابلِ فہم ہیں اور وہ مذہبی تصوّرات میں راہِ فرار ڈھونڈتی ہے، وہ لوپاخن کو چاہتی ہے لیکن اس سلسلے میں بھی خود کو مجبور پاتی ہے۔

مجموعی طور پر یہ سب لوگ خود کو بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرنے میں ناکام رہے ہیں اور ان سب سے زیادہ جبے تکا شخص سمینوف پشک ہے جس کی جاگیر اور بھی ابتر حالات میں ہے اور اس نے ہر ایک کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا اور قرض پر گزارا کرنا اپنا طرّۂ امتیاز بنا لیا ہے عقل و شعور، سائنس اور عملی مسائل سے وہ دور کا واسطہ رکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

خاندان کے نوکر بھی کم و بیش مالکوں کا چربہ ہیں۔ رانوسکایا کی طرح انگلش گورنس شارلوٹا بھی ایک گم شدہ شخصیت ہے، جو اپنے ماضی سے بے خبر ہے یہاں تک کہ اسے اپنی عمر بھی معلوم نہیں۔ جادو کے تماشے دکھا کر لوگوں کو حیرت میں ڈالنا اس کا خاص مشغلہ ہے۔ اور ہم یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس کی مالکن کا خاندان بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں۔ وہ سب بھی کسی ایسے حیرت انگیز معجزے کے انتظار میں ہیں جو یکایک ان کی جائداد کو بچالے گا اور سب مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے..... رانوسکایا کا خاص ملازم یاشا جو پیرس سے اس کے ساتھ آیا ہے، خود کو سب سے بلند و برتر اور روسی لوگوں کو جاہل اور پس ماندہ تصور کرتا ہے۔ عادات و اطوار میں وہ غالباً رانوسکایا کے عاشق کا چربہ ہے۔ بیکار ادھر ادھر گھومنا، مفت کی شراب اڑانا اور وقت گزاری کے لیے عشق لڑانا اس کا خاص مشغلہ ہے..... نوجوان ملازمہ دونیاشا خود کو کسی نواب بیگم سے کم نہیں سمجھتی۔ اپنے لباس اور میک اپ پر خاص توجہ دینا، اپنے نازک اور حسّاس ہونے کا بیان اور بات بات پر بے ہوش ہو جانے کا پوز بنانا اس کے خیال میں نوابی تہذیب کا ٹریڈ مارک (طرّۂ امتیاز) ہے۔ جاگیر پر کام کرنے والا بے وقوف اور گنجلک قسم کا کلرک جو "گیارہ دونی بائیس مصیبتوں" کے نام سے جانا جاتا ہے اس کی انہیں اداؤں پر مرتا ہے۔ اور وہ خود یاشا کے ولایتی انداز اور اس کی بے سر و پا ڈینگوں سے متأثر ہو کر اس پر سو جان سے عاشق ہو جاتی ہے... خاندان کا پرانا اور وفادار نوکر فیرس جو اب بالکل بوڑھا ہو چکا ہے، ماضی کو اپنا آئیڈیل بنائے ہوئے ہے اور اس کے خیال میں غلامی کے خاتمے کے بعد زندگی بالکل اتھل پتھل اور بے معنی سی ہو گئی ہے اور اب کوئی چیز بھی اپنی جگہ پر نہیں ہے۔ حال کی حقیقتوں سے وہ بھی بالکل بے خبر ہے۔

اس ڈرامے کے دو مثبت کردار لوپاخن اور تروفی موف ہیں..... تروفی موف انقلابی خیالات رکھنے والا ایک غریب طالبِ علم ہے جو ذاتی مسائل سے بے نیاز مستقبل کے حسین تصوّر سے سرشار ہے۔ وہ رانوسکایا کے مرحوم بچّے کا اتالیق رہ چکا ہے اور اسے اس خاندان سے ہمدردی ہے لیکن وہ ان کے

طرزِ زندگی اور جاگیرداری نظام پر کڑی تنقید بھی کرتا ہے۔ وہ ایک ایسے نظام کے خواب دیکھتا ہے جس کی بنیاد سماجی برابری اور انسانی مسرت پر ہو اور جس میں بڑی مچھلیوں کو چھوٹی مچھلیوں کے کھا جانے کا اختیار نہ ہو۔ لیکن تروفی موف کا رویّہ کافی جذباتی قسم کا ہے اور اس کے خیالات میں انتہا پسندی کی جھلک ہے، انقلاب سے اس کی دل چسپی بھی بڑی حد تک صرف نظریاتی قسم کی ہے۔ عملی مسائل اور گردو پیش میں رونما ہونے والی سماجی تبدیلیوں میں اسے زیادہ دل چسپی نہیں۔ چیخوف نے ذاتی طور پر بھی اسے کچھ مضحکہ خیز قسم کا دکھایا ہے۔ وہ ایک کرم خوردہ دائمی طالب علم ہے جو خود کو محبّت سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اور اکثر رانوسکایا اور دوسرے کرداروں کے طنز و مزاح کا نشانہ بنتا ہے۔

دوسری طرف لوپاخن ایک کسان کا لڑکا ہے جس کا دادا ایک غلام تھا اور اسی جائداد سے وابستہ تھا۔ اس کا بچپن افلاس اور جہالت کے ماحول میں گزرا (کسی حد تک خود چیخوف کی طرح جن کے باپ دُکان دار اور دادا غلام تھے) اور جس نے اپنی محنت اور ذہانت کے بل بوتے پر ترقی کی کئی منزلیں طے کیں اور اب وہ ایک ابھرتا ہوا خوشحال سرمایہ دار ہے۔ وہ غیر معمولی ذہانت کے ساتھ عملی سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہے۔ اور زندگی کے حدود و امکانات اور تیز رفتار سماجی تبدیلیوں پر بھی گہری نظر رکھتا ہے۔ اسے رانوسکایا کے خاندان سے گہری ہمدردی ہے اور وہ اس بحران سے نکلنے کا ایک ٹھوس منصوبہ ان کے سامنے رکھتا ہے۔ لیکن جب کوئی اس کی بات پر دھیان نہیں دیتا تو یہ جائداد اور چیری کا باغ وہ خود نیلام میں خریدتا ہے۔ اور اس انوکھی کامیابی سے اس پر نشہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ وہ واریا کو پسند کرتا ہے لیکن رانوسکایا کی کوشش کے باوجود اس سے شادی کی درخواست نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اس سے الٹے سیدھے مذاق کر کے اس پسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ کچھ نقادوں کا خیال ہے کہ وہ واریا کی سوشل پوزیشن سے مرعوب ہے اس لیے اس سے شادی کی درخواست نہیں کر سکتا لیکن یہ درست نہیں۔ واریا جو ایک غریب خاندان کی لڑکی ہے۔ وہ رانوسکایا کی منہ بولی بیٹی ضرور ہے۔ لیکن اس خاندان میں اس کی حیثیت ایک غریب رشتہ دار سے زیادہ نہیں۔ دراصل لوپاخن اپنے کاروبار کو پھیلانے اور دولت کی افزائش میں اس قدر مصروف ہے کہ ذاتی زندگی کی طرف توجہ کرنے کا اس کے پاس وقت ہی نہیں۔ اور اسے خود بھی اس بات کا احساس ہے۔ چیخوف نے لوپاخن کو بڑی ہمدردی سے ایک مثبت کردار کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اس کا رشتہ صنعت و حرفت اور سائنس کی ترقی سے جوڑا ہے۔

لیکن سرمایہ داری نظام کے بہترین مظاہر میں بھی دولت "قدرِ اول" کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات بھی چیخوف کی نظر میں تھی۔ اور اسی لیے ان کا یہ ہیرو اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ایک نامکمل قسم کا انسان ہے اور اپنے جذبات کو پسِ پشت ڈال کر ہی وہ ترقی کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔

ڈرامے کا پہلا ایکٹ رانوسکایا کے آبائی مکان کی نرسری میں پیش کیا گیا ہے اور یہ پس منظر علامتی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ یہ سب کردار جوان یا عمر رسیدہ ہونے کے باوجود ذہنی طور پر بچوں سے زیادہ مختلف نہیں۔ اور حقیقت سے نظریں چرانا ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ نرسری کی کھڑکی سے چیری کا باغ نظر آرہا ہے جس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفید پھول کھلے ہوئے ہیں۔ موسم بہار اور وقت طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے ہے۔ موقع رانوسکایا کی پیرس سے واپسی ہے جس کے وسیلے سے ہم تقریباً سبھی کرداروں سے متعارف ہو جاتے ہیں۔

دوسرے ایکٹ کا پس منظر جائداد سے ملحق ایک لق ودق میدان ہے جس میں صرف ایک ٹوٹا ہوا سا کنواں اور ایک قبر ماحول کی یکسانیت کو کم کر رہے ہیں۔ میدان کے ایک طرف ذرا دور پر چیری کے باغ کی حدود نظر آرہی ہیں اور دوسری طرف کافی دور ایک صنعتی شہر کے دھندلے خدوخال دیکھے جا سکتے ہیں۔ موسم گرما اور وقت غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد چیری کا باغ اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے اور صنعتی شہر کے خدوخال جھلملانے لگتے ہیں۔ یہ مشہور ڈرامائی منظر اور شہر سے آتی ہوئی ایک عجیب و غریب آواز گہری علامتی اہمیت کی حامل ہیں۔ گویا ہم جاگیر داری نظام کے زوال اور صنعتی دور کے عروج کو اپنی نظروں کے سامنے ایک ڈرامائی سانچے میں ڈھلتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اسی ایکٹ میں ہم کرداروں کی ذہنی کیفیات اور خصوصیات کو بھی زیادہ قریب سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کی بے عملی، ذہنی پراگندگی اور حقیقت سے فرار کا تاثر اور بھی گہرا ہو جاتا ہے۔ لوپاخن پھر اپنی تجویز پیش کرتا ہے اور پھر اسے بے سوچے سمجھے رد کر دیا جاتا ہے۔ نوکروں کا منظر جس سے یہ ایکٹ شروع ہوتا ہے، کئی اعتبار سے دل چسپ اور قابلِ توجہ ہے۔ اور شارلوٹا کی تقریر کو اگر ابسرڈ ڈرامے کا پہلا مختصر مینی فسٹو یا منشور کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اسی ایکٹ میں ہم تروفی موف کے انقلابی خیالات سے بھی متعارف ہوتے ہیں۔ تروفی موف اور آنیا کے پرجوش اور جذباتی مکالمے پر یہ ایکٹ ختم ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایکٹ

شاعرانہ حقیقت نگاری کا نقطۂ عروج ہے اور فنی اعتبار سے ایک معجزے سے کم نہیں۔

تیسرا ایکٹ شاندار مکان کے سب سے بڑے ہال میں پیش کیا گیا ہے۔ موسم خزاں، وقت شام اور موقع یہودی بینڈ کے اعزاز میں ایک ڈانس پارٹی ہے جس میں سب کردار ایک اضطراری کیفیت کے ساتھ مصروفِ رقص ہیں۔ جب کہ عین اسی وقت کچھ دور شہر میں ان کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے۔ یعنی چیری کا باغ نیلام ہو رہا ہے۔ یہ ایکٹ بظاہر سب سے زیادہ مضحکہ خیز اور طربیہ انداز کا ہے۔ لیکن ذہنی تناؤ اور جذباتی ہلچل کی زیریں لہریں، جن کا ڈرامائی مرکز رانوسکایا کی شخصیت ہے ان کھیل تماشوں اور طربیہ ایکشن کی لامعنویت ABSURDITY کو اور نمایاں کر دیا ہے۔ اس ایکٹ کا اختتام نیلام کے بعد لوپاخن اور گادیو کی شہر سے واپسی پر ہوتا ہے جس سے یکایک فضا تبدیل ہو جاتی ہے اور جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے۔

اگلا اور آخری ایکٹ رانوسکایا اور اس کے خاندان کی اپنی دیرینہ جائداد اور چیری کے باغ سے رخصتی کا منظر پیش کرتا ہے۔ لیکن اس میں بھی المیہ عناصر کم و بیش مفقود ہیں۔ اس ایکٹ کا سب سے دل چسپ منظر لوپاخن کا آخری موقع فراہم کرنے کے باوجود بھی واریا سے شادی کی درخواست نہ کرنا اور اس مختصر مدت کو اِدھر اُدھر کی باتوں میں گنوا دینا ہے۔ یہ منظر مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ اداس بھی ہے کیوں کہ واریا کی آخری امید بھی یہاں دم توڑ دیتی ہے۔ رانوسکایا اور گادیو کی اپنے گھر اور چیری کے باغ سے آنسو بھری رخصت بھی کافی اثر انگیز ہے۔ لیکن اس ایکٹ کا سب سے پُر اثر ٹکڑا وہ آخری منظر ہے جب سب لوگ گھر کو بند کر کے رخصت ہو چکے ہیں اور چند لمحے خاموشی کے بعد بوڑھا اور بیمار ملازم فیرس کہیں سے لنگڑاتا ہوا آتا ہے اور حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ سب اسے بالکل بھول گئے اور پھر صوفے پر لیٹ کر آہستہ آہستہ بدبداتا ہے اور ہم اس کے یہ الفاظ سنتے ہیں، "میری زندگی اس طرح گزر گئی، گویا میں کبھی زندہ ہی نہیں تھا" اور اسی وقت ہم چیری کے باغ میں درختوں کے کٹ کر گرنے اور بہت دور سے کوئی تار ٹوٹنے کی آواز سنتے ہیں جو دوسرے ایکٹ میں بھی سنی گئی تھی ...... فنی اختصار، اثر انگیزی اور معنی آفرینی میں یہ منظر بھی کسی معجزے سے کم نہیں۔

چیری کا باغ اس ڈرامے کی ہشت پہلو مرکزی علامت ہے جس کے وسیلے سے ہم نہ صرف

مختلف کرداروں کی ذہنی کیفیات اور فلسفۂ حیات سے روشناس ہوتے ہیں بلکہ کئی گہری، سماجی اور آفاقی بصیرتوں کا عرفان بھی کرتے ہیں۔ رانوسکایا کے لیے یہ باغ بچپن کی حسین یادوں کا گہوارہ ہے اور گایوف کے لیے خاندان کی روشن روایات کی یادگار۔ تروفی موف کے لیے یہ سماجی ناانصافی اور استحصال کی علامت ہے اور آنیا کے لیے ایک ایسی محبوب شے جو اب اپنی دلکشی کھو چکی ہے۔ فیرس کے لیے یہ ایک ایسے آئیڈیل نظام اور طرزِ زندگی کی علامت ہے جسے اب کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا۔ اور لوپاخن کے لیے یہ ایک بہت پرانا باغ ہے جو اپنی موجودہ صورت میں تو بالکل نفع بخش نہیں لیکن اسے کٹوا کر زمین سے دولت کمائی جا سکتی ہے۔ مجموعی طور پر اسے جاگیر داری نظام کی علامت کہا جا سکتا ہے جو اب اپنی توانائی اور جواز کھو چکا ہے اور جسے دیر یا سویر سرمایہ داری اور صنعتی نظام کے ہاتھوں پامال ہونا ہے۔ لیکن بعض نقادوں نے اسے حسن کی علامت قرار دیا ہے جس کی بربادی بہر طور ایک المناک حادثہ ہے۔

انتون چیخوف کے اہم ترین ڈراموں کے اس مختصر مطالعے میں صرف چند اشاروں ہی پر اکتفا کیا گیا ہے جن کی روشنی میں ان ڈراموں کے گہرے معنوں تک پہنچنے اور ان کے فنی محاسن کی شناخت میں مدد مل سکتی ہے اور اسٹیج کے فن کار بھی اس تنقیدی تجزیے کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چیخوف کے ڈراموں کی غیر معمولی، اثر انگیزی اور ان کا فن کارانہ حسن ان کی اسٹیج پیش کش ہی میں بے نقاب ہوتا ہے لیکن یہ پیش کش ہدایت کار اور فن کاروں سے غیر معمولی مطالبات بھی کرتی ہے۔ بہر طور یہ اپنی جگہ ایک بہت ہی اہم اور پیچیدہ موضوع ہے جس کے لیے ایک طویل مقالہ درکار ہوگا، اس مقالے کی حدود میں رہ کر اس موضوع کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے اس پر آئندہ کبھی روشنی ڈالی جائے گی۔ چیخوف کی ڈراما نگاری جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، نہ صرف فطرت نگاری، تأثراتی طرزِ اظہار اور علامت نگاری کا سنگم اور شاعرانہ حقیقت نگاری کا نقطۂ عروج ہے بلکہ جدید ڈرامے کے ارتقا میں ایک سنگِ میل کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ اور جدید تر ڈرامے پر اس کے اثرات گہرے اور دوررس ہیں لیکن یہ بھی ایک بہت وسیع اور غور طلب موضوع ہے اور اس کے لیے بھی کم سے کم ایک طویل مقالہ درکار ہوگا اس لیے اس موضوع پر بھی پھر کسی موقعے پر اظہارِ خیال کیا جائے گا۔

کچھ ترجمے کے بارے میں

یہ ترجمے بیشتر الیزاویتا فین (ELIZA VETA FEN) کے انگلش ترجمے کی مدد سے کیے گئے ہیں جو پینگوین کلاسک میں دستیاب ہیں۔ اس ترجمے کے علاوہ جہاں ضرورت محسوس ہوئی دوسرے ترجموں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ ان ڈراموں کے متعدد اسٹیج پروڈکشن جو میری نظر سے گزرے ان ڈراموں کو سمجھنے اور ان کا ترجمہ کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔ اور ان میں بیشتر روسی پروڈکشن ہی تھے جو میں نے ماسکو کے اسٹیج پر دیکھے۔ اس کے علاوہ میری بہن صابرہ زیدی (مرحومہ) نے جو روسی زبان بہت اچھی طرح جانتی تھیں اور بعض روسی دوستوں نے ان ترجموں کے بعض حصوں کا روسی اوریجنل ڈراموں سے مقابلہ کر کے مجھے یقین دلایا کہ ان ڈراموں اور خاص کر "تین بہنیں"، اور "چیری کا باغ" کے مکالمے روسی اوریجنل کے مطابق ہیں۔ "حبیب ماموں" کیوں کہ آزاد ترجمہ ہے اس لیے اسے ہندوستانی ماحول میں ڈھالنے کے لیے کچھ ضروری تبدیلیاں کر دی گئی ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ ان ترجموں کی بنیاد میرا چیخوف کا گہرا اور وسیع مطالعہ ہے جس میں ان کی سب اہم تخلیقات اور ڈراموں کے علاوہ روسی اور مغربی سکالرز کے تنقیدی تجزیے، تحقیقی مقالے اور سوانحی مطالعے بھی شامل تھے۔ اور میرے خیال کے مطابق ترجمے کے لیے صرف دو زبانوں سے کماحقہٗ واقفیت ہی ضروری نہیں بلکہ موضوعات سے گہری واقفیت بھی ضروری ہے اور یہ بات تخلیقی فن پاروں کے سلسلے میں اور بھی زیادہ اہم ہے جہاں ترجمے کا عمل خود ایک تخلیقی بعد رکھتا ہے۔

جہاں تک خود میرے تنقیدی نقطۂ نظر کی تشکیل کا سوال ہے اس پر بھی میرے وسیع مطالعے کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑا ہے۔ لیکن اس کے لیے میں دوسرے نقادوں کی آرا سے کہیں زیادہ خود ان ترجموں اور چیخوف کے ڈراموں کی اسٹیج پیش کش کی مرہونِ منت ہوں جن کے دوران مجھے ان ڈراموں کو زیادہ قریب سے دیکھنے اور ان پر غور و فکر کا موقع ملا۔ میں چیخوف کے کئی ڈرامے اسٹیج پر پیش کر چکی ہوں جن میں میرے یہ دو ترجمے "تین بہنیں" اور "حبیب ماموں" بھی شامل تھے۔ اور اسٹیج پیش کش کی تیاریوں کے دوران چیخوف کے ڈراموں کے جو تہ در تہ معنی اور لطیف ترین پہلو مجھ پر آشکار ہوئے وہ دوسرے نقادوں کی آرا سے کہیں زیادہ گہرے اور قابلِ اعتبار تھے۔ اور میرا تنقیدی

نقطۂ نظر بیشتر انہیں بصیرتوں سے فیض یاب ہوا ہے۔

"تین بہنیں" اور "حبیب ماموں"، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے میں خود علی گڑھ کے اسٹیج پر پیش کر چکی ہوں۔ اور "تین بہنیں" نیشنل اسکول آف ڈراما (دہلی) اور بھارت بھون (بھوپال) میں بھی متعدد بار اسٹیج پر پیش کیا جا چکا ہے۔ اور بھارت بھون نے اپنا پروڈکشن اور بھی کئی شہروں میں دکھایا تھا۔ "حبیب ماموں" کافی عرصے پہلے شمع زیدی نے مجھ سے پروڈکشن کے لیے طلب کیا تھا۔ اور غالباً وہ بھی اسے اسٹیج پر پیش کر چکی ہیں۔ "چیری کا باغ" میری اطلاع کے مطابق ابھی تک اسٹیج پر پیش نہیں کیا گیا ہے۔ نیشنل اسکول آف ڈراما نے کئی سال پہلے "چیری کا باغ" اپنے اسٹیج پر پیش کیا تھا لیکن وہ میرا ترجمہ نہیں تھا۔ امید ہے کہ ان ڈراموں کی اشاعتِ نو کے بعد کچھ اور ڈراما گروپ انھیں اسٹیج پر پیش کرنے پر مائل ہوں گے۔

آخر میں یہ کہنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ظ۔ انصاری (مرحوم) نے چیخوف کے ہجے بدل کر اسے "چے خف" کر دیا تھا۔ لیکن میرے خیال میں اسے لکھنے کا پرانا طریقہ ہی ہر اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے میں نے اس کے پرانے مروّجہ ہجّے ہی استعمال کیے ہیں۔ ظ۔ انصاری نے متعدد کہانیوں اور ڈراموں کے عنوانات کے ترجمے بھی غلط کیے ہیں مثلاً "کاٹھ کا جن، چاچا وانیا، اور بیری باغ"، میں نے ان کی جگہ "جنگل کا جن، ماموں وانیا، اور چیری کا باغ" استعمال کیا ہے جو زیادہ صحیح اور مناسب ہے۔ ظ۔ انصاری کا ڈراموں اور کہانیوں کا تجزیہ بھی بہت ہی سرسری، ناقص اور الجھا ہوا سا ہے۔ ہاں ان کی کتاب میں چیخوف کے حالاتِ زندگی پر کافی مواد مل جاتا ہے۔ اس لیے میں نے اس مضمون میں اس پہلو پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی ہے، صرف چند اشاروں پر اکتفا کی ہے۔ اردو داں حضرات چیخوف کے سوانحی حالات جاننے کے لیے ان کی کتاب "چے خف" سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

آخر میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ چیخوف کے افسانوں اور طویل کہانیوں کے ترجمے اردو میں خاصی بڑی تعداد میں ہو چکے ہیں اور ان پر کچھ تنقیدی توجہ بھی دی گئی ہے۔ اور اردو کے افسانہ نگاروں کی بھی کئی نسلیں ان سے گہرے طور پر متاثر ہوئی ہیں اور حالیہ برسوں میں ٹی۔ وی وغیرہ پر بھی ان کی پذیرائی ہوئی ہے۔ لیکن چیخوف کے لاجواب

ڈراموں سے اردو داں طبقہ کم و بیش ناآشنا رہا ہے۔ اس لیے امید ہے کہ ان ترجموں کی اشاعتِ نو اور اس تنقیدی مطالعے کی روشنی میں اردو دنیا میں چیخوف کے ڈراموں میں زیادہ فعّال دلچسپی اور سنجیدہ مطالعے کا آغاز ہو سکے گا۔

زاھدہ زیدی

حبیب ماموں

مُصنّف :- انتون چیخوف
آزاد ترجمہ :- زاہدہ زیدی

حبیب ماموں

افراد :-

کلیم الدین احمد	ایک ریٹائرڈ پروفیسر	
دُردانہ فرحت	پروفیسر کی دوسری بیوی	(۲۷سال)
سلیمہ	پروفیسر کی بیٹی	(۲۵سال)
فخرالنسّاء بیگم	پروفیسر کی پہلی بیوی کی ماں	
حبیب	فخرالنسّاء کا بیٹا	(۴۷سال)
ڈاکٹر سلمان دُرّانی	پروفیسر کا دور کا رشتہ دار	(۳۷سال)
محمد شریف	جاگیر پر کام کرتا ہے	
حکیمن	گھر کی پرانی بوڑھی ملازمہ	

پس منظر :- یوپی کا ایک قصبہ

پروفیسر کی پہلی بیوی کی جاگیر پر ایک بڑا اور شاندار مگر پرانی وضع کا مکان

پہلا ایکٹ

(فخر النساء بیگم کے گھر کا صحن۔ پیچھے ایک شاندار برآمدے کے در نظر آ رہے ہیں۔ صحن میں کچھ مونڈھے پڑے ہیں اور ایک جھولنے والی کرسی رکھی ہوئی ہے۔ بیچ میں میز پر کچھ چائے اور کھانے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ حکیمن ایک مونڈھی پر بیٹھی ہے اور ڈاکٹر سلمان دُرّانی صحن میں ٹہل رہے ہیں۔)

حکیمن :۔ (چائے بناتے ہوئے) صاحبزادے ایک پیالی چائے تو پی لو۔

ڈاکٹر سلمان :۔ (مجبوراً لیتے ہوئے) خیر تمہاری خاطر سہی۔ لیکن اس وقت بالکل خواہش نہیں۔

حکیمن :۔ لو میاں یہ حلوہ میں نے صبح ہی بنایا ہے۔

سلمان :۔ نہیں بوا اس وقت نہیں۔

حکیمن :۔ اے ذرا دیکھو تو صحت کا کیا حال ہوا جا رہا ہے۔ ہم نے تو خیر سے تمہیں گودوں میں کھلایا ہے۔ اور اب تمہاری باتوں سے یہ لگتا ہے کہ جیسے اچھے خاصے بزرگ ہو۔

سلمان :۔ کیوں بوا کیا میں بہت بدل گیا ہوں۔

حکیمن :۔ اے نہیں تو اور کیا۔ دس برس ادھر جب تمہاری اسپتال میں نوکری لگی تھی تو ماشاءاللہ کتنے تندرست گورے چٹّے جوان تھے اور اب کیسے دُبلے ہو گئے ہو۔ رنگت بھی کیسی ماند پڑ گئی ہے۔

سلمان :۔ ہاں بوا دس سال میں بہت بدل گیا ہوں۔ میرا کام ہی ایسا سخت ہے۔ صبح سے شام تک ایک چکّر لگا رہتا ہے۔ ان دس سالوں میں شاید ہی کوئی دن خالی ملا ہو۔ اور پھر زندگی بھی تو کچھ خوشگوار نہیں۔ جدھر دیکھو بے ایمانی، حماقت اور بیزاری اور پھر ہر وقت عجیب غریب لوگوں سے واسطہ۔ شاید میں خود بھی کچھ عجیب ہو گیا ہوں۔ یہی شکر ہے کہ میں اب تک بے وقوف نہیں ہوا لیکن میں اب اپنے جذبات میں وہ تازگی نہیں محسوس کرتا۔ مجھے کسی سے گہری دلچسپی نہیں کسی سے محبت نہیں۔ (کچھ سوچتے ہوئے) سوائے شاید تمہارے۔ میری بھی بچپن میں ایک انا تھیں۔

حکیمن :۔ اے میاں خدا تمھیں خوش رکھے۔
ڈاکٹر :۔ تمھیں یاد ہوگا پچھلے سال کتنا سخت ٹائیفائڈ پھیلا تھا۔ گاؤں کے ایک ایک گھر میں چار چار بیمار تھے۔ گھروں میں چلنے پھرنے تک کی جگہ نہ تھی۔ پھر گندگی اور غلاظت خدا کی پناہ۔ ایک ہی کوٹھری میں بیمار، تندرست، مویشی اور ان کی گندگی (وقفہ) ایسے حالات میں اگر انسان بے حس ہوجائے تو کیا تعجب ہے۔ لیکن جب پچھلے سال میرے ایک مریض نے آپریشن ٹیبل پر بے ہوشی کے عالم میں دم توڑ دیا تو میرے سوئے جذبات جاگ اٹھے اور مجھ سے ضمیر کی ملامت نہ سہی گئی۔ میں سوچنے لگا کیا آنے والی نسلیں ہم لوگوں کو عزت اور محبت سے یاد کریں گے۔
حکیمن :۔ خیر میاں چاہے لوگ بھول جائیں۔ لیکن خدا تو یاد رکھے گا۔
سلمان :۔ ہاں "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"
(حبیب کمرے سے داخل ہوتے ہیں۔ وہ کھانے کے بعد سوئے ہیں اور کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہیں)
سلمان :۔ کہیے خوب سوئے۔
حبیب :۔ (جمائی لیتا ہے) جب سے پروفیسر اور ان کی بیگم صاحبہ تشریف لائے ہیں۔ اور کام ہی کیا ہے۔ پہلے مجھے ایک منٹ کی فرصت نہ ملتی تھی۔ میں اور سلیمہ دن بھر بیلوں کی طرح کام میں جٹے رہتے تھے اور اب صرف سلیمہ کام کرتی ہے اور میں صرف کھاتا ہوں۔ پیتا ہوں اور سوتا ہوں۔
حکیمن :۔ ہاں میاں کیا ٹھکانہ ہے۔ پروفیسر صاحب دن چڑھے اٹھتے ہیں۔ لیکن نماز کے وقت سے چائے کا پانی چولہے پر چڑھا رہتا ہے کہ نہ معلوم کس وقت حکم دے دیں۔ پہلے تو دن کے گیارہ بجے تک ہم سب کھا پی کر فارغ ہوجاتے تھے اور اب دو تین بجے سے پہلے فرصت نہیں ہوتی۔ رات کو پروفیسر صاحب بارہ ایک بجے تک پڑھتے لکھتے ہیں یا خدا جانے کیا کرتے ہیں اور پھر ایک بجے آوازیں پڑتی ہیں۔ میں پریشان ہوجاتی ہوں کہ یا اللہ کیا ماجرا ہے۔ معلوم ہوتا ہے پروفیسر صاحب کو چائے کی ضرورت ہے۔ ہاں میاں بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہی ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر :۔ کیا ان لوگوں کا یہاں زیادہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔

حبیب :۔ (سیٹی بجاتے ہوئے) شاید ایک سو سال تک ..... پروفیسر صاحب یہیں سکونت اختیار کریں گے۔

حکیمن :۔ اب دیکھیے دو گھنٹے سے چائے کا پانی کھول رہا ہے اور وہ لوگ باہر سیر کو گئے ہیں۔

حبیب :۔ (ڈیوڑھی کی طرف دیکھتے ہوئے جہاں سے کچھ آوازیں آرہی ہیں) گھبراؤ نہیں وہ لوگ آرہے ہیں۔

(پروفیسر، دُردانہ اور محمد شریف ڈیوڑھی سے داخل ہوتے ہیں)

پروفیسر :۔ واہ کیا حسین منظر تھا۔

محمد شریف :۔ جی ہاں جناب والا یہاں مناظر بہت خوب صورت ہیں۔

حبیب :۔ چائے تیار ہے۔

پروفیسر :۔ میری چائے اسٹڈی میں بھجوادی جائے۔ مجھے کچھ کام ختم کرنا ہے (پروفیسر اور دُردانہ دوسرے دروازے سے اندر جاتے ہیں۔ محمد شریف حکیمن کے قریب ایک مونڈھے پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

حبیب :۔ دھوپ کتنی تیز ہے۔ لیکن ہمارے عظیم پروفیسر صاحب اپنا اوورکوٹ زیب تن کیے ہیں۔

ڈاکٹر :۔ ہاں پروفیسر صاحب کو اپنی صحت کا بڑا خیال رہتا ہے۔

حبیب :۔ لیکن فرحت کتنی خوب صورت ہے، میں نے تمام عمر میں اتنی حسین عورت نہیں دیکھی۔

حکیمن :۔ کہیے شریف صاحب کیا حال ہے۔

شریف :۔ تمھاری دعا ہے۔ زندگی گزر رہی ہے۔ مجھے کسی بات کی شکایت نہیں۔

ڈاکٹر سلمان :۔ حبیب بھائی کوئی نئی بات سناؤ۔

حبیب :۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر بات پرانی ہے۔ اپنی وہی رفتار ہے۔ اماں جان کا حقوقِ نسواں کا جوش و خروش اسی طرح ہے۔ قبر میں پاؤں لٹکائے ہیں۔ لیکن کوئی نیا رسالہ ایسا نہیں نکلتا جسے وہ ذوق و شوق سے نہ پڑھتی ہوں۔ اور پھر وہ عالمانہ بحثیں اور نئی زندگی کے خواب!

ڈاکٹر سلمان :۔ اور سر ظفر؟

حبیب :۔ پروفیسر صاحب دن بھر اسٹڈی میں بیٹھے لکھتے رہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان تصانیف کا کوئی پڑھنے والا نہ ہو۔ مجھے تو اس کاغذ کی قسمت پر افسوس ہوتا ہے جس پر پروفیسر صاحب اپنے زرّیں خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی سوانح حیات لکھیں۔ کتنی دل چسپ ہو گی وہ کہانی۔ ایک ریٹائرڈ پروفیسر کی جیون کہانی۔ جو اپنی خواہش کے خلاف اپنی پہلی بیوی کی جاگیر پر رہتا ہے کیوں کہ وہ خود شہر میں رہنے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا اور ہر وقت قسمت کی شکایت کرتا ہے، جس کا اسے کوئی حق نہیں۔ وہ بے حد خوش قسمت ہے (جوش سے) ذرا سوچو ایک معمولی مولوی کا لڑکا جو یونیورسٹی کی ڈگری لے کر لیکچری حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور پھر جناب پروفیسر ہو جائیں اور علاّمہ کہلانے لگیں اور صاحبِ ثروت ڈپٹی کلکٹر کے داماد بن جائیں۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ پروفیسر صاحب پچھلے پچیس سال سے دوسروں کے خیالات کو دُہرا رہے ہیں۔ روح اور مادّے کے تعلق، منطقی موشگافیوں اور مابعد الطبیعاتی بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ پچیس سال سے وہ جن مسائل پر لکھتے اور لیکچر دیتے رہے ہیں۔ ذہین لوگ انھیں اچھی طرح سمجھے ہیں اور بے وقوف لوگ ان کی پروا نہیں کرتے اور پھر اس پر یہ حسنِ ظن اور علمیت کے یہ دعوے۔ اور اب جب جناب ریٹائر ہوئے ہیں تو کوئی آپ کا نام لیوا نہیں۔ کوئی آپ کے وجود سے بھی واقف نہیں۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ کہ پچیس سال سے وہ جس اعزاز پر قبضہ کیے تھے اس کے وہ بالکل مستحق نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس قصبے میں اس انداز سے رہتے ہیں گویا خدائے تعالیٰ کی گدی آپ ہی نے سنبھال رکھی ہے۔

ڈاکٹر :۔ حبیب بھائی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم پروفیسر سے حسد کرتے ہو۔

حبیب :۔ ہاں میں اس سے حسد کرتا ہوں۔ اس میں ایسی کون سی بات ہے کہ ہر شخص اس سے متاثر ہو۔ یہاں تک کہ سب حسین عورتیں بھی۔ میری بہن نے جو ایک حسین اور نیک دوشیزہ تھی اور جس سے شادی کرنے کے سینکڑوں خواستگار تھے، اس کی بیوی بننا پسند کیا۔ اور تمام عمر اس سے فرشتوں کی سی پاک اور معصوم محبت کرتی رہی میری ماں اب تک اس کے نام کی عاشق ہیں اور اس کی قابلیت سے بے انتہا

متأثر ہیں۔ اس کی دوسری بیوی نے جو ذہین بھی ہے اور بے انتہا حسین بھی۔ اس وقت اس سے شادی کی جب وہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا اور اپنی آزادی اور اپنی دل کش شخصیت کو اس پر قربان کر دیا۔ آخر کیوں؟ کس لیے؟

ڈاکٹر سلمان :۔ پروفیسر کی بیوی کیا بہت وفا شعار ہے۔

حبیب :۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ وفادار ہے۔

سلمان :۔ افسوس کے ساتھ کیوں؟

حبیب :۔ کیوں کہ یہ وفاداری شروع سے آخر تک بے معنی ہے۔ ایک ایسے شوہر سے بے وفائی کرنا، جس سے محبت کرنا ممکن ہی نہ ہو، یہ تو گویا آپ کے نزدیک اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اور اس کی خاطر اپنی جوانی، زندہ دلی اور جذبات کا گلا گھونٹنا اخلاق کی معراج!!

محمد شریف :۔ حبیب میاں تمہاری یہ باتیں مجھے پسند نہیں۔ جو انسان اپنی بیوی یا شوہر سے بے وفائی کرے، وہ اپنے ملک سے بھی غدّاری کر سکتا ہے۔

حبیب :۔ بکواس، سراسر بکواس۔

محمد شریف :۔ خیر میاں، میں نئے زمانے کا آدمی نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔

(سلیمہ اور دردانہ داخل ہوتی ہیں کچھ دیر بعد فخر النساء بیگم داخل ہوتی ہیں ان کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جسے وہ پڑھ رہی ہیں۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ جاتی ہیں۔ چائے ان کے سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ جسے وہ بغیر دیکھے پیتی ہیں اور پڑھتی رہتی ہیں۔)

سلیمہ :۔ (حکیمن سے) نانی بوا دروازے پر کچھ کاشتکار کھڑے ہیں۔ ذرا جاکر معلوم کرو کیا چاہتے ہیں۔ میں سب کو چائے دے دوں گی۔ (حکیمن باہر جاتی ہیں، دردانہ جھولنے والی کرسی پر بیٹھ کر چائے پیتی ہے۔)

ڈاکٹر سلمان :۔ (دُردانہ سے) میں اس وقت آپ کے شوہر کو دیکھنے آیا تھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ وہ بہت بیمار ہیں۔ انھیں گنٹھیا کی شکایت ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔

دردانہ :۔ جی ہاں! کل رات ان کی طبیعت بہت خراب تھی۔ ٹانگوں کے درد کی شکایت کرتے رہے۔

اس وقت تو ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔

سلمان :۔ اور میں اکتے میں بیس میل کی مسافت طے کر کے یہاں آیا ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ آج رات یہیں ٹھہر جاؤں۔

سلیمہ :۔ یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ ورنہ آپ بھلا کب یہاں رات گزارتے ہیں۔ (چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے) چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔

محمد شریف :۔ جی ہاں! چائے کا ٹمپریچر بہت گر گیا ہے۔

دردانہ :۔ رفیق صاحب، کوئی بات نہیں ہم ٹھنڈی چائے ہی پی لیں گے۔

محمد شریف :۔ معاف کیجیے گا میرا نام رفیق نہیں محمد شریف ہے۔ میں آپ کی جاگیر ہی پر کام کرتا ہوں اور روز شام کو یہاں حاضر ہوتا ہوں۔

سلیمہ :۔ یہ ہمارے بڑے اچھے ہمسائے ہیں۔ ان کی مدد کے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا تھا اور چائے دوں شریف چاچا۔ ؟

فخر النسار :۔ ارے میں تو بھول ہی گئی تھی۔

سلیمہ :۔ کیا نانی اماں۔

فخر النسار :۔ واقعی میرا حافظہ بالکل خراب ہوتا جا رہا ہے۔ ارے بھئی سید وقار الدین نے اپنا نیا رسالہ بھیجا ہے۔

سلمان :۔ کیا بہت دل چسپ ہے۔

فخر النسار :۔ ہاں! لیکن یہ عجیب بات ہے کہ پانچ سال پہلے انھوں نے تعلیمِ نسواں کے مسئلے پر جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اب اُن سب کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ یہ واقعی بہت پریشان کُن بات ہے۔

حبیب :۔ اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں اماں۔ آپ اپنی چائے پیجیے۔

فخر النسار :۔ مگر میں اس اہم مسئلے پر تبادلۂ خیالات کرنا چاہتی ہوں۔

حبیب :۔ پچھلے پچاس سال سے ہم لوگ صرف تبادلۂ خیالات کرتے رہے ہیں۔ اس کی کوئی انتہا بھی ہونی چاہیے۔

فخر النساء :۔ معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ تم میری باتوں میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے۔ معاف کرنا حبیب۔ پچھلے دو سال میں تم بالکل بدل گئے ہو۔ تم تو ایک اصول پرست آدمی تھے۔ تمہاری شخصیت کتنی پُرکشش تھی۔

حبیب :۔ بجا فرماتی ہیں۔ میری شخصیت کتنی پُرکشش تھی۔ جس نے کبھی کسی کو متاثر نہیں کیا! اس سے زیادہ گہری چوٹ آپ نہیں کر سکتی تھیں اماں۔ اس وقت میں ۴۷ سال کا ہوں۔ دو سال پہلے تک ...... میں بھی جان بوجھ کر اپنے کو دھوکہ دیتا رہا۔ تاکہ تلخ حقائق کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جیسا کہ آپ اب تک کرتی ہیں۔ لیکن اب اس کوفت اور غصّے میں میری راتیں آنکھوں میں کٹ جاتی ہیں کہ میں نے زندگی کا لُطف اٹھائے بغیر اپنی عمر کا سب سے قیمتی حصّہ ضائع کر دیا اور اب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

سلیمہ :۔ حبیب ماموں ایسی باتیں نہ کیجیے۔

فخر النساء :۔ تم اپنے پُرانے اصولوں پر کیوں الزام رکھتے ہو۔ قصور تمہارا ہے تمہیں کوئی اہم اور بامعنی کام کرنا چاہیے تھا۔

حبیب :۔ اہم اور بامعنی کام۔ لیکن ہر شخص آپ کے لائق پروفیسر کی طرح تصانیف کا انبار تو نہیں لگا سکتا۔

فخر النساء :۔ (سختی سے) اس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔

سلیمہ :۔ نانی اماں۔ حبیب ماموں خدا کے لیے کوئی اور بات کیجیے۔

حبیب :۔ اچھا میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے معاف کیجیے۔

(وقفہ)

دُردانہ :۔ موسم کتنا خوشگوار ہے۔

حبیب :۔ ہاں ایسے موسم میں خودکشی بھی خوشگوار ہو گی۔

(باہر سے حکیمن کی آواز آتی ہے وہ مُرغیوں کو بُلا رہی ہیں۔)

سلیمہ :۔ (دروازے کے پاس جا کر) نانی بوا کاشتکار کیوں آئے تھے۔

حکیمن :۔ (باہر سے) وہی پُرانی بات، اسی بنجر زمین کا جھگڑا ہے (باہر سے بانسری کی آواز آتی ہے۔ سب لوگ خاموشی سے سُنتے ہیں۔ ایک مزدور داخل ہوتا ہے۔)

مزدور :۔ ڈاکٹر صاحب آپ کو بلانے ہسپتال سے آدمی آیا ہے۔
ڈاکٹر :۔ اچھا..... تو مجھے جانا ہی ہوگا۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر (مزدور واپس جاتا ہے۔)
سلیمہ :۔ یہ واقعی بڑی تکلیف دہ بات ہے! اچھا آپ ہسپتال ہو آئیے لیکن رات کا کھانا یہیں کھائیگا۔
ڈاکٹر :۔ نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے..... آغا حشر کے ڈرامے میں ایک کردار ہے، جس کی مونچھیں بہت لمبی ہیں اور دماغ میں عقل بہت کم ہے۔ میں وہی کردار ہوں۔

(وقفہ)

ڈاکٹر :۔ اچھا اب میں آپ سب سے اجازت چاہتا ہوں۔ (دُردانہ سے) اگر آپ کبھی سلیمہ کے ساتھ میرے گھر آنے کی تکلیف کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی...... میری ایک چھوٹی سی جاگیر ہے۔ یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر اس میں میں نے ایک موڈل باغ اور پودوں کی نرسری بھی بنائی ہے۔ اس کے پاس ہی سرکاری جنگل ہے۔ جس کی دیکھ بھال زیادہ تر میں ہی کرتا ہوں۔
دُردانہ :۔ ہاں! میں نے سنا ہے آپ کو جنگلات سے بہت دل چسپی ہے مشغلہ ذرا اچھا ہے۔ لیکن یہ آپ کے اصل پیشے میں حارج تو نہیں ہوتا۔ آخر آپ ایک ڈاکٹر ہیں نا۔
ڈاکٹر :۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرا اصل پیشہ کیا ہے۔
دردانہ :۔ کیا یہ دلچسپ مشغلہ ہے۔
ڈاکٹر :۔ ہاں بہت۔
حبیب :۔ (طنز سے) اس میں کیا شک ہے۔
دُردانہ :۔ (ڈاکٹر سے) مجھے بھی تعجّب ہوتا ہے۔ آخر آپ ایک جوان آدمی ہیں۔ کیا واقعی یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہو سکتا ہے۔ درختوں کا ایک لامتناہی سلسلہ اور بس۔
سلیمہ :۔ نہیں یہ کام واقعی دل چسپ ہے سلیمان صاحب کو اس سلسلے میں ایک تمغہ بھی مل چکا ہے۔ اگر آپ ان سے اس مسئلے پر تفصیلی بات چیت کریں تو مجھے یقین ہے کہ آپ ان سے اتفاق کریں گی۔ وہ کہتے ہیں کہ جنگلات سے زندگی کی خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ انسان میں احساسِ حُسن پیدا کرتے ہیں اور جذبات کو پاکیزہ بناتے ہیں۔ جن ملکوں میں جنگلات کی حفاظت کی جاتی ہے وہاں کے لوگ خوب صورت اور حساس ہوتے ہیں ان کی گفتگو

شستہ ہوتی ہے اور طور وطریق مہذب۔ ان کا فلسفۂ حیات رجائی ہوتا ہے اور عورتوں کی طرف ان کا رویہ نہایت شائستہ ہوتا ہے۔

حبیب :۔ (ہنستے ہوئے) بہت خوب۔ بہت خوب۔ کس قدر خوب صورت خیالات ہیں۔ لیکن کس قدر ناممکن۔ اس لیے عزیزمن مجھے اس بات کی اجازت دو کہ لکڑیاں جلاتا رہوں اور مکان بنانے میں لکڑی کا استعمال کرتا رہوں۔

ڈاکٹر :۔ آپ لکڑی کی بجائے کوئلہ بھی جلا سکتے ہیں۔ اور پھر کم سے کم لکڑی کو ضائع تو نہ کیجیے۔ اس وقت ہمارے ملک کے جنگلات کس مپرسی کے عالم میں دم توڑ رہے ہیں اور جو لوگ اس حسن کو تباہ کر دیں جسے وہ تخلیق نہیں کر سکتے وہ میرے خیال میں مہذب کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے بیگم فاروقی ؟ انسان کو عقل اس لیے دی گئی ہے کہ وہ قدرتی وسائل کا صحیح استعمال کرے۔ لیکن اب تک وہ صرف تخریب کی طرف مائل رہا ہے (حبیب سے) تم طنزیہ انداز سے مسکرا رہے ہو تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ مجذوب کی بڑ ہے۔ لیکن میں جب کبھی اس جنگل کے پاس سے گزرتا ہوں، جسے میں نے کٹنے سے بچایا ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے مستقبل کو جیت لیا ہے۔ جب میں ان درختوں کے سرسرانے کی آواز سنتا ہوں۔ جنھیں میں نے اپنے ہاتھ سے بویا تھا تو میرا دل خوشی سے سرشار ہو جاتا ہے اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ اگر ایک ہزار سال بعد ایک حسین اور پُرمسرت زندگی کی تعمیر ہوئی تو اس میں میرا بھی ایک حصّہ ہوگا۔ ایک حقیر اور نامعلوم سا حصّہ سہی لیکن ہوگا ضرور ...... جب میں ان ننھے پودوں کو سر اٹھاتے دیکھتا ہوں تو میں — (مزدور پر نظر پڑتی ہے، جو دوبارہ داخل ہوا ہے) (گھڑی دیکھتا ہے) اب مجھے جانا ہی ہوگا معاف کیجیے گا۔ ممکن ہے آپ اسے میری انتہا پسندی سمجھیں ...... (دروازے کی طرف جاتا ہے)

سلیمہ :۔ اب آپ کب آئیں گے۔

سلمان کہہ نہیں سکتا۔

(سلمان اور سلیمہ باتیں کرتے ہوئے باہر جاتے ہیں)

(محمد شریف اور فخر النسا اپنی جگہ بیٹھے رہتے ہیں۔ حبیب اور دُردانہ ٹہلتے ہوئے اسٹیج کے سامنے کی طرف آتے ہیں)

دُردانہ:۔ آج تم پھر وہی بے سروپا باتیں کرنے لگے۔ اماں جان کے سامنے تصانیف کے انبار کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور آج کھانے پر تم کلیم صاحب سے بے وجہ الجھ پڑے۔

حبیب:۔ میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔

دُردانہ:۔ تمہیں ان سے نفرت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آخر اُن میں ایسی کون سی بُرائی ہے۔ تم خود ان سے کس بات میں بہتر ہو۔

حبیب:۔ کیوں اپنے کو دھوکہ دیتی ہو فرحت۔ مجھے تمہاری حالت پر افسوس ہوتا ہے۔

دُردانہ:۔ ہاں تمہیں میری حالت پر افسوس ہوتا ہے۔ ہر شخص میرے شوہر کو الزام دیتا ہے اور ہر ایک کو میرے ساتھ ہمدردی ہے لیکن تمہاری یہ ہمدردی مجھے تباہ کر کے چھوڑے گی۔ جیسا کہ ابھی ڈاکٹر سلمان کہہ رہے تھے کہ اگر لوگ اندھا دھند جنگلات کاٹتے رہے تو فطرت کا تمام حسن تباہ ہو جائے گا۔ جس کی تخلیق انسان نہیں کر سکتا۔ اسی طرح تم انسانوں کو بھی تباہ کرتے رہتے ہو اور بہت جلد تم لوگوں کی عنایت سے وفاداری، محبت اور قربانی کی اعلیٰ قدریں دنیا سے ناپید ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ڈاکٹر نے کہا، تمہاری رگ رگ میں تخریب کا جذبہ سرایت کر گیا ہے۔ تم نہ جنگلات کو معاف کر سکتے ہو نہ عورتوں نہ ایک دوسرے کو۔

حبیب:۔ میں اس قسم کا فلسفہ پسند نہیں کرتا۔

دُردانہ:۔ ڈاکٹر کا چہرہ کچھ رُستا ہوا ہے۔ لیکن اس کے چہرے میں کتنی گہرائی ہے۔ سلیمہ یقیناً ڈاکٹر کو پسند کرتی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے میری اب تک ان سے اچھی طرح بات نہیں ہوئی۔ میں اپنی جھجک سے مجبور ہو جاتی ہوں۔ حبیب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم دونوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اسی لیے تو ہم ایک دوسرے کو اتنی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں ...... میری طرف اس طرح نہ دیکھو۔

حبیب:۔ اور کس طرح دیکھوں۔ کیا تم میری زندگی نہیں ہو۔ کیا میری خوشی تمہارے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میری محبت کا جواب نہیں دو گی۔ لیکن کم سے کم اپنی طرف دیکھنے تو دو۔

دُردانہ:۔ خدا کے لیے چپ رہو لوگ سُن لیں گے۔ (اندر جاتی ہے)

حبیب :۔ (اس کے پیچھے جاتے ہوئے) آج مجھے اپنی محبّت کا اظہار کرنے دو۔ یہ بھی میرے لیے باعثِ تسکین ہے۔

دُردانہ :۔ لیکن میرے لیے انتہائی تکلیف دہ۔

(دونوں جاتے ہیں)

(پردہ)

دوسرا ایکٹ

(کھانے کا کمرہ، رات کا وقت ہے۔ باہر سے پہرے دار کی آوازیں آرہی ہیں۔ پروفیسر کلیم احمد کھڑکی کے پاس ایک آرام کرسی پر بیٹھے ہیں۔ دُردانہ پاس ہی دوسری کرسی پر بیٹھی ہے۔ دونوں اونگھ رہے ہیں۔)

کلیم احمد :۔ (ہوشیار ہوتے ہوئے) کون سلیمہ؟

دُردانہ :۔ نہیں میں ہوں۔

کلیم :۔ اچھا تم ہو دُردانہ۔ یہ درد ناقابلِ برداشت ہے۔

دُردانہ :۔ آپ کا کمبل گر گیا ہے (اٹھا کر ٹانگوں پر ڈالتی ہے) میں کھڑکی بند کیے دیتی ہوں۔

کلیم :۔ نہیں رہنے دو۔ میرا دم گھٹا جارہا ہے۔ ابھی چند لمحوں کے لیے میری آنکھ لگ گئی تھی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری ایک ٹانگ غائب ہوگئی ہے اور درد کی شدّت سے میری آنکھ کھل گئی...... کیا وقت ہوگا؟

دُردانہ :۔ بارہ بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔

(وقفہ)

کلیم :۔ تم صبح میری لائبریری میں ابنِ خلدون کی تیسری جلد تلاش کرنا۔ میرا خیال ہے وہ ہمارے پاس ضرور ہے اُف میرا سانس گھٹا جارہا ہے۔

دردانہ :۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ رات سے آپ کو نیند نہیں آئی۔

کلیم :۔ کہتے ہیں حکیم بو علی سینا کو قلب کی شکایت تھی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مجھے بھی یہ

شکایت بہت جلد ہونے والی ہے۔ لعنت ہو اس ضعیفی پر۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی ہے اور غالباً تم لوگوں کو بھی۔

دُردانہ:۔ آپ اس انداز سے اپنے بڑھاپے کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔ گویا اس کے لیے ہم سب قابلِ الزام ہیں۔

کلیم:۔ اس لیے کہ تم مجھ سے یقیناً نفرت کرنے لگی ہو۔

(دُردانہ ناگواری سے کچھ دور جاتی ہے)

کلیم:۔ میں خوب سمجھتا ہوں تم جوان ہو، خوب صورت ہو، میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ ایک زندہ لاش، کیا تم سمجھتی ہو میں ان باتوں کو خود نہیں جانتا۔ لیکن بس کچھ دن اور انتظار کرو میں تم سب کو بہت جلد آزاد کر دوں گا۔ میں خود زندہ رہنا نہیں چاہتا۔

دُردانہ:۔ اُف میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔

کلیم:۔ ہر شخص پریشان ہے معلوم ہوتا ہے بس میں ہی آرام سے ہوں اور زندگی کا لطف اٹھا رہا ہوں۔

دُردانہ:۔ خدا کے لیے ختم کیجیے۔ میں تنگ آ چکی ہوں۔

کلیم:۔ ہاں ہاں! تم بھی مجھ سے تنگ آ چکی ہو۔

دُردانہ:۔ (ردکھی آواز میں) آخر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔

کلیم:۔ کچھ نہیں۔

دُردانہ:۔ تو پھر خاموش رہیے۔ (کچھ دیر خاموشی رہتی ہے باہر ہوا کی سرسراہٹ سنی جا سکتی ہے)

کلیم:۔ عجیب بات ہے جب حبیب یا فخر النسا بیگم بات کرتے ہیں تو ہر شخص غور سے سُنتا ہے۔ یہاں تک کہ حکیمن کی اُلٹی سیدھی باتیں بھی تم لوگ سن لیتے ہو۔ لیکن جہاں میں نے بات شروع کی ہر شخص بیزار نظر آنے لگتا ہے۔ میری آواز تک سے تم لوگوں کو نفرت ہے میں مانتا ہوں کہ میں دوسروں سے خدمت لیتا ہوں، میں خود غرض ہوں۔ لیکن کیا مجھے اس عمر میں اس کا بھی حق نہیں۔ کیا مجھے آرام و آسائش سے زندگی گزارنے کا حق نہیں۔ بولو۔ کیا میں ان مراعات کا مستحق نہیں ہوں۔ (ہوا کی سرسراہٹ تیز ہوتی جا رہی ہے۔)

دُردانہ:۔ آپ کے حقوق سے کسی کو انکار نہیں (ہوا سے کھڑکی کھڑکھڑاتی ہے) ہوا تیز ہو گئی ہے۔

میں کھڑکی بند کیے دیتی ہوں۔ بارش ہونے والی ہے۔۔۔۔۔ آپ کے حقوق سے کسی کو انکار نہیں۔

کلیم :۔ میں نے تو اپنی تمام زندگی علم کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ کہاں وہ یونیورسٹی کی تعلیمی فضا اور کہاں یہ جاہلوں کی بستی، جہاں ہر وقت بے وقوف لوگوں کی فضول باتیں سُننی پڑتی ہیں۔ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں کامیابی چاہتا ہوں، شہرت چاہتا ہوں اور یہاں میں ایک تیدی سے زیادہ نہیں۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں دوسروں کو کامیابی حاصل کرتے دیکھوں اور خود کچھ نہ کر سکوں۔ میں اب اور زیادہ برداشت نہیں کر سکتا اور تم لوگ میری ضعیفی برداشت نہیں کر سکتے۔

دُردانہ :۔ کچھ دن اور صبر کیجیے۔ پانچ چھ سال میں مَیں تو خود بوڑھی ہو جاؤں گی۔

(سلیمہ داخل ہوتی ہے)

سلیمہ :۔ ابّا جان آپ نے ڈاکٹر کو بلوایا تھا اور اب سلمان صاحب آئے ہیں تو آپ نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہ بات نامناسب ہے۔ ہم نے انھیں خواہ مخواہ تکلیف دی۔

کلیم :۔ مجھے تمہارے سلمان دُرّانی کی ضرورت نہیں۔ وہ میرے خیال میں ڈاکٹر کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔

سلیمہ :۔ لیکن آپ یہ توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ آپ کے درد کے علاج کے لیے دنیا کے بہترین ڈاکٹر حاضر ہو جائیں۔

کلیم :۔ اس نئی حکیم سے تو میں بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔

سلیمہ :۔ بہرحال آپ کا جو دل چاہے کیجیے۔ میں اب اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی۔

کلیم :۔ کیا وقت ہے ؟

دردانہ :۔ ساڑھے بارہ بج چکے ہیں۔

کلیم :۔ میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔ سلیمہ ذرا مجھے وہ دوا اٹھا دینا۔

(سلیمہ دوا اٹھا کر دیتی ہے)

کلیم :۔ مجھے اس دوا کی ضرورت نہیں۔ کوئی میری بات نہیں سمجھتا۔ سب بیکار ہیں۔

(حبیب ہاتھ میں شمع لیے داخل ہوتا ہے۔ وہ شب خوابی کا لباس پہنے ہے۔ ہوا کی آواز میں اب شدت ہے)

حبیب :۔ بہت سخت طوفان آنے والا ہے۔ سلیمہ اور فرحت اب تم جا کر سو رہو۔ میں تمہاری جگہ لے لوں گا۔

کلیم :۔ نہیں نہیں خدا کے لیے مجھے اس کے ساتھ تنہا نہ چھوڑو۔ یہ اپنی باتوں سے میرا خاتمہ کر دے گا۔

حبیب :۔ لیکن آخران لوگوں کو بھی تو آرام کی ضرورت ہے۔ دو راتوں سے یہ نہیں سوئیں۔
کلیم :۔ یہ لوگ بڑی خوشی سے جا سکتی ہیں۔ لیکن مہربانی کر کے تم بھی چلے جاؤ۔ پرانی دوستی ہی کی خاطر سہی۔ اس وقت مجھ سے بات نہ کرو۔
حبیب :۔ پرانی دوستی کی خاطر...... پرانی........
سلیمہ :۔ حبیب ماموں خدا کے لیے اس وقت رہنے دیجیے۔
کلیم :۔ (بیوی سے) جانِ من مجھے اس کے ساتھ تنہا نہ چھوڑو۔ یہ ضرور مجھے ختم کر دے گا۔
حبیب :۔ یہ تو کسی ناٹک کا ایک مضحکہ خیز سین معلوم ہوتا ہے۔
(حکیمن بوا ہاتھ میں شمع لیے داخل ہوتی ہیں)
سلیمہ :۔ نانی بوا اب تم جا کر سو رہو۔ بہت رات ہو گئی ہے۔
حکیمن :۔ ابھی تو چولہے کے برتن بھی نہیں اٹھے۔ کیسے سو سکتی ہوں۔
کلیم :۔ ہر شخص تھکا ہوا ہے۔ ہر شخص جاگ رہا ہے۔ بس ایک میں ہی زندگی کا لطف اٹھا رہا ہوں۔
حکیمن :۔ کیوں کیا بات ہے کلیم میاں۔ کیا بہت تکلیف ہے۔ میری بھی ٹانگوں میں اب بہت درد رہنے لگا ہے۔ تمہاری تو یہ پرانی شکایت ہے۔ سلیمہ کی ماں جمیلہ بیوی کتنی پریشان ہو جاتی تھیں۔ ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی تھی۔ خدا انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے تمہیں کتنا چاہتی تھیں۔ بڑے بھی بچوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک اُن پر ترس کھائے...... لیکن بڈھوں کے ساتھ کون ہمدردی کرتا ہے۔ چلو بس اب چل کے سو رہو۔ میں ابھی تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں اور تمہارے لیے گرم پانی کی بوتل لے آتی ہوں اور پھر اپنے اللہ سے تمہاری صحت کے لیے دُعا کروں گی۔
کلیم :۔ (متأثر ہو کر) چلو حکیمن۔
حکیمن :۔ کتنا درد ہوتا ہے میری ٹانگوں میں...... (وہ اور سلیمہ پروفیسر کو سہارا دے کر اٹھاتی ہیں) جمیلہ بیوی کتنی پریشان ہو جاتی تھیں تم تو ذرا سی تھیں سلیمہ بیٹی۔ ان باتوں کو کہاں سمجھتی تھیں...... اچھا میاں اب چل کے سو رہو۔
(تینوں جاتے ہیں)

دُردانہ:۔ میں تو اب بالکل تھک چکی ہوں۔ یہاں سے جانے کی بھی ہمت نہیں۔

حبیب:۔ تم اپنے شوہر سے تھک چکی ہو اور میں اپنے آپ سے۔

دُردانہ:۔ اس گھر میں ہر ایک کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری امّاں کو سوائے اپنی کتابوں اور پروفیسر صاحب کے دنیا کی ہر چیز سے نفرت ہے۔ کلیم صاحب اب مجھ پر بھی بھروسہ نہیں کرتے۔ سلیمہ اپنے باپ کے ساتھ چڑچڑا پن کرتی ہے اور آج دو ہفتے ہو گئے اس نے مجھ سے بھی بات نہیں کی۔ تم میرے شوہر سے نفرت کرتے ہو اور اپنی ماں کے لیے کھلم کھلا حقارت کا اظہار کرتے ہو۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ چیخ چیخ کر روؤں۔ اس گھر میں ہر ایک کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔

حبیب:۔ اچھا اب فلسفہ رہنے دو۔

دُردانہ:۔ حبیب تم ذہین اور پڑھے لکھے ہو۔ تمہیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ دنیا آگ اور بارود سے نہیں بلکہ نفرت، حسد اور آپس کے لڑائی جھگڑوں سے تباہ ہو رہی ہے۔ تمہیں تو دنیا میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بجائے نفرت کی اس آگ کو بھڑکانے کے۔

حبیب:۔ مجھے خود اپنے اندر ہم آہنگی پیدا کرنے کا موقع تو دو۔ (اس کی طرف پُرمعنی انداز سے دیکھتا ہے)

دُردانہ:۔ میں یہ باتیں پسند نہیں کرتی۔

حبیب:۔ چند منٹ میں بارش رک جائے گی اور فطرت کی ہر شے پر تازگی اور نکھار آ جائے گا۔ صرف مجھ میں اس طوفان کے بعد بھی تازگی نہیں آئے گی۔ یہ سوچ کر میرا دم گھٹتا جاتا ہے کہ میری تمام زندگی تباہ ہو چکی ہے۔ میرا کوئی ماضی نہیں، کیوں کہ وہ فضول باتوں کی نذر ہوا۔ اور میرا حال بے معنی ہے۔ میری زندگی اور میری محبت کی کوئی منزلِ مقصود نہیں۔ تم سے میری محبّت یوں ضائع جاتی ہے جیسے روشنی کی ایک کرن کنویں میں گر کر ضائع ہو جاتی ہے۔

دُردانہ:۔ جب تم اپنی محبّت کا اظہار کرتے ہو تو میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں (جانے کے لیے اٹھتی ہے)

حبیب:۔ (اس کا راستہ روکتے ہوتے) اور پھر مجھے یہ احساس ہر وقت ستاتا ہے کہ اس گھر میں ایک اور انسان کی زندگی ضائع ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ تمہاری زندگی فرحت۔ تم کس بات کا انتظار کر رہی ہو۔ کون سا منحوس فلسفۂ زندگی تمہیں روک رہا ہے۔ کچھ سوچو۔۔۔۔ سمجھو۔۔۔۔

دُردانہ :۔ (اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے) حبیب صاحب آپ پئے ہوئے ہیں۔

حبیب :۔ ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔

دُردانہ :۔ ڈاکٹر کہاں ہے۔

حبیب :۔ ساتھ والے کمرے میں، آج رات وہ یہیں ٹھہرے گا۔ (بارش کی آوازیں)

دُردانہ :۔ تو آپ لوگوں نے آج پھر شراب پی۔ آخر کیوں ؟

حبیب :۔ اپنے کو بھول جانے کے لیے۔ زندگی نہیں تو فریبِ زندگی ہی سہی۔ کیا مجھے اس کا حق بھی نہیں جانِ من (اس کا ہاتھ پکڑتا ہے)

دُردانہ :۔ (ہاتھ کھینچتے ہوئے) میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ (ناگواری سے اٹھ کر جاتی ہے)۔ (طوفانی آوازیں)

حبیب :۔ (اکیلے میں) وہ چلی گئی دس سال پہلے میں اسے اپنی بہن کے ہاں دیکھا کرتا تھا۔ وہ ۱۷ سال کی تھی۔ اس وقت مجھے اس سے محبت کیوں نہیں ہو گئی۔ میں نے اس سے شادی کی درخواست کیوں نہیں کی۔ اس وقت یہ کتنا آسان تھا۔ آج وہ میری بیوی ہوتی اور پھر شاید یہ طوفان ہم دونوں کو جگا دیتا۔ وہ ڈر کر مجھ سے قریب تر ہو جاتی اور میں اسے اپنے بازوؤں میں لے لیتا..... کتنا حسین ہے یہ خیال۔ لیکن یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میرا ذہن اتنا پراگندہ کیوں ہے۔ میں کیوں اتنا بوڑھا ہو گیا ہوں۔ وہ میری بات کیوں نہیں سمجھتی۔ اس کی روایتی وفاشعاری اس کے حسین مگر سطحی اخلاقی تصورات میرے لیے کتنے تکلیف دہ ہیں...... میرے ساتھ زندگی نے دھوکہ کیا۔ میں پروفیسر کو ایک عظیم شخصیت سمجھتا رہا۔ اس کے آرام و آسائش کی خاطر میں اور سلیمہ جان توڑ محنت کرتے رہے۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی کہ جائداد سے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کیا جا سکے۔ ہم کنجوسوں کی طرح ایک ایک پائی بچاتے رہے۔ تاکہ اسے ہزاروں روپے بھیجے جا سکیں۔ میں اس سے کس قدر متأثر تھا مجھے اس کی علمیت پر کتنا ناز تھا۔ وہ جو کچھ بھی لکھتا میں اسے ایک عظیم دماغ کا نتیجۂ فکر سمجھتا تھا۔ اور اب..... اُف خدایا..... اب جب وہ ریٹائر ہو کر یہاں آیا ہے تو اس کی تمام زندگی میرے سامنے آئینے کی طرح روشن ہے۔ اب میں خوب جانتا ہوں کہ اس کی تصانیف میں سے ایک ورق بھی زندہ نہیں رہے گا۔ اس کی شخصیت گمنام ہے۔ اور اس کی شہرت پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ چکی ہے۔ میں نے دھوکہ کھایا اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میں نے کتنا بڑا

دھوکہ کھایا۔

(ڈاکٹر سلمان داخل ہوتا ہے وہ شب خوابی کے لباس میں ہے اور کچھ پیے ہوئے ہے)

سلمان :۔ کیا تم تنہا ہو حبیب بھائی ...... طوفان سے میری آنکھ کھل گئی۔

اے موجِ حوادث اُن کو بھی دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

کیا وقت ہو گا۔

حبیب :۔ مجھے نہیں معلوم۔

سلمان :۔ میرا خیال ہے میں نے دُردانہ کی آواز سنی تھی۔

حبیب :۔ ہاں وہ ابھی یہیں تھی۔

سلمان :۔ غیر معمولی حسین عورت ہے (میز پر دواؤں کو دیکھتے ہوئے) خدا کی پناہ کہاں کہاں سے دوائیں آئی ہیں۔ لندن، ماسکو، وی آنا، برلن۔

.... تمھارا کیا خیال ہے۔ پروفیسر واقعی بیمار ہے یا صرف بنتا ہے۔

حبیب :۔ واقعی بیمار ہے۔

سلمان :۔ تم بہت اُداس معلوم ہوتے ہو ...... کیا پروفیسر کی بیماری کی وجہ سے اُداس ہو۔

حبیب :۔ خدا کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

سلمان :۔ تو پھر کیا تمھیں پروفیسر کی بیوی سے محبت ہو گئی ہے۔

حبیب :۔ وہ میری دوست ہے۔

سلمان :۔ ابھی سے۔

حبیب :۔ کیا مطلب ؟

سلمان :۔ بھائی صاحب دوستی کی منزل تو بہت بعد میں آتی ہے۔ یعنی جب ایک عورت سے طبیعت سیر ہو چکی ہو۔

حبیب :۔ کس قدر غیر شائستہ فلسفہ ہے۔

سلمان :۔ ہاں۔ میں شاید خود بھی غیر شائستہ ہو گیا ہوں اور پھر میں اس وقت کچھ زیادہ پی گیا

ہوں۔ ایسی حالت میں مَیں ذرا اکھڑ ہو جاتا ہوں۔ لیکن مجھ میں ہمّت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور میں بڑے سے بڑا آپریشن کر سکتا ہوں۔ معاف کرنا میں ذرا زیادہ پی گیا ہوں۔۔۔۔ (ڈگمگاتا ہے) یارو مجھے معاف کرو، میں نشے میں ہوں۔ (سلیمہ داخل ہوتی ہے)

کیوں حبیب بھائی۔ ایک جام اور۔۔۔۔ کیا خیال ہے (سلیمہ پر نظر پڑتی ہے گڑبڑا کر) معاف کرنا حبیب بھائی میں ابھی آتا ہوں۔ (تیزی سے اپنے کمرے کے اندر جاتا ہے۔)

سلیمہ:۔ (قریب آتے ہوئے) اچھا حبیب ماموں تو آپ لوگوں نے آج پھر شراب پی۔ کم سے کم اپنی عمر ہی کا خیال کیجیے۔

حبیب:۔ اس کا عمر سے کیا تعلق۔ جن لوگوں کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ انھیں خوابوں کی دنیا ہی میں رہنا پڑتا ہے۔ کچھ نہ ہونے سے تو یہی بہتر ہے۔

سلیمہ:۔ کھیت سے اناج آیا پڑا ہے اور بارش شروع ہو گئی ہے۔ آپ آج کل ہر کام کی طرف سے لاپرواہی برت رہے ہیں مجھے اکیلے ہر بات کی فکر کرنی پڑتی ہے۔ میں بالکل تھک چکی ہوں۔۔۔۔ (اس کی طرف دیکھتی ہے گھبرا کر) ماموں جان آپ کی آنکھوں میں آنسو۔۔۔ کیوں؟

حبیب:۔ آنسو۔۔۔۔۔ کچھ نہیں تمھارا خیال ہے۔ اس وقت مجھے تمہاری صورت دیکھ کر تمہاری ماں یاد آگئیں۔۔۔۔ (اس کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہے) میری عزیز ترین بچّی۔۔۔۔ میری پیاری بہن۔۔۔۔ اب وہ کہاں ہے۔ کاش اسے معلوم ہو سکتا۔

سلیمہ:۔ کیا ماموں جان۔ کیا معلوم ہوتا۔

حبیب:۔ کچھ نہیں کچھ نہیں۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔ (باہر جاتا ہے) (سلیمہ کچھ دیر پریشان اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔ سلمان اپنے کمرے سے باہر آتا ہے۔ سلیمہ کو دیکھ کر جھجکتا ہے۔)

سلیمہ:۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔

سلمان:۔ ۔۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ کہو۔

سلیمہ:۔ اگر آپ کو شراب سے نفرت نہیں تو شوق سے پیجیے۔ لیکن مہربانی سے میرے ماموں کو نہ پلائیے۔۔۔۔۔ ان کی صحت برباد ہو رہی ہے۔

سلمان:۔ (پشیمانی سے) میں شرمندہ ہوں۔ اب ہم کبھی شراب نہیں پئیں گے۔ مجھے اب فوراً چلا جانا چاہیے

میں ابھی گاڑی تیار کرنے کے لیے کہتا ہوں۔

سلیمہ:۔ اس وقت بارش ہو رہی ہے۔ صبح ہونے تک انتظار کیجیے۔

سلمان:۔ طوفان صرف ہمارے قریب سے گزر رہا ہے۔ بس چند چھینٹے پڑیں گے۔ ہاں مہربانی سے اب مجھے اپنے ابّا کی بیماری کے سلسلے میں کبھی نہ بلانا۔ وہ میری کوئی بات نہیں سنتے۔ میں کہتا ہوں انھیں اعصابی درد ہے۔ وہ کہتے ہیں گٹھیا ہے۔ میں نے انھیں لیٹنے کی ہدایت کی ہے۔ اور وہ بیٹھنے پر مُصر ہیں اور اب تو وہ مجھ سے بات کرنے کے بھی روادار نہیں ..... یہاں پانی ہے۔

(سلیمہ صُراحی میں سے پانی انڈیل کر دیتی ہے)

سلمان:۔ تمہارے باپ اپنے معالج کو بالکل پریشان کر دیتے ہیں اس وقت یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں صاف صاف اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہوں۔ میرا تو اس فضا میں دم گھٹتا ہے۔ تمہارے باپ ہر وقت اپنی بیماری کا رونا روتے ہیں۔ تمہاری نانی چوبیس گھنٹے حقوقِ نسواں کے مسائل میں غرق رہتی ہیں اور تمہارے حبیب ماموں اپنی مایوسی میں اور تمہاری سوتیلی ماں......

سلیمہ:۔ میری سوتیلی ماں میں کیا بات ہے۔

سلمان:۔ انسان کی ہر چیز خوب صورت ہونی چاہیے۔ روح، جسم، خیالات اور احساسات۔ دُردانہ بہت حسین ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وہ کرتی کیا ہے سوائے کھانے پینے، سونے اور ہم سب کو اپنے حسن سے مسحور کرنے کے ..... لیکن میں شاید ضرورت سے زیادہ دُرشت ہو گیا ہوں۔ شاید میں بھی تمہارے حبیب ماموں کی طرح زندگی سے غیر مطمئن ہوں۔ اسی لیے ہم ہر وقت قسمت کی شکایت کرتے ہیں۔

سلیمہ: کیا آپ بھی زندگی سے بیزار ہیں۔

سلمان:۔ مجھے زندگی سے محبت ہے۔ لیکن یہ ہماری روزمرّہ کی زندگی ناقابلِ برداشت ہے۔ اور اپنی ذاتی زندگی میں بھی مجھے کوئی قابلِ قدر بات نظر نہیں آتی۔ اگر کسی جنگل سے گزرتے ہوئے دور بہت دور کوئی روشنی کی کرن نظر آجائے تو تھکن اور اندھیرے کا احساس باقی نہیں رہتا۔ لیکن مجھے اپنی زندگی میں ایسی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ مجھے کسی چیز کا انتظار نہیں۔ مجھے کسی سے محبت نہیں۔

سلیمہ :۔ کسی سے بھی نہیں۔

سلمان :۔ ہاں...... تمہاری بوا سے مجھے ایک قسم کا انس ضرور ہے۔ انھیں دیکھ کر بعض یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ نہیں بس۔ غریب اور ان پڑھ لوگ سب غیر دل چسپ ہیں۔ ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی نشوونما ہی نہیں ہوتی۔ اور پڑھے لکھے لوگ......... ان کے ساتھ گزارا کرنا اور بھی مشکل ہے۔ ان کے خیالات اور جذبات سطحی ہوتے ہیں اور انھیں اپنے سوا کسی چیز سے دل چسپی نہیں جو لوگ اوروں سے زیادہ ذہین ہیں۔ وہ انتہائی بر خود غلط اور شکی ہیں۔ انھیں انسانوں سے بحیثیت انسان کے کوئی دل چسپی نہیں وہ ہر شخص پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالتے ہی فیصلہ سنا دیتے ہیں ـــــ "یہ شخص ذہنی مریض ہے" وہ شخص صرف الفاظ سے کھیلتا ہے اور جب ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک آدمی پر کیا لیبل لگائیں۔ مثال کے طور پر مجھ پر تو وہ کہہ دیتے ہیں "یہ آدمی عجیب و غریب ہے"۔ میں گوشت نہیں کھاتا ہوں اس لیے میں عجیب ہوں مجھے جنگلات سے عشق ہے اس لیے میں عجیب ہوں......... ان تلخیوں کو دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ (بوتل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔)

سلیمہ :۔ نہیں نہیں خدا کے لیے۔

سلمان :۔ کیوں ؟

سلیمہ :۔ اس لیے کہ آپ عام انسانوں سے بہت مختلف ہیں۔ آپ ان سے کہیں زیادہ حساس ہیں۔ آپ کی شخصیت میں ایک وقار ہے ایک دلکشی ہے۔ آپ کو عام آدمیوں کی طرح شراب پینا یا تاش کھیلنا زیب نہیں دیتا۔ آپ اکثر اس بات پر افسوس کرتے ہیں کہ لوگ تخلیق کے بجائے فطرت کے حسن کو برباد کرتے رہتے ہیں۔ آپ کیوں اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں... کچھ تو خیال کیجیے۔

سلمان :۔ (اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے) میں اب کبھی شراب نہیں پیوں گا۔

سلیمہ :۔ وعدہ کیجیے۔

سلمان :۔ میں وعدہ کرتا ہوں (سلیمہ آہستہ سے اس کا ہاتھ دباتی ہے)

سلمان :۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میرا وقت گزر چکا ہے۔ میں ضرورت سے زیادہ کام کرتا رہا ہوں شاید اسی لیے میں اکھڑ اور بدمزاج ہو گیا ہوں اور میرے جذبات کے سوتے

خشک ہو گئے ہیں۔ میں اب شاید کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔ لیکن میں اب بھی حُسن کا پرستار ہوں۔ مثلاً دُردانہ فرحت اگر چاہے تو مجھے ایک دن میں دیوانہ بنا سکتی ہے۔ (اپنے ہاتھوں سے منھ چھپا لیتا ہے۔)

سلیمہ :۔ کیا بات ہے سلمان صاحب!

سلمان :۔ کچھ نہیں۔ پچھلے سال میرا ایک مریض آپریشن ٹیبل پر بے ہوشی کے عالم میں مر گیا۔

سلیمہ :۔ آپ اسے بھول جائیے (وقفہ) اچھا یہ بتائیے کہ اگر میری کوئی دوست ہوتی جو آپ سے والہانہ محبت کرتی تو آپ کیا کرتے۔

سلمان :۔ میں اسے بتا دیتا کہ میں اس سے محبت نہیں کر سکتا...... اچھا اب مجھے جانا چاہیے۔ صبح تک اسپتال پہنچنا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔

(سلیمہ سے ہاتھ ملا کر جاتا ہے)

سلیمہ :۔ (اکیلے میں) انھوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ پھر میرا دل اتنا مسرور کیوں ہے (ہنستی ہے) میں نے کہا آپ کی شخصیت میں وقار ہے اور دلکشی ہے...... یہ کچھ نامناسب بات تو نہیں تھی۔ ان کی آواز کتنی خوبصورت ہے۔ اس کی لہریں، میں اب بھی محسوس کر سکتی ہوں... لیکن جب میں نے ان سے دوست والی بات کی تو وہ کچھ نہیں سمجھے (ہاتھ ملتی ہے) اُف خدا میں حسین کیوں نہیں ہوں۔ میں اتنی بدصورت کیوں ہوں۔ اس دن جب میں میلا دیں گئی تھی تو میں نے خود ایک عورت کو اپنی ساتھن سے کہتے سُنا، یہ بڑی نیک اور سمجھدار لڑکی ہے۔ لیکن بیچاری کی صورت کتنی معمولی ہے۔

(دُردانہ داخل ہوتی ہے)

دُردانہ :۔ طوفان ختم ہو گیا۔ ہوا کتنی خوشگوار ہے۔ ڈاکٹر کہاں ہے۔

سلیمہ :۔ چلے گئے۔

دُردانہ :۔ سلیمہ۔

سلیمہ :۔ ہاں۔

دُردانہ :۔ تم کب تک مجھ سے خفا رہو گی۔ ہم نے ایک دوسرے کو کوئی دُکھ نہیں پہنچایا۔ پھر ہم

کیوں دشمنوں کی طرح رہیں۔ میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔

سلیمہ :۔ میں خود یہی چاہتی تھی۔ (دونوں گلے ملتی ہیں)..... کیا ابا جان سو گئے۔

دُردانہ :۔ نہیں صوفے پر بیٹھے ہیں۔ اب ہفتوں وہ مجھ سے کھل کر بات نہیں کرتے۔ سلیمہ تم ہی مجھے سمجھنے کی کوشش کرو

سلیمہ :۔ میں مدت سے یہی چاہتی تھی۔ لیکن ہمت نہیں پڑی۔ (روتی ہے)

دُردانہ :۔ تم رو کیوں رہی ہو۔

سلیمہ :۔ کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔

دُردانہ :۔ (اسے گلے لگاتی ہے) پیاری سلیمہ (آنسو پونچھتی ہے) مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں کیوں رو رہی ہوں۔ ...... تم شاید سمجھتی ہو کہ میں نے تمہارے باپ سے کسی لالچ میں شادی کی۔ لیکن میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے ان سے محبّت ہو گئی تھی۔ میں ان کی علمیت اور شہرت سے متأثر ہو گئی تھی۔ یہ شاید سچّی محبّت نہیں تھی۔ لیکن میں نے یہی سمجھا تھا...... لیکن تم نے ہمیشہ مجھ پر شک کیا۔ اس کا مجھے بہت رنج ہے۔

سلیمہ :۔ پرانی باتیں بھول جاؤ۔

(وقفہ)

سلیمہ :۔ اچھا سچ سچ ایک بات بتاؤ۔ کیا تم خوش ہو۔

دُردانہ :۔ نہیں۔

سلیمہ :۔ مجھے معلوم تھا۔ ایک بات اور۔ کیا تمہارا یہ دل نہیں چاہتا کہ تمہارے شوہر جوان ہوتے۔

دُردانہ :۔ سلیمہ تم تو بالکل بچّی ہو۔ ظاہر ہے کہ میرا دل یہی چاہتا ہے (ہنستی ہے) اچھا کوئی اور بات پوچھو۔

سلیمہ :۔ کیا تم ڈاکٹر کو پسند کرتی ہو۔

دُردانہ :۔ ہاں بہت۔

سلیمہ :۔ اس کی آواز اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اس کا چہرہ میں اب بھی اپنے سامنے تصوّر کر سکتی ہوں...... معاف کرنا میری باتیں بہت مضحکہ خیز تو نہیں۔

دُردانہ :۔ نہیں کیا بات ہے؟

سلیمہ :۔ ڈاکٹر ہوشیار ہے۔ وہ بیماروں کا علاج بھی کر سکتا ہے اور درخت بھی لگا سکتا ہے۔

دُردانہ: یہ درخت لگانے یا علاج کرنے کا سوال نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اس کی نظر وسیع اور ہمّت بلند ہے۔ وہ درخت لگاتا ہے اور سوچتا ہے کہ آنے والی نسلوں کو ان سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ انسانیت کے سنہرے مستقبل کے خواب دیکھتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں خال خال ہوتے ہیں اور ہمیں ان کی عزّت کرنی چاہیے اور ان سے محبت کرنی چاہیے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ کبھی کبھی شراب پیتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک کے کتنے ذہین لوگ اس قسم کے عیبوں سے پاک ہوں گے۔ اس کی زندگی پر غور کرو۔ ہر طرف گندگی، غربت اور جہالت ان حالات میں ایک حسّاس آدمی کے لیے ذہنی توازن قائم رکھنا مشکل ہے۔ (سلیمہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) سلیمہ مجھے امید ہے کہ تم اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکو گی۔ (اٹھتی ہے) میری زندگی تو یوں ہی گزری جا رہی ہے۔ میں ایک بہت ہی معمولی اور غیر اہم ہستی ہوں۔ پڑھنے لکھنے موسیقی، رومانس۔ ہر چیز میں ایک معمولی عورت ثابت ہوئی۔ واقعی سلیمہ۔ میں بڑی بدنصیب ہوں (سلیمہ جو اپنے خیالات میں گم ہے، مسکراتی ہے) تم کیوں ہنس رہی ہو۔

سلیمہ: (اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے) آج میں کتنی خوش ہوں ۔ کتنی

دُردانہ: آج بہت دن بعد نہ جانے کیوں میرا دل ستار بجانے کو چاہ رہا ہے۔

سلیمہ: (اسے گلے لگاتے ہوئے) ہاں ہاں کوئی نرم اور پُر کیف دُھن چھیڑو۔

دُردانہ: ہاں ضرور۔ لیکن اپنے ابّا سے پوچھ لو۔ بیماری میں انھیں ستار کی آواز سے کوفت ہوتی ہے۔

سلیمہ: اچھا جاتی ہوں۔ (جاتی ہے)

دُردانہ: مدّت سے میں نے ستار نہیں بجایا۔ آج میں ستار بجاؤں گی۔ اور روؤں گی۔ ایک پاگل لڑکی کی طرح (باغ سے پہرے دار کے چلم صاف کرنے کی آواز آتی ہے۔ (دردانہ کھڑکی سے باہر دیکھتی ہے) کیا تم ہو وزیرا (پہرے دار کی آواز) جی ہاں بیگم صاحبہ۔

دُردانہ: کھٹکا نہ کرو۔ صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

پہرے دار: بس بیگم صاحب۔ اب میں جا ہی رہا ہوں۔ (کُتّے کو آواز دیتا ہے) موتی ۔۔ موتی۔ موتی ۔۔ چلو اب گھر چلتے ہیں۔

(وقفہ)

سلیمہ :۔(واپس آکر) ہم ستار نہیں بجا سکتے۔

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ

(گھر کا بڑا ڈرائنگ روم ــــــ دن کا وقت ہے)

(حبیب اور سلیمہ بیٹھے ہیں۔ دُردانہ اپنے خیالات میں گم کھڑکی کے پاس کھڑی ہے)

حبیب :۔ یون بجا ہے۔ ہمارے عظیم پروفیسر نے فرمایا تھا کہ ہم سب لوگ ایک بجے تک اس ہال میں جمع ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ کوئی معرکتہ الآرا اعلان کرنے والے ہیں۔

دُردانہ :۔ کسی کاروباری سلسلے میں بلایا ہوگا۔

حبیب :۔ اسے کاروبار سے کیا واسطہ۔ وہ تو صرف بکواس لکھتا ہے۔ قسمت کی شکایت کرتا ہے اور دوسروں سے حسد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کیا کام ہے۔

سلیمہ :۔ (تنبیہی انداز میں) ماموں جان۔

حبیب :۔ بہت اچھا معافی چاہتا ہوں (دردانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے) آپ سے پہلے آپ کا واحد شغل ہے بیکاری۔ یہ بھی خدا کی شان کا ایک کرشمہ ہیں۔

دُردانہ :۔ اور تم دن بھر صرف بھنبھناتے ہو۔ تھکتے بھی نہیں (قابلِ رحم آواز میں) خدایا میں زندگی سے بور ہو چکی ہوں۔ میں کیا کروں ؟

سلیمہ :۔ کام تو دنیا میں بہت ہیں اگر کوئی کرنا چاہے۔

دُردانہ :۔ مثلاً۔

سلیمہ :۔ مثلاً یہ کہ تم جاگیر کے انتظام میں ہاتھ بٹا سکتی ہو۔ بچوں کو پڑھا سکتی ہو۔ بیماروں کی دیکھ بھال کر سکتی ہو۔ میں اور حبیب ماموں گھر اور جائداد کا سب کام خود ہی کرتے ہیں۔

دُردانہ :۔ میں تو سمجھتی ہوں۔ صرف مثالی ناولوں کی ہیروئن ہی کسانوں کے بچوں کو پڑھاتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ زندگی میں تو میں نے یہ کہیں دیکھا نہیں اور پھر یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ میں یکایک کسانوں کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دوں۔

سلیمہ :۔ تم کر کے تو دیکھو، کچھ دن میں تم خود ہی عادی ہو جاؤ گی۔ (گلے لگاتی ہے) دیکھو تمہاری کاہلی دوسروں میں بھی سرایت کرتی جا رہی ہے (ہنستی ہے) حبیب ماموں کو دیکھو تمہارے آنے سے پہلے یہ دن رات کام کرتے تھے۔ اور اب صرف سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہتے ہیں ڈاکٹر سلمان بھی روزانہ یہاں آتے ہیں اور اپنے مریضوں اور جنگلات کی طرف سے لاپرواہی برت رہے ہیں۔

حبیب :۔ تم اُداس کیوں ہو جانِ من۔ تمہاری رگوں میں تو کسی جل پری کا خون گردش کر رہا ہے۔ تم کیوں کسی سمندری شہزادے سے عشق نہیں کرتیں۔ کیوں اپنی جرأت رندانہ سے ہم سب کو حیرت میں نہیں ڈال دیتیں۔

دُردانہ :۔ خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑو...... یہ باتیں ناقابلِ برداشت ہیں۔ (جانا چاہتی ہے)

حبیب :۔ (اس کا راستہ روکتے ہوئے) اچھا اچھا معاف کرو۔ میں صلح کا خواستگار ہوں۔

دُردانہ :۔ تمہاری باتیں تو فرشتوں کے لیے بھی صبر آزما ہوں گی۔

حبیب :۔ اس صلح کی خوشی میں میں تمہیں گلاب کے پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے صبح سے تمہارے لیے توڑ کر رکھے ہیں۔ خزاں کے پھول حسین اور اداس پھول .... (باہر جاتا ہے)

سلیمہ :۔ خزاں کے پھول، حسین اور اداس پھول! (دونوں کھڑکی سے باہر دیکھتی ہیں)

دُردانہ :۔ ابھی سے ہوا سائیں سائیں کر رہی ہے۔ فضا کتنی اداس ہے۔ یہاں جاڑے میں کیسے گزارا ہو گا۔ ...... ڈاکٹر کہاں ہے؟۔

سلیمہ :۔ حبیب ماموں کمرے میں کچھ لکھ رہے ہیں۔ اچھا ہوا ماموں چلے گئے میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

دُردانہ :۔ کس سلسلے میں۔

سلیمہ :۔ کس سلسلے میں۔ (اپنا سر دُردانہ کے کندھے پر رکھ دیتی ہے)

دُردانہ :۔ (اُس کے بالوں میں انگلی پھیرتے ہوئے) کہو سلیمہ کیا بات ہے۔

سلیمہ :۔ میں خوب صورت نہیں ہوں۔

دُردانہ :۔ نہیں تمہارے بال خوب صورت ہیں۔

سلیمہ :۔ (مڑ کر اپنی شکل آئینے میں دیکھتی ہے) ہاں جب کوئی عورت بدصورت ہوتی ہے تو لوگ یہی

کہتے ہیں تمہارے بال خوب صورت ہیں۔ تمہاری آنکھیں خوب صورت ہیں۔ میں ان سے پورے چھ سال سے محبت کرتی ہوں۔ تنہائی میں ان کا تصور میرے ساتھ رہتا ہے۔ میری آنکھیں ہر وقت دروازے پر لگی رہتی ہیں مجھے ہر لمحہ ان کا انتظار رہتا ہے اور وہ ہر روز یہاں آتے ہیں۔ لیکن وہ میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتے۔ سوچو مجھ پر کیا گزرتی ہوگی۔ میرے لیے زندگی میں کوئی امید نہیں۔ کوئی امید نہیں خدایا مجھے برداشت کی قوت دے .... میری خودداری پامال ہو چکی ہے۔ میں اکثر ان کے پاس جا کر بات کرنے لگتی ہوں۔ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہوں۔ مجھے اپنے جذبات پر قابو نہیں رہا۔ کل میں نے حبیب ماموں کے سامنے اپنی محبت کا اعتراف کر لیا۔ نوکروں تک کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں انھیں چاہتی ہوں۔

دُردانہ:۔ اور ڈاکٹر کو۔

سلیمہ:۔ انھیں تو میری موجودگی کا بھی احساس نہیں۔

دردانہ:۔ وہ عجیب آدمی ہیں۔ اچھا، میں نے ایک بات سوچی ہے...... میں اُن سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔ کسی مناسب طریقے سے۔ آخر کب تک تم اس طرح رہ سکتی ہو۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ (سلیمہ اقرار میں سر ہلاتی ہے) بس یہ ٹھیک ہے۔ تم گھبراؤ نہیں، میں انھیں معلوم نہیں ہونے دوں گی کہ میں تمہاری مرضی سے بات کر رہی ہوں۔ ہمیں تو بس یہ معلوم کرنا ہے کہ ڈاکٹر کے تمہارے لیے کیا جذبات ہیں اور اگر انھیں تم سے محبت نہیں تو پھر یہاں اُن کا آنا جانا ٹھیک نہیں..... ٹھیک ہے نا، شاید اس طرح تم آسانی سے برداشت کر سکو۔ دیکھو ان سے جا کر کہو کہ میں وہ چارٹ دیکھنا چاہتی ہوں، جو انھوں نے مجھے دکھانے کو کہا تھا۔

سلیمہ:۔ اچھا...... (جانے لگتی ہے) مگر نہیں اندھیرے ہی میں رہنا بہتر ہے۔ امید کا ایک تار تو باقی ہے...... کہیں وہ بھی نہ ٹوٹ جائے۔

دُردانہ:۔ کیا کہہ رہی ہو۔

سلیمہ:۔ کچھ نہیں۔ (چلی جاتی ہے)

دُردانہ:۔ (اکیلے میں) ڈاکٹر کو سلیمہ سے محبت نہیں، یہ بات تو بالکل صاف ہے۔ لیکن وہ اس سے شادی تو کر سکتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ سلیمہ خوب صورت نہیں ہے لیکن وہ ذہین ہے، ہمدرد ہے۔

اس کی محبت کتنی معصوم ہے۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے (وقفہ) میں اس کے جذبات کو خوب سمجھتی ہوں۔ اس غیر دلچسپ اور بے رنگ فضا میں جہاں لوگوں میں کوئی امنگ نہیں۔ زندگی کا کوئی سلیقہ نہیں۔ جب ڈاکٹر آتا ہے تو زندگی اور دلچسپی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ وہ سب لوگوں سے کتنا مختلف ہے۔ دلچسپ اور خوب صورت ــ میں خود شاید اسے پسند کرنے لگی ہوں۔ جب وہ کمرے میں نہیں ہوتا تو ہر چیز کچھ پھیکی پھیکی سی معلوم ہوتی ہے...... میں خوب جانتی ہوں کہ وہ روز یہاں کیوں آتا ہے۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ سلیمہ سے ہر بات کا اعتراف کرلوں اور رو رو کر اس سے معافی مانگوں۔

ڈاکٹر:۔ (آتے ہوئے) آپ میرے چارٹ دیکھنا چاہتی تھیں لیکن شاید آپ کو ان میں دلچسپی نہ آئے۔

دُردانہ:۔ نہیں ضرور آئے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں کبھی دیہات میں نہیں رہی لیکن میں نے گاؤں اور جنگلات کے متعلق کافی کتابیں پڑھی ہیں۔

ڈاکٹر:۔ (چارٹ کھولتے ہوئے) یہ میرے لیے فرصت کا مشغلہ بھی ہے اور روزمرہ کی بے کیف زندگی سے فرار بھی...... اب یہ دیکھیے یہ ہمارے ضلع کا نقشہ ہے جیسا کہ وہ پچاس سال پہلے تھا۔ جہاں جنگل تھے وہاں میں نے گہرا سبز رنگ بھرا ہے۔ یہ جو آپ سُرخ رنگ کا جال سا دیکھ رہی ہیں یہاں شکار کثرت سے ملتا تھا۔ اس جھیل میں بطخیں اور راج ہنس وغیرہ رہتے تھے۔ اس حصے میں ہر قسم کی چڑیاں پائی جاتی تھیں اور یہ ۲۵ سال ادھر کا نقشہ ہے۔ کافی درخت کٹ چکے ہیں۔ شکار کم ہو گیا ہے اور چڑیاں بہت کم ہو گئی ہیں۔ اور یہ ضلع کا موجودہ نقشہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ ان جنگلات کے کٹنے سے صنعتی ترقی ہوئی ہو اور غریبی اور بے روزگاری میں کمی ہوئی ہو۔ نہیں۔ اس کی وجہ صرف لوگوں کی جہالت اور بے حسی ہے۔ فطرت کا اتنا حُسن برباد ہو چکا ہے لیکن اس کی جگہ کسی قابلِ قدر چیز کی تخلیق نہیں کی گئی۔

دُردانہ:۔ معاف کیجیے۔ میں ان مسائل کو ذرا کم ہی سمجھتی ہوں۔

سلمان:۔ جی نہیں۔ اس میں سمجھنے کی بات نہیں۔ اصل میں آپ دلچسپی ہی نہیں لے رہی ہیں۔

دُردانہ:۔ اصل بات یہ ہے کہ میرا دماغ کسی اور الجھن میں پھنسا ہوا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔

سلمان:۔ مجھ سے۔

دُردانہ:۔ جی ہاں! آپ سے۔ اگر آپ وعدہ کریں کہ یہ بات کسی اور کو نہیں بتائیں گے۔

سلمان:۔ میں وعدہ کرتا ہوں لیکن بات کیا ہے۔

دُردانہ:۔ اس بات کا تعلق سلیمہ سے ہے۔ کیا آپ اُسے پسند کرتے ہیں۔

سلمان:۔ میں اس کی عزت کرتا ہوں۔

دُردانہ:۔ کیا آپ اسے ایک عورت کی حیثیت سے پسند کرتے ہیں۔

سلمان:۔ (ایک مختصر وقفہ کے بعد) نہیں۔

دُردانہ:۔ لیکن کیا آپ نے یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ وہ آپ کو کتنا چاہتی ہے۔ اور اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ خدا کے لیے یہ بات سمجھنے کی کوشش کیجیے اور یہاں آنا جانا بند کر دیجیے۔

سلمان:۔ میرا وقت گزر چکا ہے۔ (اٹھتے ہوئے) اچھا اب آپ سے کب ملاقات ....

دُردانہ:۔ (نظر انداز کرتے ہوئے) خدا کے لیے ان باتوں کا کسی سے ذکر نہ کیجیے گا۔ شاید مجھے خود یہ بات نہ کرنا چاہیے تھی...... میرا دل دھڑک رہا ہے۔

سلمان:۔ صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں...... آخر تم نے مجھ سے یہ سوال کیوں کیا (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) واقعی تم بہت ہوشیار ہو۔

دُردانہ:۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

سلمان:۔ تم خوب سمجھتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں ایک مہینے سے اپنا ہر کام چھوڑ کر صرف تمہیں دیکھنے کے لیے روز یہاں آتا ہوں۔ اور تم اس بات سے اپنے دل میں خوش ہو۔ اے حسین شکاری چڑیا تیرا شکار پھنس چکا ہے۔ اب کس بات کا انتظار ہے۔

دُردانہ:۔ آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔

سلمان:۔ شرماتی کیوں ہو (دُردانہ باہر جانا چاہتی ہے سلمان اس کا راستہ روک لیتا ہے) ہاں جلدی بتاؤ کب اور کہاں تم سے ملاقات ہوگی...... اس حسن کی تاب کون لاسکتا ہے۔ (اپنا ہاتھ اس کی کمر میں حائل کرتا ہے اور اسے قریب لا کر بوسہ لینا چاہتا ہے۔ دُردانہ مدافعت نہیں کرتی۔)

(حبیب گلاب کے پھولوں کا گلدستہ لیے داخل ہوتا ہے)

دُردانہ :۔ (حبیب کو دیکھ کر الگ ہوتے ہوئے) مجھے جانے دو۔

سلمان :۔ کل شام محکمۂ جنگلات میں مَیں تمہارا انتظار کروں گا۔ (حبیب پر نظر پڑتی ہے)

(حبیب گلاب کا گلدستہ ایک کرسی پر رکھ دیتا ہے۔ رومال سے منھ اور گردن پوچھتا ہے۔)

حبیب :۔ کوئی بات نہیں..... کوئی بات نہیں۔

سلمان :۔ (بہادری اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے) آج موسم بہتر ہے۔ کل تک ہوا بہت تیز تھی۔ پچھلے سال اس سے زیادہ سخت جاڑا پڑا تھا۔ اس سال فصل بھی بہتر ہوئی ہے۔ ہاں آج کل دن بہت چھوٹے ہوگئے ہیں۔ کام پورا نہیں ہوتا.... (جاتا ہے)

دُردانہ :۔ (تیزی سے حبیب کی طرف آتی ہے) ہمیں آج ہی یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ آپ بھی اس بات کی کوشش کیجیے۔

حبیب :۔ (اپنا چہرہ پوچھتا ہے) کیا...... اچھا...... بہت اچھا۔

(پروفیسر کلیم، سلیمہ، کلین اور محمد شریف داخل ہوتے ہیں)

پروفیسر :۔ اور لوگ کہاں ہیں۔ مجھے اس گھر سے نفرت ہے۔ میں پچیس چھوٹے بڑے کمروں کا ایک گورکھ دھندا ہے جہاں کسی کو ڈھونڈ نکالنا تقریباً ناممکن ہے فخر النساء بیگم اور دُردانہ کو بلاؤ۔

دُردانہ :۔ میں یہاں ہوں۔

سلیمہ :۔ (دُردانہ کے قریب جاتے ہوئے) اُس نے تم سے کیا کہا (غور سے دیکھتے ہوئے) مگر یہ تمہارا کیا حال ہے۔ تم کانپ رہی ہو....... میں سمجھ گئی۔ اس نے تمہیں صاف صاف بتا دیا۔ اس نے وعدہ کرلیا کہ اب یہاں نہیں آئے گا۔ (دُردانہ سر ہلاتی ہے)

پروفیسر :۔ میں اپنی بیماری برداشت کرسکتا ہوں۔ لیکن قصبے کی یہ زندگی ناقابلِ برداشت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے زمین سے اٹھا کر کسی غیر آباد سیارے میں پھینک دیا گیا ہے..... اچھا بھئی تم سب لوگ بیٹھ جاؤ۔ سلیمہ ادھر آؤ۔ (سلیمہ نہیں سنتی) اب میری لڑکی بھی میری بات نہیں سنتی (کلین سے) لو تم بھی بیٹھ جاؤ (کلین ایک پیڑھی پر بیٹھتی ہے)

حبیب :۔ (پریشان ہے) میرے خیال میں میری موجودگی ضروری نہیں۔ کیا میں جا سکتا ہوں۔

پروفیسر:۔ نہیں تمہاری موجودگی سب سے زیادہ ضروری ہے۔

حبیب:۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔

پروفیسر:۔ کیا چاہتا ہوں ـــ تم کچھ خفا معلوم ہوتے ہو۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف کرو۔

حبیب:۔ اس تکلّف کی ضرورت آپ کو کیوں پیش آئی..... مہربانی سے کام کی بات شروع کیجیے۔

(فخرالنساء بیگم داخل ہوتی ہیں)

پروفیسر:۔ اب میں شروع کر سکتا ہوں۔ (ڈرامائی انداز میں) خواتین و حضرات! میں نے آپ سب کو اس لیے یہاں جمع کیا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت جلد قیامت آنے والی ہے۔ (اس مذاق کی کوئی داد نہیں دیتا) خیر مذاق برطرف، میں نے اس لیے آپ لوگوں کو یہاں بلایا ہے کہ میں ایک اہم مسئلے میں آپ سے رائے لینا چاہتا ہوں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ میں ایک علمی آدمی ہوں ـــ میری تمام زندگی پڑھنے لکھنے کی نذر ہوئی۔ عملی زندگی سے مجھے زیادہ سروکار نہیں رہا۔ اس لیے اس میدان میں میرا تجربہ محدود ہے اور مجھے ان لوگوں کے مشورے کی ضرورت ہے، جو اس زندگی کا زیادہ تجربہ رکھتے ہیں۔ والدہ صاحبہ آپ، حبیب میاں اور محمد شریف مجھے اس سلسلے میں مفید مشورہ دے سکتے ہیں۔ میں ایک ضعیف اور بیمار آدمی ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری جائداد کا مسئلہ جلد سے جلد طے ہو جائے۔ مجھے اپنی فکر نہیں، کیوں کہ میری تو اب چند دنوں کی زندگی باقی ہے۔ لیکن اپنے خاندان کی بہبودی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مجھے کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ مثلاً میری بیوی اور بیٹی (وقفہ) میں اس قصبے میں اب اور زیادہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن دوسری طرف جاگیر کی آمدنی سے شہر کی رہائش کے اخراجات پورے ہونا ناممکن ہے۔ اگر جائداد کا کوئی حصّہ بیچ دیا جائے تو کچھ دن کام چل سکتا ہے۔ مگر دو ڈھائی سال بعد پھر وہی سوال پیدا ہوگا۔ اس لیے ہمیں کوئی ایسا حل نکالنا ہے، جو مستقل ہو۔ میرے ذہن میں ایک ایسی تجویز ہے، جو میں آپ لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں...... اب میری جائداد کو لیجیے اس سے مجھے تقریباً ۲۲۰۰۰ روپے سالانہ کی آمدنی ہے، جب کہ اس وقت اس جاگیر کی قیمت ۱۲ لاکھ سے اوپر ہے۔ اب اگر اسے بیچ کر اس روپے سے کسی اچھی کمپنی میں حصّے خرید لیے جائیں تو اس سے آسانی سے اتنی آمدنی ہو سکتی ہے جس سے شہر کی رہائش کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ حصّے خریدنے

کے بعد بھی اتنا روپیہ بچ سکتا ہے جس سے دہلی میں ایک معقول کوٹھی خریدی جا سکے۔

حبیب :۔ ایک منٹ ٹھہریے میں نے شاید ٹھیک نہیں سُنا۔ ذرا دُہرا دیجیے۔

پروفیسر :۔ میں نے کہا کمپنی میں حصے خریدنے کے بعد بھی اتنا روپیہ بچ سکتا ہے جس سے دہلی میں ایک کوٹھی خریدی جا سکے۔

حبیب :۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے کچھ کہا تھا۔

پروفیسر :۔ میں نے کہا کہ ہمارے لیے یہ بات زیادہ مناسب ہوگی کہ یہ جائداد بیچ دی جائے۔

حبیب :۔ بجا فرمایا۔ بہت خوب۔ بہت خوب۔ لیکن آپ نے یہ بھی سوچا کہ میں اپنی ضعیف ماں اور سلیمہ کو لے کر کہاں جاؤں گا۔

پروفیسر :۔ ہاں۔ ہاں۔ آپ صبر تو کیجیے۔ اس مسئلے پر بھی غور کیا جائے گا۔

حبیب :۔ معاف کیجیے — میرے لیے یہ ایک بالکل نیا انکشاف ہے کہ یہ جائداد آپ کی ہے۔ میں اسے اب تک سلیمہ کی ملکیت سمجھتا رہا۔ کیوں کہ یہ میرے والد نے میری بہن کی شادی کے موقع پر جہیز میں دی تھی — یہ شاید میری بے وقوفی تھی کہ میں نے اسے سلیمہ کا حق سمجھا۔ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مالک و مختار آپ ہیں۔

پروفیسر :۔ ہاں ہاں جاگیر سلیمہ ہی کی ہے، اس سے کس کو انکار ہے۔ سلیمہ کی اجازت ہی سے یہ قدم اٹھایا جائے گا۔ اور یہ بات بھی میں سلیمہ ہی کے مفاد کو ذہن میں رکھ کر کہہ رہا ہوں۔

حبیب :۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا، یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں یا پھر.....

فخر النساء :۔ (تنبیہی لہجہ میں) حبیب کلیم کی بات مت کاٹو۔ وہ ان مسائل کو خوب سمجھتے ہیں اور وہ جو قدم اٹھائیں گے وہ ہماری بھلائی ہی کے لیے ہوگا۔

حبیب :۔ مجھے ذرا سا پانی دو (پانی پیتا ہے) اچھا اچھا آپ لوگوں کا جو دل چاہے کیجیے۔ اب میں کچھ نہیں بولوں گا۔

پروفیسر :۔ میں اپنی رائے دے رہا ہوں۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔

محمد شریف :۔ جناب والا مجھے عالموں سے ہمیشہ گہری عقیدت رہی ہے۔ علم سے ہمارا خاندانی تعلق بہت گہرا ہے۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ میرے بڑے بھائی کی بیوی کا بھائی شفیق احمد ایم۔ اے پاس تھا۔

حبیب :۔ یہ فضول باتیں اس وقت رہنے دیجیے۔ ہم کاروباری باتیں کر رہے ہیں۔ ہاں آپ انہیں سے پوچھیے۔ ان کے چچا ہی کے ذریعہ یہ جائداد خریدی گئی تھی۔

پروفیسر :۔ میں ان سے کیوں پوچھوں۔ میں خود سب کچھ جانتا ہوں۔

حبیب :۔ یہ جائداد ...... اسّی ہزار روپے میں خریدی گئی تھی جس میں سے صرف پچاس ہزار روپے کی ادائیگی ہوئی تھی اور باقی روپیہ میں نے دن رات کام کر کے قسط وار ادا کیا ہے۔ دوسرے میرے والد کے لیے اس جائداد کا خریدنا ناممکن ہوتا اگر میں اپنی پیاری بہن کی خاطر اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا۔

پروفیسر :۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ بحث شروع کی۔

حبیب :۔ یہ میری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس وقت جائداد کا قرضہ اتر چکا ہے۔ اور وہ آج اچھی حالت میں ہے اور اب جب کہ میں بوڑھا ہو رہا ہوں، مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینکا جا رہا ہے۔

پروفیسر :۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم یہ باتیں کیوں کر رہے ہو۔؟

حبیب :۔ بیس سال سے میں اس جاگیر کا انتظام کرتا رہا ہوں۔ اور میں زیادہ سے زیادہ روپیہ وصول کر کے بھیجتا رہا ہوں۔ لیکن اس عرصے میں تم نے ایک مرتبہ بھی شکر گزاری کا اظہار نہیں کیا۔ جب سے میں نے یہ کام شروع کیا تم مجھے ۸۰۰ روپے سالانہ معاوضہ دیتے رہے ہو اور تم نے اس وقت تک اس میں ایک پیسے کا اضافہ نہیں کیا۔

پروفیسر :۔ اگر تم معاوضہ بڑھوانا چاہتے تھے تو تمہیں مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ تم جانتے ہو، مجھے ان کاروباری باتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ تم خود اپنا معاوضہ بڑھا سکتے تھے۔

حبیب :۔ بجا فرمایا۔ میں نے بے ایمانی نہیں کی، دھوکہ نہیں دیا۔ اس لیے میں بے وقوف ہوں، گدھا ہوں۔

فخر النساء :۔ (سختی سے) حبیب۔

محمد شریف :۔ حبیب میاں نہیں، ایسا مت کہو۔ تم کیوں اپنا دل میلا کرتے ہو۔

حبیب :۔ پچیس سال سے میں اپنی ماں کے ساتھ اس چار دیواری میں قید ہوں۔ ہمارے جذبات اور خیالات ہمیشہ تمہارے گرد گھومتے رہتے تھے۔ ہمارے دل میں تمہاری کتنی قدر اور محبت

تھی۔ ہم نے اپنی کتنی ہی شامیں تمہاری ان کتابوں اور مضامین کے پڑھنے میں ضائع کیں۔
جن کی طرف اب میں دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

پروفیسر:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تم چاہتے کیا ہو۔

حبیب:۔ ہمارے لیے تم ایک غیر معمولی ہستی تھے اور تمہاری تصانیف ادب اور فلسفے کی دنیا میں حرفِ آخر۔ لیکن اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں اور میں دیکھ سکتا ہوں کہ تمام عمر تم ان مسائل پر لکھتے رہے ہو جنھیں تم خود بالکل نہیں سمجھتے۔ تمہاری تمام کتابیں ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہیں۔ تم ہمیں دھوکہ دیتے رہے۔

پروفیسر:۔ اس شخص کو خاموش کرو میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ (اٹھتا ہے)

حبیب:۔ میں خاموش نہیں رہوں گا۔ (پروفیسر کا راستہ روکتے ہوئے) ٹھہرو میں نے ابھی اپنی بات پوری نہیں کی ہے۔ تم نے میری زندگی تباہ کی ہے۔ میں نے زندگی کا کوئی لطف نہیں اٹھایا۔ کوئی حق ادا نہیں کیا۔ میں نے اپنی عمر کے بہترین سال تمہارے لیے تباہ کر دیے تم میرے بدترین دشمن ہو۔

محمد شریف:۔ ارے بھئی یہ کیا ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔

پروفیسر:۔ (غصّے سے) تمہیں مجھ سے اس طرح بات کرنے کا کیا حق ہے۔ اگر جاگیر تمہاری ہے تو اسے لے لو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں ایسے بدتمیز اور گمنام آدمی سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔

دُردانہ:۔ اُف میں پاگل ہو جاؤں گی۔ میں اب اس دوزخ میں نہیں ٹھہر سکتی۔

حبیب:۔ میری زندگی برباد ہو چکی ہے۔ میں ذہین تھا مجھ میں بہت سی صلاحیتیں تھیں۔ اگر میں نے اچھی زندگی گزاری ہوتی تو شاید میں بھی کوئی غالب یا اقبال یا ٹیگور ہوتا..... اوہ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں کیسی باتیں کر رہا ہوں........ اماں......... اماں..... میرا سر چکرا رہا ہے۔ میں شاید پاگل ہو گیا ہوں۔ اُف میں کیا کروں۔

فخر النساء:۔ تمہیں کلیم کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔

سلیمہ:۔ (جو کانپ رہی ہے۔ دوزانو ہو جاتی ہے اور حکیمن کے گھٹنوں پر سر رکھ دیتی ہے) نانی بوا..... نانی بوا۔

حبیب :۔ اماں میں کیا کروں...... اچھا مجھے معلوم ہوگیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ (پروفیسر سے) تم بھی یاد کروگے۔ (درمیانی دروازے سے باہر جاتا ہے فخر النسا بیگم بھی اس کے بعد باہر جاتی ہیں)

پروفیسر :۔ یہ شخص اپنے کو سمجھتا کیا ہے..... پاگل انسان۔ میں اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہ سکتا۔ یا تو اسے گاؤں یا کم سے کم ٹ گرد بیٹہ میں بھیجو نہیں تو میں یہاں سے جاتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ ایک منٹ نہیں رہ سکتا۔

دُردانہ :۔ ہم آج ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہمیں فوراً تیاری شروع کردینی چاہیے۔

پروفیسر :۔ یہ حقیر اور گمنام انسان۔

سلیمہ :۔ (حکیمن کے زانو سے سر اٹھا کر پروفیسر کی طرف دیکھتی ہے۔ آنسو بھری آواز میں) ابا جان ہم پر رحم کیجیے۔ میں اور حبیب ماموں بہت دکھی ہیں۔ انھیں سمجھنے کی کوشش کیجیے اور ان پر رحم کیجیے...... (جذبات کی شدّت کو روکتے ہوئے) یاد تو کیجیے۔ حبیب ماموں اور نانی اماں نے آپ کی کتنی خدمت کی ہے۔ یہ دونوں کتنی ہی راتیں آپ کے کاغذات نقل کرنے اور آپ کی نئی کتابوں کا ترجمہ کرنے میں گزار دیتے تھے۔ انھوں نے کتنی ہی راتیں اس طرح گزاری ہیں..... کتنی ہی راتیں....... میں اور حبیب ماموں دن رات کام کرتے رہے ہیں۔ ہم اپنے اوپر ایک پیسہ بھی خرچ کرتے ہوئے ڈرتے رہتے کہ کہیں آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ ہم کسی پر بار نہیں رہے ہم نے اپنے خون پسینے کی روٹی کھائی ہے...... یہ میں کیا کہہ رہی ہوں ــ پتہ نہیں میں کیا کہنا چاہتی تھی۔ ابا جان آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ خدا کے لیے ہم لوگوں پر رحم کیجیے۔

دُردانہ :۔ (اپنے شوہر سے پریشانی سے) کلیم صاحب خدا کے لیے حبیب سے صلح کی کوشش کیجیے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔

پروفیسر :۔ اچھا میں اس سے بات چیت کروں گا۔ میں اسے کوئی الزام نہیں دے رہا لیکن اس کا یہ رویہ عجیب و غریب ہے...... اچھا میں جاتا ہوں۔

(درمیانی دروازے سے باہر جاتا ہے)

دُردانہ :۔ ذرا نرمی سے پیش آیئے گا اور انھیں اطمینان دلانے کی کوشش کیجیے گا۔

سلیمہ :(کلیمن کی گود میں سر رکھتے ہوئے) نانی بوا...... نانی

کلیمن :۔ میری بچی تو کیوں پریشان ہوتی ہے۔ یہ لوگ چیخ چلّا کر خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے او چلے جائیں گے۔

سلیمہ :۔ نانی........

حکیمن :۔ ارے تم کانپ رہی ہو میری مظلوم بچی۔ خدا بڑا رحیم و کریم ہے۔ میں ابھی تمہارے لیئے چائے بناتی ہوں۔ میری بچی تو کیوں پریشان ہوتی ہے۔

(اسٹیج کے باہر سے پستول کی آواز آتی ہے اور چیخنے کی بھی آواز ساتھ ساتھ آتی ہے۔ سلیمہ اچھل پڑتی ہے)۔ (پروفیسر پریشان حال دوڑتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔)

دُردانہ اور حبیب دروازے کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ دُردانہ حبیب سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہی ہے۔

دُردانہ :۔ یہ مجھے دیدو، یہ مجھے دیدو۔ خدا کے لیے۔

حبیب :۔ مجھے چھوڑو۔ جانے دو (اپنے کو اس سے چھڑا کر کمرے میں داخل ہوتا ہے) وہ کہاں ہے (پروفیسر کو دیکھتا ہے) اچھا یہ ہے (فائر کرتا ہے) افسوس یہ وار بھی خالی گیا لعنت ہے۔ (ریوالور پھینک دیتا ہے) اور ایک کرسی پر گر پڑتا ہے۔ پروفیسر گم سم چاروں طرف دیکھتا ہے۔ دُردانہ دیوار کا سہارا لیتی ہے۔

دُردانہ :۔ مجھے یہاں سے لے جاؤ۔ میں ایک منٹ یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔

سلیمہ :۔ (آہستہ سے) نانی ــ پیاری نانی۔

(پردہ گرتا ہے)

چوتھا ایکٹ

(حبیب کا کمرہ۔ فرنیچر بہت معمولی۔ پلنگ میز کرسی ایک ادھ مونڈھا۔ محمد شریف اور حکیمن ایک طرف کام میں مصروف ہیں۔)

محمد شریف :۔ حکیمن بوا جلدی کرو۔ وہ لوگ روانہ ہونے والے ہیں۔

حکیمن :۔ کچھ پتہ چلا وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔

محمد شریف :۔ ہاں وہ لوگ لکھنؤ جا رہے ہیں۔ وہیں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ ہے۔

حکیمن :۔ چلو ٹھیک ہے۔ دوپہر کے ہنگامے سے میرے تو اوسان خطا ہو گئے۔

محمد شریف :۔ شکر ہے بات گھر سے باہر نہیں نکلی ورنہ بڑی جگ ہنسائی ہوتی۔

حکیمن :۔ کل سے تم، میں، حبیب میاں، سلیمہ سب اپنے اپنے کام میں لگ جائیں گے اور ہماری وہی پرانی زندگی شروع ہو گی۔ صبح چھ بجے چائے پھر کام۔ بارہ بجے کھانا۔ کھانے کے بعد پھر کام ...... سلیمہ کہاں ہے۔

محمد شریف :۔ وہ اور ڈاکٹر صاحب ہر جگہ حبیب میاں کو تلاش کر رہے ہیں۔ انھیں ڈر ہے کہ رنج اور غصّے میں وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھیں۔

حکیمن :۔ (گھبرا کر) حبیب میاں کی بندوق کہاں ہے۔

شریف :۔ اطمینان رکھو وہ تو میں نے تہ خانے میں چھپا دی ہے۔

حکیمن :۔ اللہ تیرا شکر ہے۔

(حبیب اور ڈاکٹر باغ کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں)

حبیب :۔ خدا کے لیے تم سب لوگ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ میں یہ نگرانی برداشت نہیں کر سکتا۔

(حکیمن اور شریف کام سمیٹ کر خاموشی سے جاتے ہیں)

حبیب :۔ (سلمان سے) اب تم بھی مجھ پر رحم کرو اور چلے جاؤ۔

سلمان :۔ بڑی خوشی سے۔ لیکن آپ نے میری جو چیز لی ہے وہ مہربانی سے واپس کر دیجیے۔

حبیب :۔ میں نے تمہاری کوئی چیز نہیں لی۔

سلمان :۔ انجان نہ بنو اور میری چیز فوراً دے دو۔

حبیب :۔ میرے پاس تمہاری کوئی چیز نہیں۔

سلمان :۔ اچھی طرح سوچ لو ــــ ورنہ پھر مجبوراً ہمیں تمہاری تلاشی لینی پڑے گی۔

(دونوں بیٹھتے ہیں۔ وقفہ)

حبیب :۔ میں اپنی کل کی حماقت کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ دو بار میرا نشانہ خطا ہوا۔ میں دنیا میں کسی کام کے قابل نہیں۔

سلمان:۔ اگر تمہیں نشانہ بازی کا شوق ہے تو جنگل میں جا کر شکار کیوں نہیں کھیلتے۔

حبیب:۔ (نظر انداز کرتے ہوئے) عجیب بات ہے۔ میں نے ایک آدمی کو جان سے مارنے کی کوشش کی ہے لیکن کسی نے مجھے گرفتار نہیں کرایا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم سب مجھے پاگل سمجھتے ہو۔ ہاں میں پاگل ہوں لیکن جو لوگ اپنی بیوقوفی، جہالت اور سخت دلی کو علمیت کے پردے میں چھپاتے ہیں اور پروفیسری کا ڈھونگ رچاتے ہیں، پاگل نہیں۔ وہ عورتیں جو بڈھوں سے شادی کرتی ہیں اور پھر ساری دنیا کے سامنے ان سے بے وفائی کرتی ہیں۔ پاگل نہیں...
(سلمان سے) کل میں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

سلمان:۔ مجھے اس سے انکار نہیں۔ تم جلتے ہو تو جلتے رہو۔

حبیب:۔ (اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے) مجھے شرمندگی کا شدید احساس ہے۔ میں کسی کو اپنی صورت نہیں دکھا سکتا۔ میں کیا کروں۔ بتاؤ میں اب کیا کروں۔

سلمان: جہنّم میں جاؤ۔

حبیب:۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ۔ میں ۴۷ سال کا ہوں اور اگر میں ۶۰ سال کی عمر تک زندہ رہا تو ابھی زندگی کے تیرہ سال اور باقی ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ یہ تیرہ سال کیسے گزریں گے۔ ان تیرہ سالوں کا ایک ایک دن میرے لیے کٹھن ہو گا۔ (سلمان کا ہاتھ اضطراری طور پر دباتا ہے) ہم ایک نئی زندگی کیوں نہیں شروع کر سکتے۔ ہمارا ماضی کیوں ہر جگہ ہمارا پیچھا کرتا ہے۔

سلمان:۔ (طنز سے) نئی زندگی! بھائی صاحب اب خواب دیکھنا بند کرو۔ ہمارا کوئی مستقبل نہیں۔ سنتے ہو، میرا اور تمہارا کوئی مستقبل نہیں۔

حبیب:۔ خدا کے لیے مجھے کچھ دو۔ (اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میرے یہاں ایک آگ دہک رہی ہے۔

سلمان:۔ (غصّے سے) بکواس بند کرو۔ (نرم پڑتے ہوئے) جو لوگ ہم سے سو سال بعد اس دنیا میں آئیں گے وہ شاید اس زندگی میں خوشی کی کوئی راہ ڈھونڈ لیں۔ ہم لوگوں کو تو شاید مر کر ہی چین ملے۔ (آہ بھرتے ہوئے) ہاں میرے بھائی اس قصبے میں دو ہی معقول اور مہذب انسان تھے، تم اور میں۔ لیکن دس سال کی اس قابلِ نفرت زندگی نے ہمیں تباہ کر دیا۔ اب ہم بھی اوروں

کی طرح ہیں (کچھ سوچ کر تیزی سے) لیکن مجھے باتوں میں نہ اڑاؤ۔ میری چیز واپس کر دو۔

حبیب :۔ میں نے تمہاری کوئی چیز نہیں لی۔

سلمان :۔ تم نے میرے دواؤں کے تھیلے سے مارفیا کی ایک شیشی نکالی ہے۔ وہ مجھے فوراً واپس کر دو (وقفہ) اگر تم مرنا چاہتے ہو تو جنگل میں جاکر اپنے کو شوٹ کر لو مجھے کیوں پھنساتے ہو۔ تمہارا پوسٹ مارٹم کرنا ہی کیا کم ہوگا کہ لوگوں کے شک کا مرکز بھی بنوں۔

(سلیمہ داخل ہوتی ہے)

حبیب :۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔

سلمان :۔ سلیمہ تمہارے ماموں نے میرے تھیلے سے مارفیا کی ایک شیشی نکال لی ہے اور اب انکار کر رہے ہیں...... ان سے کہو...... ان سے کہو یہ کوئی اچھا مذاق نہیں۔ اب میرے پاس وقت بھی نہیں۔ مجھے فوراً چلا جانا چاہیے۔

سلیمہ :۔ ماموں جان کیا یہ ٹھیک ہے۔

سلمان :۔ مجھے یقین ہے کہ وہ انھیں کے پاس ہے۔

سلیمہ :۔ واپس کر دیجیے۔ کیوں ہمیں پریشان کرتے ہیں۔ واپس کر دیجیے حبیب ماموں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں...... میں بھی آپ ہی کی طرح دکھی ہوں۔ لیکن میں نے اب تک سب کچھ برداشت کیا ہے اور کرتی رہوں گی۔ آپ کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔ (وقفہ) (اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) میرے پیارے ماموں واپس دے دیجیے (روتی ہے) مجھے معلوم ہے آپ ہمیں کتنا چاہتے ہیں۔ اور ہمیں کوئی دکھ نہیں دے سکتے۔ مجھے یقین ہے آپ ضرور واپس کر دیں گے۔ ماموں جان آپ کو برداشت کرنا ہی ہوگا۔

حبیب :۔ (اپنے ڈسک سے ایک شیشی نکال کر سلمان کو دیتا ہے) لو۔ (سلیمہ سے) ہمیں اب اپنے کام میں لگ جانا چاہیے۔ ان تلخیوں کو بھولنے کا شاید یہی طریقہ ہو۔

سلیمہ :۔ ہاں ضرور ان لوگوں کو رخصت کرتے ہیں۔

سلمان :۔ اچھا اب مجھے جانا چاہیے۔

سلیمہ :۔ حبیب ماموں ابا جان آرہے ہیں۔ ان لوگوں کے جانے سے پہلے آپ کو ان سے صلح کر لینی چاہیے۔

(پروفیسر، دُردانہ، فخرالنساء بیگم (اُن کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے) اور محمد شریف داخل ہوتے ہیں)

(حبیب، پروفیسر اور سلیمہ اسٹیج کے پچھلے حصّے میں آپس میں بات چیت کرتے ہیں)

پروفیسر: (سامنے آتے ہوئے) اب پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔ میں نے تو پچھلے چند گھنٹوں میں اتنا سوچا اور محسوس کیا ہے کہ اب میں اس مسئلے پر ایک کتاب لکھ سکتا ہوں کہ زندگی کس طرح گزارنی چاہیے...... مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ امید ہے کہ تم بھی مجھے معاف کر دوگے۔

(دونوں گلے ملتے ہیں)

حبیب: آپ کو سالانہ اتنی ہی رقم ملتی رہے گی جتنی پہلے ملتی تھی۔ سب معاملات پہلے ہی کی طرح طے ہوتے رہیں گے۔

(پروفیسر فخرالنساء بیگم کو سلام کر کے رخصت چاہتا ہے)

فخرالنساء بیگم: کلیم لکھنؤ جا کر اپنی نئی تصویر کی کاپی ضرور بھیج دینا۔

محمد شریف: خدا حافظ پروفیسر صاحب، وہاں جا کر ہم غریبوں کو نہ بھول جائیے گا۔

پروفیسر: (بیٹی کو گلے لگاتا ہے) خدا حافظ (ڈاکٹر سے ہاتھ ملاتا ہے) تم سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں تمہارے خیالات اور مقاصد کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن ایک مُعمّر انسان کی حیثیت سے مجھے یہ کہنے کی اجازت دو کہ اب تمہیں واقعی کچھ کام کرنا چاہیے۔ کوئی اہم کام..... اچھا خدا حافظ، امید ہے کہ آپ سب اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کریں گے (باہر جاتا ہے۔ سلیمہ اور فخرالنساء بھی جاتی ہیں۔)

حبیب: (دُردانہ سے) خدا حافظ، اب ہم ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملیں گے۔

دُردانہ: (متأثر ہے) خدا حافظ حبیب (ڈاکٹر کی طرف جاتی ہے)

ڈاکٹر: کیا واقعی تمہارا جانا نہیں ٹل سکتا۔

دُردانہ: نہیں، جو کچھ کل ہوا اُسے بھول جائیے (باہر جاتی ہے)

ڈاکٹر: اب مجھے بھی جانا چاہیے۔ حبیب بھائی تم ان لوگوں کو رُخصت کرنے باہر نہیں جاؤ گے۔

حبیب: نہیں بھئی مجھے معاف کرو، میرا دل بہت اداس ہے اب تو شاید کام ہی میں سکون مل سکے۔

(وقفہ۔ گھوڑا گاڑی کے جانے کی آواز آتی ہے)

سلمان :۔ معلوم ہوتا ہے وہ لوگ روانہ ہوگئے۔ اب پروفیسر یقیناً یہاں کبھی نہیں آئے گا۔
حکیمن :۔ (اندر آتے ہوئے) وہ لوگ رخصت ہوگئے۔
سلیمہ :۔ (داخل ہوتے ہوئے) وہ لوگ چلے گئے۔ حبیب ماموں اب ہمیں کچھ کام شروع کرنا چاہیے۔
حبیب :۔ ہاں کام ـــ مسلسل کام۔
فخر النساء بیگم :۔ (آہستہ آہستہ داخل ہوتے ہوئے) چلے گئے (بیٹھ جاتی ہے اور پڑھنے میں غرق ہو جاتی ہے)
(سلیمہ اور حبیب میز کے گرد کام میں معروف ہو جاتے ہیں۔ سلیمہ کچھ بل وغیرہ دیتی ہے۔ حبیب رجسٹر میں نوٹ کرتا ہے)
سلمان :۔ کتنا سکون ہے، کس قدر خاموشی ہے۔ قلم چلنے کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ اس پُرسکون فضا کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ (دروازے پر گاڑی آنے کی آواز) تانگہ تیار ہو گیا ہے۔ اب مجھے جانا ہی ہوگا۔
(ایک مزدور اندر آتا ہے سلمان اسے اپنا تھیلا اور چارٹ وغیرہ پکڑاتا ہے مزدور باہر جاتا ہے۔)
سلمان :۔ اچھا خدا حافظ۔
سلیمہ :۔ اب آپ سے کب ملاقات ہوگی۔
سلمان :۔ شاید اگلی گرمی سے پہلے ممکن نہ ہو۔ البتہ اگر میری ضرورت ہو تو اطلاع دے دینا (حکیمن کی طرف جاتے ہوئے) اچھا بوا خدا حافظ (حکیمن اسے گلے سے لگاتی ہے۔ ڈاکٹر باہر جاتا ہے سلیمہ اسے چھوڑنے دروازے تک جاتی ہے۔)
حبیب :۔ (کام میں معروف ہے) ۲۸ جنوری ..... ۲۹ جنوری ...... ۲ فروری
سلیمہ :۔ (واپس آتے ہوئے) ڈاکٹر چلے گئے۔
حبیب :۔ (سلیمہ سے) میرا دل ایک پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ کاش کہ میں تمہیں دکھا سکتا۔
سلیمہ :۔ ماموں جان ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہمیں زندہ رہنا ہی ہوگا ..... اور ہم زندہ رہیں گے۔ ہماری زندگی میں بہت سے تھکا دینے والے دن اور طویل راتیں آئیں گی۔ اور ہم پر جو مشکلات پڑیں گی ہم انھیں خاموشی اور صبر سے برداشت کریں گے اور ہم ہمیشہ دوسروں کی خدمت کرتے رہیں گے اور جب ہمارا وقت آئے گا تو ہم خاموشی سے اپنی جان موت کے سپرد کر دیں گے۔

اور پھر اس دوسری دنیا میں ہم بتائیں گے کہ ہم نے کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور ہماری زندگی کتنی تلخ تھی اور پھر شاید خدا ہماری بات سمجھے گا۔ اور ہم پر ترس کھائے گا اور پھر پیارے ماموں ہم بھی شاید ایک حسین، مسرور اور پر سکون زندگی گزارنا شروع کریں گے۔ اس وقت جب ہم اپنی اس زندگی کو یاد کریں گے تو اس میں تلخی کا کوئی احساس نہیں ہوگا...... اور پھر ہم آرام کریں گے ــــ مجھے یقین ہے ماموں جان۔ میں اس میں دل سے یقین کرتی ہوں..... ہم آرام کریں گے۔

(محمد شریف ستار بجاتا ہے)

ہم آرام کریں گے۔ تاروں بھرے نیلے آسمان کی چھاؤں میں ایک حسین روحانی فضا میں اور اس نور اور مسرت کے سیلاب میں اس زندگی کی تمام برائیاں، تمام رنج اور تکلیفیں تنکوں کی طرح بہہ جائیں گی اور ہماری زندگی پُرسکون، خوب صورت اور پاک ہوگی۔ مجھے یقین ہے۔ مجھے یقین ہے۔ (حبیب کے آنسو پونچھتی ہے) ماموں جان آپ رو رہے ہیں۔ آپ کو زندگی میں کوئی خوشی نہیں ملی ــ کوئی آرام نہیں ملا۔ ابھی اور انتظار کیجیے۔ ہمیں ضرور سکون ملے گا۔ ہم آرام کریں گے۔ (اس کے گلے میں باہیں ڈالتی ہے)

(فخرالنساء بیگم کتاب کے حاشیہ پر پنسل سے نشان لگاتی ہے۔ حکیمن اپنی چادر میں پیوند لگانے کے بعد ڈورا توڑتی ہے۔)

(پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

تین بہنیں

مُصنِف : انتون چیخوف

مُترجمہ: زاھدہ زیدی

تین بہنیں

افرادِ ڈرامہ

۱۔ اندرے سرگی وچ پروزوروف

۲۔ نتاشا (نتالیا اوانونا) اس کی منگیتر اور بعد میں اس کی بیوی

۳۔ اولگا (اولگا سرگی وینا۔ اولیا)

۴۔ ماشا (ماریا سرگی وینا) } اس کی بہنیں

۵۔ ارینا (ارینا سرگی وینا) }

۶۔ کولی گن (فیوذور ایلیچ) ہائی اسکول میں ایک ماسٹر۔ ماشا کا شوہر

۷۔ وارشنین (الگزندر اگناتی وچ) لفٹنٹ کرنل۔ بیٹری کمانڈر

۸۔ توزن باخ (نکولائی لووچ۔ بیرن) فوج میں ایک لفٹنٹ

۹۔ سولیونی (وسیلی وسیلچ) فوجی کپتان

۱۰۔ چے بوتکن (ایوان رومانچ) فوجی ڈاکٹر

۱۱۔ فیدوتک (الکزی پیٹرووچ) دوسرے درجے کا لفٹنٹ

۱۲۔ رودے (ولاری میری کا تفرچ) " " "

۱۳۔ فیراپونٹ۔ کاؤنٹی کاؤنسل کا ایک پرانا اور بوڑھا دربان

۱۴۔ انفیسا۔ اندرے اور اس کی بہنوں کی پرانی نرس۔ عمر ۸۰ سال

پہلا ایکٹ

(پروزوروف کے گھر کا ڈرائینگ روم، پیچھے بال روم ہے۔ دونوں کے درمیان کئی ستون ہیں، دن کے بارہ بجے کا وقت ہے، باہر خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ بال روم میں میز پر کھانے کے برتن لگے ہیں، آولگا اسکول مسٹرس کا گہرے نیلے رنگ کا لباس پہنے ہے، اور اپنی شاگردوں کی کاپیاں دیکھنے میں مصروف ہے، کام کے دوران میں وہ کبھی کھڑی ہو جاتی ہے، کبھی ٹہلنے لگتی ہے۔

ماشا سیاہ لباس میں ملبوس کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور مطالعہ میں مصروف ہے، اس کا ہیٹ اس کی گود میں پڑا ہے۔ ارینا سفید لباس پہنے ہے، وہ خیالات میں گم کھڑی ہے۔)

آولگا:- آج پاپا کے انتقال کو پورا ایک سال ہو گیا۔ یہی دن تھا وہ۔ پانچ مئی۔ تمہاری سالگرہ کا دن ارینا۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ وہ بہت ہی سرد دن تھا اور برف پڑ رہی تھی۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اس صدمے کو کبھی برداشت نہ کر سکوں گی۔ تم بے ہوش ہو گئی تھیں اور اس طرح بے حس و حرکت پڑی تھیں جیسے تمہارے جسم میں جان نہ رہی ہو۔ اور اب ایک سال گزر چکا ہے۔ اور ہم اس واقعہ کا ذکر کس آسانی سے کر رہے ہیں۔

........تم سفید لباس پہنے ہو اور تمہارا چہرہ کتنا شگفتہ ہے۔

(گھنٹہ بارہ بجاتا ہے)

اُس وقت بھی گھنٹے نے بارہ بجائے تھے،........(وقفہ) مجھے یاد ہے کہ پاپا کے جنازے کے ساتھ ملٹری بینڈ تھا۔ اور بندوق سے سلامی دی گئی تھی۔ وہ جنرل تھے نا........لیکن

پھر بھی ان کے جنازے کے ساتھ زیادہ لوگ نہیں تھے، ظاہر ہے کہ بارش بھی تو بہت تیز تھی اور پھر برف بھی پڑ رہی تھی۔

ارینا :۔ کیوں ان پرانی یادوں کو تازہ کر رہی ہے ؟

(بیرن توازن باخ چے بوتکن اور سولیونی ستونوں کے پیچھے نظر آتے ہیں۔ وہ لوگ میز کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں۔)

اولگا :۔ کتنی خوشگوار گرمی ہے، کھڑکیاں کھولی جا سکتی ہیں۔ لیکن صنوبر کے درختوں پر ابھی کونپلیں نہیں پھوٹی ہیں۔ گیارہ سال پہلے پاپا کو بریگیڈیر بنایا گیا تھا۔ اس وقت وہ ماسکو چھوڑ کر ہمیں یہاں لے آئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اُس وقت ماسکو میں بہار آ چکی تھی ہر چیز سورج کی روشنی میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی تھی گیارہ سال گزر چکے ہیں۔ لیکن مجھے ہر چیز ایسے یاد ہے جیسے کل کی بات ہو...... اُف خدایا.... آج صبح جب میں سو کر اٹھی اور ہر طرف سورج کی روشنی کا ایک سیلاب سا دیکھا.... بہار کی روشنی کا سیلاب ...... میں کتنی خوش اور متاثر ہوئی اور میرے دل میں ماسکو جانے کی تمنا کروٹیں لینے لگی۔

چے بوتکن :۔ (توزن باخ سے) لاحول ولا قوۃ۔

توزن باخ :۔ بالکل بکواس میرا بھی یہی خیال ہے۔

(ماشا جو مطالعہ میں غرق ہے، سیٹی میں کوئی نے بجاتی ہے)

اولگا : ماشا سیٹی بند کرو۔ (ماشا کی طرف دیکھتے ہوئے ذرا التعجب اور سختی سے) واقعی کمال ہے...... (وقفہ) میرا خیال ہے کہ روز کے اسکول جانے اور صبح سے شام تک پڑھانے نے مجھے یہ سر کا درد لگایا ہے۔ ان چار سال میں میرے خیالات اور تاثرات میں بھی بڑھاپا جھلکنے لگا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دن بہ دن میری قوت اور جوانی نچڑی جا رہی ہے۔ بس اب میری ایک ہی تمنا ہے اور وہی وقت کے ساتھ شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔

ارینا :۔ کاش ہم ماسکو جا سکتے اس گھر کو بیچ کر اس زندگی کو ختم کر کے........!

اولگا :۔ کاش یہ ممکن ہوتا جلد سے جلد۔

(چے بوتکن اور توزن باخ ہنستے ہیں)

ارینا :۔ اندرے کو تو بہت جلد پروفیسری مل جائے گی۔ پھر وہ یہاں کیوں رہے گا۔ سوال صرف ہماری

بے چاری ماشا کا ہے۔

اولگا :۔ ماشا ہر سال گرمی میں آکر ہمارے ساتھ ماسکو ٹھہر سکتی ہے۔

(ماشا سیٹی میں ایک نَے بجاتی ہے)

ارینا :۔ خدا نے چاہا تو ہر چیز بخیر و خوبی طے ہو جائے گی .... (کھڑکی سے باہر دیکھتی ہے) ...... کتنا پیارا موسم ہے .... نہ جانے کیوں آج میرا دل خوشی سے بھرپور ہے۔ صبح ہی صبح مجھے یاد آیا کہ آج میری سالگرہ ہے۔ اور پھر ایک دم میں اپنے کو ہلکا ہلکا محسوس کرنے لگی۔ مجھے وہ زمانہ یاد آگیا جب ہم سب چھوٹے چھوٹے تھے اور امی زندہ تھیں اور پھر میرا دل عجیب خیالات سے بھر گیا ..... حسین اور چونکا دینے والے خیالات ....!

اولگا :۔ آج تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ واقعی تم بہت دلکش معلوم ہو رہی ہو۔ آج ماشا بھی حسین لگ رہی ہے۔ اندرے کی صورت اچھی ہے مگر وہ کتنا موٹا ہو گیا ہے موٹاپا اس پر بالکل نہیں جچتا .... اور میں تو روز بروز زیادہ دبلی اور بوڑھی ہوتی جا رہی ہوں .... اسکول میں لڑکیوں کے ساتھ سر کھپانے کا اور کیا نتیجہ ہو سکتا تھا ...... لیکن خیر آج تو میں گھر پر ہوں ...... سر کے درد کو بھی سکون ہے۔ کل کی بہ نسبت آج میں اپنے کو کم عمر محسوس کر رہی ہوں .... میں ابھی اٹھائیس سال ہی کی تو ہوں ...... میں سوچتی ہوں خدا جو کچھ کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے، لیکن پھر بھی کبھی کبھی یہ خیال تو آ ہی جاتا ہے کہ اگر میں شادی کر کے اپنا گھر بساتی تو میرے لیے بہتر ہوتا ..... (وقفہ) میں یقیناً اپنے شوہر کو بہت چاہتی ......

توزن باخ :۔ (سولیونی سے) واقعی تم کس قدر بکواس کرتے ہو۔ میں تو سنتے سنتے تھک گیا (ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اولگا سے) میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گیا تھا کہ ہمارے نئے بیٹری کمانڈر وارا شنین آج آپ سے ملنے آ رہے ہیں۔

(پیانو کے قریب بیٹھ جاتا ہے)

اولگا :۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔

ارینا :۔ کیا وہ معمر آدمی ہیں۔

توزن باخ :۔ کوئی خاص معمر تو نہیں۔ چالیس[۴۴] یا زیادہ سے زیادہ پینتالیس[۴۵] سال کے ہوں گے (آہستہ

آہستہ پیانو بجاتا ہے) معقول آدمی معلوم ہوتا ہے اور خاصا ہوشیار بھی۔ بس ایک کمزوری ہے اس میں، باتیں بہت کرتا ہے۔

ارینا:۔ کچھ دلچسپ آدمی ہیں کیا؟

توزن باخ:۔ ہاں ٹھیک ہیں۔ صرف اتنی سی بات ہے کہ اس کی ایک بیوی، ایک ساس اور دو لڑکیاں ہیں۔ اور ہاں یہ اس کی دوسری بیوی ہے۔ وہ ہر شخص سے ملتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کی ایک بیوی اور دو لڑکیاں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تمھیں بھی یہ باتیں ضرور بتائے گا۔ اس کی بیوی کا دماغ شاید کچھ چلا ہوا ہے۔ وہ لڑکیوں کی طرح ایک لمبی چوٹی گوندھتی ہے اور ہر وقت فلسفہ بگھارتی رہتی ہے وہ بڑی مرصّع زبان میں گفتگو کرتی ہے اور اکثر خودکشی کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن میرا تو خیال ہے کہ صرف شوہر کو تنگ کرنے کے لیے۔ میری تو اگر ایسی بیوی ہوتی تو میں اسے کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ لیکن وہ یہ سب برداشت کرتا ہے۔ بس بیوی کا رونا روتا رہتا ہے۔

سولیونی:۔ (چے بوتکن کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے) اب دیکھو میں اپنے ہاتھ سے صرف ۶۰ پونڈ وزن اٹھا سکتا ہوں۔ لیکن دو ہاتھوں سے دو سو بلکہ دو سو چالیس پونڈ تک اٹھا سکتا ہوں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دو آدمیوں کی طاقت ایک آدمی سے دوگنی نہیں بلکہ کم سے کم تگنی ہوتی ہے۔

چے بوتکن:۔ (اخبار پڑھتے ہوئے) بالوں کو رکنے کی ترکیب دو پونڈ نفتھلین۔ آدھے پونڈ سپرٹ دونوں کو ملا کر روز دن میں ایک بار استعمال کیا جائے (نوٹ بک میں لکھتے ہوئے) اسے لکھ لینا چاہیے (سولیونی سے) ہاں میں تمھیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر تم ایک بوتل کو کارک سے بند کر کے اس میں شیشے کا ٹیوب ڈالو اور پھر ایک چھچا پسا ہوا......

ارینا:۔ ایوان رومانچ پیارے ایوان رومانچ۔

چے بوتکن:۔ کیا ہے میری بیٹی۔ کیا بات ہے؟

ارینا:۔ یہ بتاؤ آج میں اتنی خوش کیوں ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں سفید بادلوں والی ایک کشتی میں بہی جا رہی ہوں۔ سر پر وسیع نیلا آسمان ہے اور بڑی بڑی سفید چڑیاں چاروں طرف تیر رہی ہیں

چے بوتکن:۔ (اس کے دونوں ہاتھوں کو محبت سے چومتے ہوئے) میری ننھی سفید چڑیا......!

ارینا:۔ تمھیں معلوم ہے آج صبح جب میری آنکھ کھلی اور جب میں منہ ہاتھ دھو چکی تو مجھے ایک دم ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہر چیز مجھ پر واضح ہو گئی ہو۔ جیسے مجھے منزل کا نشان مل گیا ہو۔ ہاں میں اب یہ راز جان گئی ہوں..... ایوان رومانچ ہر انسان کو خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اپنا خون پسینہ بہا کر کام کرنا چاہیے۔ اس سے زندگی بامعنی بنتی ہے اور اسی میں خوشی اور سکون کا راز پنہاں ہے۔ واقعی ایک مزدور کی زندگی کتنی اچھی ہوتی ہے جو صبح ہی صبح اٹھتا ہے۔ اور سڑک کے پتھر کوٹتا ہے یا ایک چرواہے کی زندگی۔ یا پھر ایک اسکول ماسٹر کی زندگی جو روزانہ بچوّں کو پڑھاتے۔ میں تو کہتی ہوں کہ ایک کارآمد بیل یا گدھا ہونا اس قسم کی عورت ہونے سے بہتر ہے جو دن کے بارہ بجے سو کر اٹھے بستر پر کافی پیے اور پھر دو گھنٹے میں سج بن کر تیار ہو۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر..... جانتے ہو گرمی کے موسم میں ٹھنڈے پانی کی کیسی خواہش ہوتی ہے بس اسی طرح مجھے کام کرنے کی تمنا ہے۔ اگر میں کل سے صبح سویرے نہ اٹھوں تو تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے خفا ہو سکتے ہو ایوان رومانچ۔

بے بوتکن:۔ ضرور..... ضرور! (محبت سے)

اولگا:۔ پاپا ہم لوگوں کو صبح سات بجے اٹھنے کی ہدایت کرتے رہتے تھے چنانچہ ارینا ہر روز صبح سات بجے اٹھتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ پھر بھی کم سے کم نو بجے تک بستر ہی میں پڑے پڑے کچھ سوچتی رہتی ہے۔ کس قدر سنجیدہ ہوتا ہے اس کا چہرہ۔

ارینا:۔ تم سمجھتی ہو میں ابھی بچی ہوں۔ اور میرا سنجیدہ ہونا بڑی عجیب بات ہے۔ معلوم ہے میں بیس سال کی ہوں۔

توزن باخ:۔ کام کرنے کی یہ تمنا۔ اُف خدا میں اسے کتنی اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ میں نے کبھی تنکا نہیں ہلایا۔ کیونکہ میں پیٹرس برگ جیسے بے حس کاہلی کے مسکن میں پیدا ہوا۔ ایک ایسے گھر میں جس میں کسی نے کام اور پریشانیوں کا نام بھی نہ سنا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں اسکول سے واپس آتا تو ایک نوکر میرے جوتے اتارتا اور میں اس پر خفا ہوتا رہتا۔ اور میری اماں مجھے بڑی تحسین آمیز نظروں سے دیکھتی رہتی تھیں۔ اگر کوئی مجھے کسی اور نظر سے دیکھتا تو انھیں بڑی حیرت ہوتی تھی۔ کس کس طرح مجھے کام سے الگ رکھا جاتا۔ لیکن اس میں مجھے شک ہی ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ کے لیے مجھے ان چیزوں سے دور رکھ سکے۔ اب ایک نئے زمانے کی آمد ہے ایک زبردست بادل کی گھن گرج

سنائی دے رہی ہے۔ ایک زبردست طوفان ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ ہاں وہ ہمارے بہت قریب آچکا ہے۔ ایک ایسا طوفان جو کاہلی اور بے پرواہی کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے گا جو کام کے خلاف تعصب اور بے حسی کو، جس سے آج ہماری معاشرت کو گھن لگ رہا ہے۔ جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا....... اب میں کام کروں گا۔ اور بیس پچیس ۲۵ سال کے عرصے میں ہمارے ملک کا ہر انسان کام کررہا ہوگا۔ ہر مرد اور ہر عورت ....

چے بوتکن :۔ لیکن میں کبھی کام نہیں کروں گا۔

توزن باخ :۔ تمھیں گنتا ہی کون ہے۔

سولیونی :۔ پچیس سال بعد تمہارا وجود بھی کہاں ہوگا۔ دو سال کے اندر ہوسکتا ہے کہ تم فالج کے حملے سے مرجاؤ۔ یا ہوسکتا ہے غصّے میں کسی وقت میں ہی تمھیں اپنی گولی سے ختم کردوں (اپنی جیب سے عطر کی شیشی نکال کر اپنے ہاتھوں اور سینے پر عطر لگاتا ہے۔)

چے بوتکن :۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے کبھی کام نہیں کیا۔ اور یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد تو میں نے کوئی کتاب پڑھنے کی بھی تکلیف گوارہ نہیں کی۔ میں تو صرف اخبار پڑھنے کے قائل ہوں۔ (جیب سے ایک اخبار نکالتا ہے) مثال کے طور پر اسے لیجیے مجھے پڑھ کر یہ معلوم ہوا کہ بردلیوبوف نامی ایک شخص تھا لیکن اس نے کس موضوع پر کتابیں لکھیں اس کا مجھے دور دور بھی علم نہیں یہ تو خدا ہی جانتا ہے۔ (نیچے کوئی کھٹکھٹاتا ہے)

او ہو وہ لوگ مجھے بلا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کوئی مجھ سے ملنے آیا ہے میں ابھی ایک منٹ میں واپس آتا ہوں۔ (اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا تیزی سے باہر جاتا ہے۔)

ارینا :۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کوئی شگوفہ چھوڑنے والے ہیں۔

توزن باخ :۔ ہاں بہت سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ یقیناً تمھیں کوئی تحفہ دینے والے ہیں۔

ارینا :۔ بھئی مجھے اس قسم کی باتیں بالکل پسند نہیں۔

اولگا :۔ ہاں مجھے بھی پسند نہیں لیکن وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کرتے ہیں۔

ماشا :۔ (یہ شعر گنگناتی ہوا اٹھتی ہے) "مڑتے ہوئے ساحل پر شاہ بلوط کا ایک سرسبز درخت ہے اور اس درخت پر ایک سنہری زنجیر لٹکی ہوئی ہے۔"

اولگا :۔ ماشا آج تم کچھ اداس معلوم ہوتی ہو۔

(ماشا گنگناتی ہوئی سر پر ہیٹ رکھتی ہے)

اولگا :۔ کہاں جا رہی ہو۔

ماشا :۔ گھر۔

ارینا :۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

توزن باخ :۔ ہیں تم اپنی بہن کی سالگرہ کی پارٹی میں شرکت نہیں کرو گی۔

ماشا :۔ اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ میں شام تک واپس آجاؤں گی۔ اچھا ارینا پیاری خدا تم کو خوش رکھے۔ پہلے جب ابا زندہ تھے تو ہماری پارٹیوں میں تیس چالیس افسر ضرور ہوتے تھے کتنی پُر لطف ہوتی تھیں وہ پارٹیاں...... اور اب یہاں کیا ہے۔ بس وہی دو ڈھائی آدمی۔ اور گھر میں قبر کی سی خاموشی...... میں جا رہی ہوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے میری باتوں کا خیال نہ کرنا میں بہت اداس ہوں۔ (آنسوؤں کے درمیان ہنستی ہے) ہم پھر کبھی باتیں کریں گے۔ اس وقت خدا حافظ میں کہیں نہ کہیں چلی جاؤں گی۔

ارینا :۔ (برا مان کر) واقعی ماشا تم ...... ۔......

اولگا :۔ (رقت بھری آواز میں) میں تمھاری بات سمجھتی ہوں ماشا۔

سولیونی :۔ اگر ایک مرد فلسفیانہ باتیں کرے تو آپ اسے فلسفہ کہیں گے یا خیر علمیت کا اظہار لیکن اگر عورتیں فلسفہ بگھارنا شروع کر دیں تو آپ اسے کیا کہیں گے...... نا صاحب میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔

ماشا :۔ یہ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔ تم واقعی بڑے تکلیف دہ قسم کے آدمی ہو۔

سولیونی :۔ کچھ نہیں ؎

تھی کہاں تاب ہی اتنی بھی کہ وہ کہتا ہاں
پنجۂ شیر نے کھلنے دی کہاں اس کی زباں

(خاموشی)

ماشا :۔ (اولگا سے خفگی سے) یہ آواز بند کرو۔

(انفیسا اور فیراپونٹ داخل ہوتے ہیں۔ فیراپونٹ کے ہاتھ میں ایک کیک ہے)

انفیسا:۔ ادھر آؤ بھائی ادھر تمہارے جوتے تو کافی صاف ہیں کاؤنسل آفس سے یہ کیک آیا ہے پروٹوپوف کی طرف سے۔

ارینا:۔ شکریہ! میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کر دینا۔

فیراپونٹ:۔ کیا کہا۔

ارینا:۔ (اونچی آواز سے) ان سے کہنا میں نے شکریہ ادا کیا ہے۔

اولگا:۔ نانی بوا انہیں کیک کا ٹکڑا دے دو۔ فیراپونٹ جاؤ یہ تم کو کیک دے دیں گی۔

فیراپونٹ:۔ کیا کہا۔

انفیسا:۔ چلو چلو بس اب میرے ساتھ چلو خدا تمہا بھلا کرے۔

ماشا:۔ مجھے یہ شخص پروٹوپوف پسند نہیں مجھے اس کے نام سے نفرت ہے۔ اسے نہ بلانا ہی بہتر تھا۔

ارینا:۔ میں نے اسے مدعو نہیں کیا۔

ماشا:۔ شکر ہے۔

(چے بوتکن ایک سپاہی کے ساتھ داخل ہوتا ہے سپاہی کے ہاتھ میں ایک سماوار ہے۔ ہر طرف تعجب اور خفگی کی لہر سی دوڑ جاتی ہے۔)

اولگا:۔ (ہاتھوں سے منہ چھپاتے ہوئے) سماوار یہ تو انتہا ہے۔

ارینا:۔ پیارے ایوان رومانچ۔ آخر یہ سب کیوں؟

چے بوتکن:۔ پیاری بچیوں۔ میرا دنیا میں تمہارے سوا اور کون ہے مجھے تم دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہو۔ میں ساٹھ سال کا ہونے والا ہوں۔ میں ایک معمر انسان ہوں۔ ایک تنہا اور بالکل غیر اہم انسان! تماری محبت ہی میری زندگی میں ایک قیمتی چیز ہے اگر تم نہ ہوتیں تو میں کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ (ارینا سے) میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم پیدا ہوئی تھیں۔ کیا میں نے تمہیں گود میں نہیں کھلایا۔ کیا مجھے تمہاری مرحوم ماں سے محبت نہیں تھی.........؟

ارینا:۔ لیکن آخر تم اس قدر قیمتی تحفے کیوں لاتے ہو۔

چے بوتکن:۔ (غصہ اور رقت بھری آواز میں) قیمتی تحفے.........!

(سپاہی ساوار کو بال روم کی طرف لے جاتا ہے)

انفیسا:۔ (ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہوئے) پیاری لڑکیوں۔ ایک اجنبی کرنل ابھی ابھی آئے ہیں کوٹ اتار چکے ہیں۔ بس یہاں آنے ہی والے ہیں۔ دیکھو ان کے ساتھ عزت اور خیال سے پیش آنا۔ اور ہاں کھانے کا وقت بھی نکلا جا رہا ہے ...... اُف خدایا۔

توزن باخ:۔ وارا شنین ہوں گے۔

(وارا شنین داخل ہوتا ہے۔)

توزن باخ:۔ لفٹننٹ کرنل وارا شنین۔

وارا شنین:۔ (ماشا اور ارینا سے) مجھے اپنا تعارف کرانے کی اجازت دیجیے لفٹنٹ کرنل وارا شنین مجھے بہت خوشی ہے۔ واقعی میں بہت خوش ہوں آپ کتنی بدل گئی ہیں۔ بخدا آپ بالکل بدل گئی ہیں۔

ارینا:۔ تشریف رکھیے۔ ہمیں بھی آپ کے آنے سے بہت خوشی ہوئی۔

وارا شنین:۔ میں واقعی بہت خوش ہوں۔ بے حد خوش ہوں۔ ہاں آپ تو تین بہنیں تھیں۔ مجھے یاد ہے اس گھر میں تین چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تھیں۔ اب مجھے ان کی شکلیں اچھی طرح یاد نہیں لیکن آپ کے والد کرنل پروزوروف کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اور وہ مجھے خوب یاد ہیں۔ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ واقعی وقت کو گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔

توزن باخ:۔ الگزنڈر اگناتی وچ ماسکو کے رہنے والے ہیں۔

ارینا:۔ ماسکو! آپ ماسکو سے آئے ہیں۔

وارا شنین:۔ ہاں ماسکو سے۔ آپ کے والد وہاں بیٹری کمانڈر تھے۔ اور میں اسی بریگیڈ میں ایک افسر (ماشا سے) مجھے آپ بالکل یاد نہیں۔

ارینا:۔ اولیا۔ اولیا۔ ادھر آؤ (اولگا بال روم سے آتی ہے۔ تم نے سُنا لفٹنٹ کرنل وارا شنین ماسکو کے رہنے والے ہیں۔

وارا شنین:۔ آپ یقیناً اولگا ہیں سب سے بڑی بہن اور آپ ماریا اور یہ ارینا سب سے چھوٹی بہن۔

اولگا:۔ اچھا تو آپ کا وطن ماسکو ہے۔

وارا شنین :۔ جی ہاں۔ میں نے ماسکو ہی میں تعلیم پائی۔ اور پھر نوکری کے سلسلے میں بھی وہاں کافی عرصے قیام رہا لیکن حال ہی میں مجھے بیٹری کمانڈر بنا دیا گیا۔ اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔ مجھے آپ لوگ بہت اچھی طرح یاد نہیں۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ آپ تین بہنیں تھیں۔ البتہ آپ کے والد خوب یاد ہیں۔ جیسے کل کی بات ہو۔ اب بھی اگر آنکھیں بند کر لوں تو انھیں اپنے سامنے تصور کر سکتا ہوں .... میں ماسکو میں اکثر آپ کے یہاں آیا کرتا تھا۔

اولگا :۔ میرا خیال تھا کہ مجھے ہر شخص یاد ہے .... لیکن .... !

وارا شنین :۔ میرا پہلا نام الگزنڈرا گناتی وچ ہے۔

ارینا :۔ الگزنڈرا گناتی وچ۔ اور آپ کا وطن ماسکو ہے۔ آپ کی آمد کتنی عجیب اور خوشگوار ہے۔

اولگا :۔ اب ہمارا بھی وہیں رہنے کا ارادہ ہے۔

ارینا :۔ امید ہے کہ خزاں کی آمد تک ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ ماسکو ہی ہمارا وطن ہے۔ ہم سب وہیں پیدا ہوئے تھے۔ ستاریا بسمانایا اسٹریٹ میں ہمارا گھر تھا۔

ماشا :۔ اپنے کسی ہم وطن سے اس طرح ملاقات کتنی عجیب بات ہے (شوق سے) اب مجھے یاد آیا۔ اولگا تمھیں یاد ہیں وہ صاحب جنھیں ہم سب "عشق زدہ میجر" کہا کرتے تھے۔ آپ اس وقت لفٹننٹ تھے اور آپ کسی نہ کسی کے عشق میں مبتلا تھے۔ سب لوگ آپ کو چھیڑتے رہتے تھے۔ لیکن نہ معلوم کیوں سب آپ کو میجر کہتے تھے۔

وارا شنین :۔ (ہنستا ہے) ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک "عشق زدہ میجر" ہاں سب لوگ مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔

ماشا :۔ مگر اس زمانے میں آپ کی داڑھی نہیں تھی۔ واقعی آپ پہلے کی بہ نسبت معمر معلوم ہوتے ہیں (اداسی سے) کتنے زیادہ معمر۔

وارا شنین :۔ ہاں میں اس وقت نوجوان تھا اور ایک عاشق بھی تھا۔ اور لوگ مجھے "عشق زدہ میجر" کہتے تھے۔ اب زمانہ بدل چکا ہے۔

اولگا :۔ لیکن آپ کے بال ابھی بالکل سیاہ ہیں۔ آپ پہلے کی نسبت بڑے ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن آپ کو معمر نہیں کہا جا سکتا۔

وارشنین :۔ بہرحال میں ۴۲ سال کا ہو چکا ہوں...... آپ کو ماسکو چھوڑے بھی تو ایک مدت ہو چکی ہے۔
ارینا :۔ گیارہ سال ہیں ماشا تم رو کیوں رہی ہو، بڑی عجیب لڑکی ہو تم ماشا (رقت آمیز لہجے میں) دیکھو پھر میں بھی ضبط نہ کر سکوں گی۔
ماشا :۔ نہیں میں رو تو نہیں رہی .... آپ کس محلے میں رہتے تھے۔
وارشنین :۔ ستاریا بسمانایا اسٹریٹ میں۔
اولگا :۔ ہم بھی تو وہیں رہتے تھے۔
وارشنین :۔ کچھ عرصے نمتر کایا اسٹریٹ میں بھی رہا۔ وہاں سے کراسینی بیرک تک پیدل جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ راستے میں ایک پل پڑتا تھا۔ اس کے نیچے سے پانی کے تیزی سے بہنے کی آواز آتی تھی وہاں کس قدر تنہائی اور اداسی کا احساس ہوتا تھا۔ (وقفہ) لیکن یہاں دریا کتنا چوڑا اور خوبصورت ہے۔ واقعی یہ بہت ہی حسین دریا ہے۔
اولگا :۔ ہاں لیکن یہ جگہ بہت سرد ہے۔ اور یہاں مچھر بھی بہت کثرت سے ہیں۔
وارشنین :۔ واقعی! لیکن میرا خیال تھا کہ یہاں آب و ہوا صحت افزا ہو گی۔ خاص روسی آب و ہوا جنگل، دریا اور صنوبر کے درخت۔ سیدھے سادے دل نشیں۔ یہ میرے پسندیدہ درخت ہیں مجھے تو یہاں رہنا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ صرف ایک عجیب بات ہے وہ یہ کہ اسٹیشن یہاں سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ نہ معلوم کیوں۔
سولیونی :۔ مجھے معلوم ہے کیوں (ہر شخص اس کی طرف دیکھتا ہے) کیونکہ اگر اسٹیشن قریب ہوتا تو وہ اتنا دور نہ ہوتا۔ اور کیونکہ وہ دور ہے اس لیے قریب نہیں ہو سکتا۔
(ایک ناگوار خاموشی)
توزن باخ :۔ تم اپنے بے کار مذاقوں سے باز نہیں آتے وسیلی وسیلچ۔
اولگا :۔ آپ مجھے کچھ کچھ یاد آ رہے ہیں۔
وارشنین :۔ میں آپ کی والدہ کو بھی جانتا تھا۔
چے بوتکن :۔ خوب عورت تھی۔ خدا اس کی روح پر رحمت کی بارش کرے۔
ارینا :۔ اماں کو ماسکو ہی میں دفن کیا گیا تھا۔

اولگا:۔ توروری و چ قبرستان میں۔

ماشا:۔ کتنی عجیب بات ہے میں ان کی صورت بھولتی جارہی ہوں۔ میں سوچتی ہوں اسی طرح لوگ ہمیں بھی بھول جائیں گے۔ ہم بھی بالکل بھلا دیے جائیں گے

وارشنین:۔ ہاں ہم بھی بھلا دیے جائیں گے۔ یہی ہماری زندگی کا انجام ہے۔ بلکہ لوگ ان چیزوں کو بھی بھول جائیں گے جو ہم کو سنجیدہ، اہم اور بامعنی معلوم ہوتی ہیں۔ کم سے کم لوگ انھیں اتنا اہم نہیں سمجھیں گے۔ (وقفہ) .... کتنی عجیب بات ہے کہ ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ آنے والے زمانے میں کون سی چیزیں اہم اور عظیم سمجھی جائیں گی اور کون سی حقیر اور بے معنی معلوم ہوں گی۔ کوپرنیکس اور کولمبس کی دریافتوں کو شروع میں کتنا غیر اہم سمجھا گیا تھا اور جھکّی احمقوں کی لکھی ہوئی بکواس کو کسی عظیم حقیقت کا انکشاف مانا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آنے والے زمانے میں لوگ ہمارے طرزِ زندگی کو عجیب و غریب، بے آرام اور حماقت آمیز سمجھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسے کسی حد تک ناپاک اور غیر شریفانہ سمجھیں۔

توزن باخ:۔ کون کہہ سکتا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ آنے والی نسلیں کہیں کہ ہمارے معیار اور قدریں بلند تھیں اور ہمیں عزت سے یاد کریں۔ اب دیکھیے ہمارے دور میں غیر ملکی حملوں جسمانی ایذا رسانی اور مجمع عام میں سزا دینے کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ابھی زندگی میں رنج و مصیبت باقی ہے۔

سولیونی:۔ (بہت اونچی آواز میں جیسے مرغیوں کو ہانک رہا ہے۔) چک چک چک چک .... ہمارے بیرن کو کسی چیز سے اتنا عشق نہیں جتنا فلسفہ چھانٹنے سے۔

توزن باخ:۔ وسیلی وسیلیچ مہربانی سے میری بات میں دخل نہ دو۔ (دوسری کرسی پر جاتے ہوئے) اب یہ بات حد سے بڑھتی جا رہی ہے۔

سولیونی:۔ (پہلے کی طرح) چک چک چک چک۔

توزن باخ:۔ لیکن جس قسم کی پریشانیاں ہم اپنے ماحول میں دیکھتے ہیں اس سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہماری سوسائٹی کا اخلاقی معیار کم سے کم پہلے سے بہت زیادہ اونچا ....

وارشنین:۔ جی ہاں قطعی ....!

چے بوتکن:۔ بیرن تم نے ابھی کہا تھا کہ ہمارے دور کو بڑا سمجھا جائے گا۔ لیکن لوگ بہرحال چھوٹے ہیں۔

(کھڑا ہوجاتا ہے) دیکھو میں کتنا چھوٹا ہوں۔

(باہر سے وائلن کی آواز آتی ہے)

ماشا :۔ شاید اندرے وائلن بجا رہا ہے۔ (وارشنین سے) اندرے ہمارا بھائی ہے۔

ارینا :۔ ہمارے بھائی کافی قابل ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ وہ بہت جلد پروفیسر بن جائیں گے۔ ابا ملٹری کے آدمی تھے لیکن اندرے نے یونیورسٹی کیریر کا انتخاب کیا ہے۔

اولگا :۔ آج ہم سب اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ اندرے صاحب کچھ محبت کا شکار ہوگئے ہیں۔

ارینا :۔ وہ لڑکی یہیں قریب رہتی ہے۔ غالباً آج یہاں آئے گی۔

ماشا :۔ وہ کتنی بد مذاق ہے۔ اس کا لباس صرف بد وضع اور پرانے فیشن ہی کا نہیں ہوتا وہ قابلِ رحم حد تک بے تکا بھی ہوتا ہے۔ وہ اکثر ایک ہیبت ناک قسم کا شوخ زرد رنگ کا جھالردار اسکرٹ پہنتی ہے اور پھر اس کے ساتھ ایک سرخ بلاؤز اور اس کے گال .... معلوم ہوتا ہے کہ گھس گھس کر چمکائے گئے ہیں۔ اندرے اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ مجھے اس کا یقین نہیں آتا۔ وہ اتنا بد مذاق تو نہیں ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ وہ ہم لوگوں کو چڑانے کے لیے ناٹک کھیل رہا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ نتاشا کی شادی پروٹوپوف سے ہونے والی ہے جو مقامی کاؤنسل کا صدر ہے۔ میرے خیال میں یہ جوڑ بہت مناسب ہے۔ (دروازے سے آواز دیتی ہے) اندرے یہاں آؤ بس تھوڑی دیر کے لیے (اندرے داخل ہوتا ہے) بھیّا آرہے ہو نا!

اولگا :۔ یہ ہیں ہمارے بھائی اندرے سرگی وچ۔

وارشنین :۔ وارشنین

اندرے :۔ پروزوروف (اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھتا ہے) میں نے سنا ہے کہ آپ یہاں بیٹری کمانڈر مقرر ہوئے ہیں۔

اولگا :۔ تمھیں معلوم ہے اندرے، الگزنڈر اگناتی وچ ماسکو سے آئے ہیں۔

اندرے :۔ اچھا واقعی مبارک ہو........ لیکن اس صورت میں میری بہنیں آپ کو چین نہ لینے دیں گی۔

وارا شنین :۔ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ آپ کی بہنیں خود اب تک مجھ سے تنگ آ چکی ہوں گی۔

ارینا :۔ ذرا دیکھیے اندرے نے مجھے آج یہ فریم تحفے میں دیا ہے۔ یہ انھوں نے خود بنایا ہے۔ (فریم دکھاتی ہے)

وارا شنین :۔ (فریم کو دیکھتا ہے اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے) ہاں........ واقعی....... بہت اچھا فریم ہے۔

ارینا :۔ اور وہ دیکھیے پیانو پر جو فریم رکھا ہے وہ بھی انھوں نے خود ہی بنایا تھا۔

(اندرے گھبرا گھبرا کر اپنے ہاتھوں کو ہلاتا ہے اور ایک طرف چلا جاتا ہے۔)

اولگا :۔ واقعی اندرے غیر معمولی طور پر ذہین ہے وہ وائلن بجالیتا ہے اور کئی طرح کی چیزیں بنالیتا ہے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ وہ گوناگوں صلاحیتوں کا مالک ہے۔ ارے اندرے ادھر کیوں جا رہے ہو، بس یہ اندرے کی بُری عادت ہے۔ ہمیشہ اسی طرح چلا جاتا ہے۔

(ماشا اور ارینا اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے واپس لاتی ہیں۔)

ماشا :۔ آپ مہربانی سے اِدھر تشریف لائیے۔

اندرے :۔ اے بھئی خدا کے لیے میری جان چھوڑ دو۔

ماشا :۔ تم واقعی بڑے احمق ہو۔ الگزنڈر اگنا تی وچ کو سب "عشق زدہ میجر" کہتے تھے اور وہ بالکل بُرا نہیں مانتے تھے۔

وارا شنین :۔ ہاں بالکل نہیں۔

ماشا :۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمھیں "عشق زدہ گویا" کہوں۔

ارینا :۔ یا پھر "عشق زدہ پروفیسر"۔

اولگا :۔ ہمارے اندروشا کو عشق ہو گیا ہے۔

ارینا :۔ (تالی بجاتی ہے)۔ تالیاں! تالیاں! اندروشا کو عشق ہو گیا ہے۔

چے بوتکن :۔ (اندرے کے قریب آکر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہے۔)

"عشق ہی کے واسطے پیدا کیا انسان کو"

(زور سے ہنستا ہے اخبار ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہے۔)

اندرے :۔ بس بس بہت ہوگیا۔ (اپنا چہرہ پونچھتا ہے) اصل میں مَیں رات بھر نہیں سویا اس لیے میری طبیعت ذرا مکدر ہے چار بجے تک پڑھتا رہا۔ اس کے بعد سونے لیٹا لیکن بے سود رات بھر طرح طرح کی باتیں سوچتا رہا اور پھر روشنی بھی تو اتنی جلدی ہو جاتی ہے اور میرے کمرے میں دھوپ بُری طرح بھر جاتی ہے۔...... اصل میں گرمی کی چھٹیوں کے دوران میں مَیں انگریزی سے ایک کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہوں۔

واراشنین :۔ اچھا تو آپ انگلش بھی جانتے ہیں۔

اندرے :۔ ہاں میرے والد خدا انھیں غریق رحمت کرے، ہم لوگوں کا پڑھا پڑھا کر بُرا حال کر دیتے تھے۔ کچھ عجیب بات ہے لیکن میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ان کے انتقال کے بعد سے ایسا لگتا ہے جیسے مجھ پر سے کوئی بوجھ اٹھا لیا گیا ہو۔ ایک سال میں مَیں کافی موٹا ہو گیا ہوں۔ بہر حال والد صاحب کے طفیل سے میں اور میری بہنیں انگریزی، جرمن اور فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں اور ارینا اطالوی بھی جانتی ہے۔

ماشا :۔ اس قسم کے قصبے میں تین غیر ملکی زبانیں جاننا اچھی خاصی عیاشی ہے بلکہ یوں کہیے کہ ایک غیر ضروری بوجھ ہے۔ بس کچھ اس قسم کی بات ہے کہ جیسے کسی کے ہاتھ میں چھ انگلیاں ہوں۔ ہم کتنی ہی ایسی باتیں جانتے ہیں جو یہاں بے مصرف ہیں۔

واراشنین :۔ (ہنستا ہے) تو آپ ایسی بہت سی چیزیں جانتی ہیں جو یہاں بیکار ہیں۔ لیکن میرا خیال تھا کہ اس دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں خواہ وہ کتنی ہی بے رنگ و بے کیف کیوں نہ ہو۔ جہاں تعلیم اور ذہانت رائیگاں جائیں۔ فرض کر لیجیے کہ اس قصبے میں ایک لاکھ آدمیوں جو سب پسماندہ اور غیر مہذب ہیں آپ جیسے بس دو چار ہی لوگ ہیں۔ اس صورت میں یہ امید تو نہیں کی جا سکتی کہ آپ لوگ تمام جہالت پر فتح پا لیں گی جیسے جیسے دن گزرتے جائیں گے آپ کو بہت سی باتوں میں جھکنا پڑے گا۔ یہاں تک کہ آپ بھی ایک لاکھ آدمیوں کے ہجوم میں کھو جائیں گی زندگی آپ کو نگل لے گی لیکن آپ کا وجود بالکل ختم نہیں ہو گا۔ آپ اس مجمع پر کچھ اثر چھوڑ جائیں گی اور پھر جب آپ نہیں ہوں گی تو شاید آپ کی قسم کے چھ آدمی پیدا ہوں۔ اور پھر بارہ اور پھر اسی طرح اور زیادہ، یہاں تک کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جب زیادہ تر لوگ آپ ہی کی طرح

ہو جائیں گے اور پھر دو یا تین سو سال کے عرصہ میں زندگی بے انتہا حسین ہو جائے گی یہی تو انسان کا خوابِ آرزو ہے۔ اور اگر آج وہ زندگی نہیں ہے تو ہمیں اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے تخیل سے تصور کی دنیا کو بسانا چاہیے۔ اور اس کی تیاری کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے آباواجداد سے زیادہ علم حاصل کرنا چاہیے (ہنستا ہے) اور آپ اس بات کی کوشش کی ہیں کہ آپ ایسی بہت سی چیزیں جانتی ہیں، جن کا کوئی مصرف نہیں ہے۔

ماشا:۔ (ہیٹ اتارتے ہوئے) میں کھانے پر ٹھہر رہی ہوں۔

ارینا:۔ (آہ بھر کر) واقعی یہ سب باتیں تو لکھ لینے کے قابل تھیں۔

(اس دوران میں اندرے باہر جا چکا ہے۔)

توزن باخ:۔ مجھے آپ کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ آنے والے زمانے میں زندگی حسین ہوگی لیکن اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی تعمیرِ نو میں ہم بھی شریک ہوں تو ہمیں ابھی سے اس کی تیاری کرنی ہوگی۔ اس کے لیے ابھی سے جدوجہد کرنی ہوگی۔

وارشنین:۔ (اٹھتے ہوئے) ہاں........ آں....... یہاں کتنے پھول ہیں اور یہ گھر کتنا حسین ہے۔ میں واقعی آپ لوگوں پر رشک کرتا ہوں۔ میری تو ساری زندگی چھوٹے چھوٹے گھٹے ہوئے فلیٹوں میں گزری بس دو کرسیاں۔ ایک صوفہ اور ایک آتش دان جس سے ہمیشہ دھواں ہی نکلتا رہتا تھا۔ میری زندگی میں پھولوں کی کتنی کمی رہی۔ ایسے حسین پھولوں کی۔ (ہاتھ ملتا ہے) خیر بہر حال.....

توزن باخ:۔ ہمیں کام کرنا ہوگا شاید آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں ایک جذباتی قسم کا جرمن ہوں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں روسی ہوں۔ میں ایک لفظ جرمن نہیں بول سکتا اور میرے والد یونانی قدامت پرست چرچ کے ممبر تھے۔

وارشنین:۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر ہمیں اپنی زندگی دوبارہ شروع کرنے کا موقع مل سکے تو کیا ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر جانتے بوجھتے ہوئے بس یوں سمجھیے کہ اگر ہم اس زندگی کو اس طرح اٹھا کر ایک طرف رکھ سکیں جیسے وہ اصل زندگی نہ ہو بلکہ اس کا پہلا خاکہ ہو اور پھر اس طرح زندگی شروع کریں جیسے کوئی مصور خاکہ بنانے کے بعد پھر واقعی تصویر بنانا شروع کرے۔ اگر یہ ممکن ہو سکے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی اپنی پہلی زندگی کو دوہرانا پسند نہیں کرے گا بشال

کے طور پر میں یہ چاہوں گا کہ میرے پاس ایک گھر ہو جس میں سورج کی روشنی کا سیلاب ہو اور جو پھولوں سے مزیّن ہو....... میری ایک بیوی اور دو بچّیاں ہیں۔ میری بیوی کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی....... اور اسی قسم کے دوسرے مسائل بھی ہیں۔ اگر میں اپنی زندگی دوبارہ شروع کر سکتا تو میں کبھی شادی نہ کرتا۔ ہرگز یہ غلطی نہ کرتا۔

(کولی گن ایک استاد کے لباس میں داخل ہوتا ہے)

کولی گن :۔ (ارینا سے) پیاری بہن سالگرہ مبارک ہو۔ خدا تمہیں صحت دے۔ اور وہ سب خوشیاں جو ایک نوجوان لڑکی کو ملنی چاہئیں۔ مجھے اجازت دو کہ میں اس موقع پر تمہیں یہ ایک چھوٹی سی کتاب پیش کروں۔ (اس کو ایک کتاب دیتا ہے) یہ ہمارے اسکول کی پچھلے پچاس برس کی تاریخ ہے اور میری لکھی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی خاص چیز نہیں ہے۔ میں اپنے خالی وقت میں اسے لکھتا رہتا تھا۔ بہر حال مجھے امید ہے کہ تم اسے ضرور پڑھو گی۔ (دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر) تسلیم عرض کرتا ہوں۔ (وارا شنین سے) مجھے اپنا تعارف کرانے کی اجازت دیجیے۔ خاکسار کو کولی گن کہتے ہیں۔ میں یہاں ثانوی اسکول میں مدرس ہوں۔ اور شہر کی کاؤنسل کا ممبر ہوں۔ (ارینا سے) اس میں ان سب طالب علموں کے نام درج ہیں جنھوں نے پچھلے پچاس سال میں ہمارے اسکول سے اپنی تعلیم مکمل کی ہے۔

"اُطْلُبُ الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ"

ارینا :۔ لیکن یہ کتاب تو آپ نے مجھے پچھلے سال بھی دی تھی۔

کولی گن :۔ (ہنستا ہے) اچھا واقعی تو پھر مجھے یہ واپس کر دو۔ نہیں بلکہ کرنل کو دے دو۔ کرنل یہ حقیر تحفہ آپ کی نذر ہے "گر قبول افتد زہے عز و شرف"۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کسی وقت اسے پڑھنا چاہیں جب آپ کے پاس کچھ کرنے کو نہ ہو۔

وارا شنین :۔ بہت بہت شکریہ۔ (جانے کے لیے اٹھتا ہے) مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔

اولگا :۔ ابھی سے؟ نہیں، نہیں، آپ اتنی جلدی نہیں جا سکتے۔

ارینا :۔ ہاں آج آپ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیں گے۔ دیکھیے انکار نہ کیجیے گا۔

اولگا :۔ ورنہ ہمیں افسوس ہو گا۔

وارا شنین :۔ (جھکتا ہے) مجھے معلوم نہ تھا کہ آج آپ کی سالگرہ پارٹی ہے۔ میں نے خواہ مخواہ آپ کو تکلیف دی۔ معاف کیجیے گا میں نے اب تک مبارک باد بھی نہیں دی۔

(اولگا کے ساتھ بال روم میں جاتا ہے)

کولی گن :۔ پیارے دوستو! آج اتوار کا دن ہے۔ آؤ ہم اپنی عمر اور عہدہ کے مطابق اس چھٹی کے دن کا لطف اٹھائیں اور آرام کریں۔ ہمیں قالینوں کو لپیٹ کر اور ان میں فنائل کی گولیاں ڈال کر جاڑے کی آمد تک کے لیے اٹھا کر رکھنا ہے۔ فنائل کی گولیاں یا ایرانی پاؤڈر ڈالنا بہت ضروری ہے .... رومن لوگوں کی صحت قابلِ رشک ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ آرام کرنا بھی جانتے تھے اور کام بھی۔ ان کی زندگی کا ایک خاص نقشہ اور شکل تھی۔ ہمارے اسکول کے ڈائرکٹر کہتے ہیں کہ نقشہ اور شکل سب سے زیادہ اہم چیز ہیں۔ جس چیز کا نقشہ بگڑ جائے بس اسے ختم سمجھیے۔ اور یہ بات ہماری روزمرّہ زندگی پر بھی صادق آتی ہے۔ (ماشا کی کمر کے گرد ہاتھ ڈالتا ہے) ماشا مجھے چاہتی ہے میری بیوی مجھے چاہتی ہے۔ ہاں قالینوں کے ساتھ بھاری پردوں کو بھی اتار کر رکھنا ہوگا۔ آج میں بہت خوش ہوں، بے انتہا خوش ہوں۔ ماشا آج ڈائرکٹر نے ہمیں چار بجے دعوت دی ہے، استادوں اور ان کے خاندانوں کے لیے شہر سے باہر سیر کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

ماشا :۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔

کولی گن :۔ ماشا۔ اے جانِ من! کیوں نہیں؟

ماشا :۔ میں تمہیں پھر کسی وقت بتا دوں گی (چڑ کر) اچھا میں چلی جاؤں گی۔ لیکن اس وقت میرا پیچھا چھوڑو۔ (دور چلی جاتی ہے)

کولی گن :۔ سیر کے بعد شام ہم لوگ ڈائرکٹر کے یہاں گزاریں گے۔ صحت کمزور ہونے کے باوجود وہ شخص دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ وہ ایک بہترین انسان ہے اور پھر بے حد روشن خیال بھی ہے۔ کانفرنس کے بعد اس نے مجھ سے کہا، میں تھک گیا ہوں" تھیوڈر میں تھک گیا ہوں۔ (گھنٹے کی طرف دیکھتا ہے پھر اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہے) تمہارا گھنٹہ سات منٹ آگے ہے .... ہاں اس نے کہا، میں تھک گیا ہوں" (اسٹیج کے پیچھے سے وائلن کی

آواز آتی ہے۔)

اولگا :۔ آئیے۔ سب لوگ آئیے۔ کھانا تیار ہے۔ آج ہم نے کھانے پر پائی بنوائی ہے۔

کولی گن :۔ آہ پیاری بہن اولگا۔ کل رات میں گیارہ بجے تک کام کرتا رہا۔ اور میں بہت تکان محسوس کررہا تھا۔ لیکن میں آج کافی خوش ہوں۔ (ہال روم میں میز کے پاس جاتا ہے) اوہ پیاری بہن اولگا

چےبوتکن :۔ (اخبار اپنی جیب میں رکھتا ہے اور اپنی داڑھی میں کنگھی کرتا ہے) اچھا پائی بہت خوب۔

ماشا :۔ (چےبوتکن سے ذرا سختی سے) یاد رکھنا ڈاکٹر۔ تم شراب بالکل نہیں پیوگے۔ تمہارے لیے زہر ہے۔

چےبوتکن :۔ بےفکر رہو۔ یہ شغل کافی عرصہ سے بند ہے۔ دو سال سے تو میں ایک بار بھی بدمست نہیں ہوا۔ (بےصبری سے) بہرحال جانِ من اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔

ماشا :۔ بہرحال آج تم پینے کی ہمت بھی نہ کرنا، مہربانی سے یہ خیال بھی نہ کرنا۔ (غصے سے لیکن مدھم آواز میں) آج پھر ڈائرکٹر کے گھر ایک ناقابلِ برداشت حد تک غیر دلچسپ شام۔ اُف خدا!

توزن باخ :۔ میں تمھاری جگہ ہوتا تو ہرگز نہ جاتا۔

چےبوتکن :۔ تم بالکل نہ جاؤ۔ جانِ من۔

ماشا :۔ کتنے اطمینان سے کہہ رہے ہو "بالکل نہ جاؤ" لعنت خدا کی اس زندگی پر۔

(کھانے کے کمرے میں جاتی ہے)

سولیونی :۔ (کھانے کے کمرے میں جاتے ہوئے) چک چک چک چک

توزن باخ :۔ بس بس، بہت ہوچکا۔

کولی گن :۔ (خوشی منانے کے انداز میں) آپ کا جامِ صحت کرنل ...... میں بھی خاندان ہی کا آدمی ہوں۔ میں ماشا کا شوہر ہوں وہ بہت ہی نیک مزاج لڑکی ہے۔ واقعی وہ بڑی پیاری لڑکی ہے۔

وارشنین :۔ (بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) مہربانی سے تھوڑی سی ووڈکا مجھے بھی (ہنستا ہے) آپ کا جامِ صحت (اولگا سے) میں آج بےحد خوش ہوں۔

(ڈرائنگ روم میں صرف ارینا اور توزن باخ ہیں)

ارینا :- ماشا آج کچھ پریشان معلوم ہو رہی ہے۔ اس نے اٹھارہ سال کی عمر میں کولی گن سے شادی کر لی تھی، اس وقت ماشا انھیں بہت قابل آدمی سمجھتی تھی۔ اب حالات بدل چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ نیک آدمی ہیں لیکن قابل تو وہ کسی طرح نہیں۔

اولگا :- (بے صبری سے) اندرے بھئی آبھی چکو۔

اندرے :- (باہر سے) ابھی آتا ہوں۔

(داخل ہوتا ہے اور میز کی طرف بڑھتا ہے)

توزن باخ :- (ارینا سے) تم کیا سوچ رہی ہو۔

ارینا :- یہ شخص سولیونی مجھے ذرا پسند نہیں۔ صرف یہی نہیں کہ مجھے اس سے ڈر محسوس ہوتا ہے، وہ جو لفظ بھی منھ سے نکالتا ہے انتہائی حماقت آمیز ہوتا ہے۔

توزن باخ :- واقعی وہ عجیب وغریب آدمی ہے۔ مجھے اس کی حالت پر افسوس بھی ہوتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔ لیکن زیادہ تر مجھے افسوس ہی ہوتا ہے۔ میرے خیال میں وہ لوگوں سے کھل نہیں سکتا۔ جب کبھی ہم لوگ اکیلے ہوتے ہیں تو وہ میرا کافی خیال کرتا ہے اور خاصی سمجھداری کی باتیں کرتا ہے۔ لیکن زیادہ لوگوں کے درمیان وہ بہت ہی وحشی اور تکلیف دہ ہوجاتا ہے ...... ابھی تھوڑی دیر اور ٹھہرو........ لوگوں کو اپنی جگہ بیٹھ جانے دو۔ میں کچھ دیر اور تمھارے قریب رہنا چاہتا ہوں...... تم کیا سوچ رہی ہو۔ (وقفہ) تم ابھی صرف بیس سال کی ہو اور میں تیس سال سے کم کا ہوں۔ ہمارے سامنے تمام زندگی ہے کتنے بہت سے سال اور ہزاروں دن ہیں اور میرا ہر دن تمھاری محبت سے معمور ہوگا۔

ارینا :- دیکھو مجھ سے محبت کے موضوع پر بات نہ کرو نکولائی۔

توزن باخ :- (اس کے الفاظ کو نظر انداز کرتے ہوئے) مجھے زندگی کی کتنی آرزو ہے۔ جدوجہد کی آرزو ہے۔ اور میری ہر آرزو کی شدت تمھاری محبت کی مرہونِ منت ہے، تم اتنی حسین و جمیل ہو شاید اسی لیے زندگی بھی حسین و جمیل معلوم ہوتی ہے۔

ارینا :- تم کہتے ہو زندگی حسین ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے یہ صرف ہماری نظر کا دھوکا ہو۔ ہم تینوں بہنوں کے لیے تو زندگی اتنی خوشگوار ثابت نہیں ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ زندگی نے ہمیں صرف کچلا ہے۔

ارے میں رونے لگی۔ بے وجہ ہی۔ (جلدی سے آنکھیں خشک کرتی ہے اور مسکراتی ہے) میں سمجھتی ہوں ہمیں کام کرنا چاہیے۔ کام اور صرف کام۔ اصل میں اس اداسی اور قنوطیت کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم نے اصل معنوں میں کام کرنا سیکھا ہی نہیں۔ ہم ایسے ماں باپ کی اولاد ہیں جنھوں نے کام کو حقیر سمجھا۔

(نتالیا اوانونا داخل ہوتی ہے۔ اس نے شوخ گلابی لباس
پہن رکھا ہے اور کمر کے گرد ایک سبز پٹی بندھی ہے۔

نتالیا:۔ سب لوگوں نے کھانا شروع کر دیا۔ مجھے واقعی بہت دیر ہو گئی۔ (ایک شیشے کے سامنے اپنا لباس درست کرتی ہے) بال تو ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔ (ارینا پر نظر پڑتی ہے) پیاری ارینا سرگی د نیا مبارک ہو (اسے ایک طویل بوسہ دیتی ہے) تمھارے ہاں کتنے بہت سے مہمان ہیں مجھے تو شرم محسوس ہوتی ہے۔ آداب عرض ہے بیرن۔

اولگا:۔ (ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے) اوہو تم ہو نتالیا اوانونا۔ کہو کیا حال ہے۔
(ایک دوسرے کو پیار کرتی ہیں)

نتالیا:۔ تمھارے ہاں کتنے بہت سے مہمان ہیں مجھے تو شرم آرہی ہے۔

اولگا:۔ ارے بھئی شرم کی کیا بات ہے، سب اپنے دوست ہی ہیں۔ (پریشانی کے لہجے میں نیچی آواز میں) ہیں تم نے یہ سبز پٹی باندھ رکھی ہے، یقیناً غلطی سے باندھ لی ہوگی۔

نتاشا:۔ کیوں کیا یہ بدشگونی کی بات ہے۔

اولگا:۔ نہیں یہ تمھارے لباس کے ساتھ بالکل نہیں جچتی۔ بہت عجیب معلوم ہوتی ہے۔

نتاشا:۔ (آنسو بھر کر) واقعی، لیکن یہ بالکل سبز تو نہیں۔ کافی گہرے کاہی رنگ کی ہے۔

(اولگا کے ساتھ میز کی طرف جاتی ہے۔ اب سب میز کے
گرد بیٹھ چکے ہیں۔ ڈرائنگ روم خالی ہے۔)

کولی گن:۔ ارینا میری یہ قطعی رائے ہے کہ اب تمھیں اپنے لیے ایک اچھے شوہر کا انتخاب کر لینا چاہیے۔ میرے خیال میں تمھیں اب بہت جلد شادی کر لینی چاہیے۔

چے بوتکن:۔ نتالیا اوانونا تمھیں بھی ایک چھوٹا سا پیارا سا شوہر تلاش کر لینا چاہیے۔

کولی گن :۔ نتالیا او انونا کی نظر میں پہلے ہی سے ایک شوہر موجود ہے۔

ماشا :۔ (کانٹا زور سے پلیٹ پر مارتی ہے) ایک جام مہربانی سے ...... ہماری اس زندگی کا جام صحت!

کولی گن :۔ ماشا تمھیں تہذیب اور رکھ رکھاؤ پر دس میں سے پانچ نمبر بھی مشکل سے ملیں گے۔

وارا شینن :۔ واقعی یہ شراب بہت اعلا درجے کی ہے۔ یہ کس چیز کی بنی ہوئی ہے؟۔

سولیونی :۔ سیاہ کھٹملوں کی۔

ارینا :۔ لاحول ولا قوۃ۔ کتنی گندی باتیں کرتے ہو۔

اولگا :۔ آج رات کھانے پر بھنی ہوئی مرغابی اور سیب کا مربہ ہوگا۔ شکر ہے آج میں دن بھر گھر پر رہ سکتی ہوں اور شام بھی یہیں گزار سکتی ہوں۔ آپ سب لوگ شام کو آئیے گا۔

وارا شینن :۔ کیا مجھے بھی حاضر ہونے کی اجازت ہے۔

ارینا :۔ ہاں ضرور، ضرور آئیے گا۔

نتالیا : ہم لوگ تکلف کے قائل نہیں۔

چے بوتکن :۔ "عشق ہی کے واسطے پیدا کیا انسان کو"

اندرے :۔ (خفگی سے) بس اب یہ باتیں بند کرو۔ کمال ہے تم تھکتے بھی نہیں۔

(فیدوتک اور رودے پھولوں کی ٹوکری لیے داخل ہوتے ہیں۔)

فیدوتک :۔ اوہو! ان لوگوں نے تو کھانا شروع کر دیا۔

رودے :۔ (اونچی آواز میں) اچھا کھانا ہو رہا ہے۔ خوب تو ان لوگوں نے کھانا شروع کر دیا۔

فیدوتک :۔ ایک منٹ ٹھہرو۔ (ایک تصویر لیتا ہے) بس ایک منٹ اور (ایک اور تصویر لیتا ہے) ایک دو۔ بس۔ ختم۔

(ٹوکری اٹھا کر وہ دونوں بال روم کی طرف جاتے ہیں، بڑے زور و شور سے ان کا خیر مقدم ہوتا ہے۔)

رودے :۔ (بلند آواز میں) مبارک ہو ارینا سرگی دینا۔ میری دلی دعائیں قبول کرو۔ آج کتنا اچھا موسم ہے۔ واقعی بے حد خوشگوار دن ہے۔ آج صبح میں بچوں کے ساتھ گھومتا رہا۔ تمھیں

معلوم ہے میں بچوں کو ورزش کی تعلیم دیتا ہوں۔

فیدوتک :۔ ارینا سرگی دینا۔ ادھر سرکنا مہربانی سے (ایک تصویر لیتا ہے) آج بہت خوب صورت معلوم ہو رہی ہو۔ جیب سے ایک لٹو نکالتا ہے۔ دیکھو اس لٹو کی آواز کتنی مزے دار ہے۔

ارینا :۔ کتنی پیاری سی چیز ہے۔

ماشا :۔ مڑے ہوئے ساحلوں پر شاہ بلوط کا ایک درخت ہے۔ اس درخت کے چاروں طرف ایک سنہری زنجیر......... میں کیوں بار بار یہ دہرا رہی ہوں۔ یہ شعر صبح سے میرے ذہن پر چھایا ہوا ہے۔

کولی گن :۔ آپ لوگوں نے غور نہیں کیا۔ اس وقت میز پر تیرہ آدمی ہیں۔

رودے :۔ (اونچی آواز میں) کیا واقعی تم ان توہمات پر یقین رکھتے ہو۔

کولی گن :۔ جب ایک میز پر تیرہ آدمی بیٹھے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ عشق کا شکار ہیں۔ ایوان رومانچ تم تو آج کل کسی کے عشق میں مبتلا نہیں ہو۔

چے بوتکن :۔ نہیں نہیں۔ میں تو صرف ایک پرانا گنہ گار ہوں۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ نتالیا اوانونا کیوں اس قدر گھبرائی ہوئی ہے۔

(بلند قہقہے۔ نتالیا ڈرائنگ روم کی طرف دوڑتی ہے۔
اندرے اس کے پیچھے آتا ہے۔)

اندرے :۔ نتالیا پیاری ان لوگوں کی باتوں کا خیال نہ کرو۔ ایک منٹ ٹھہرو۔ دیکھو۔

نتالیا :۔ مجھے اتنی شرم آرہی ہے۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے.......... سب لوگ میرا مذاق اڑا رہے ہیں، میرا میز پر سے چلا آنا عجیب سی بات تھی۔ لیکن میں کیا کرتی۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کرتی۔

اندرے :۔ پیاری دیکھو پریشان نہ ہو۔ ان لوگوں نے کسی بری نیت سے یہ باتیں نہیں کہیں۔ وہ سب اچھے لوگ ہیں اور ہم دونوں کو چاہتے ہیں۔ ادھر آؤ کھڑکی کے پاس۔ ادھر وہ لوگ ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔

نتالیا :۔ تمھیں معلوم ہے مجھے زیادہ لوگوں سے ملنے کی عادت نہیں ہے۔

اندرے :۔ واقعی تم کتنی حسین ہو۔ کتنی حسین اور نوجوان۔ میری جان۔ میری پیاری دیکھو اتنی پریشان

نہ ہو۔ میری بات کا یقین کرو۔ میں کتنا خوش ہوں۔ آہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ یہاں ہم لوگوں کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ .... ہاں کوئی نہیں۔ مجھے کیسے محبت ہوگئی میری سمجھ میں نہیں آتا...... میری پیاری معصوم لڑکی میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں......... میں نے کبھی کسی سے اتنی محبت نہیں کی، میری جان ....

(اسے بوسہ دیتا ہے)

(دو فوجی افسر داخل ہوتے ہیں۔ اندر سے اور نتالیا کو اس حالت میں دیکھ کر تعجب سے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔)

(پردہ)

دوسرا ایکٹ

(وہی کمرہ جو پہلے ایکٹ میں تھا)
(شام کے آٹھ بجے کا وقت ہے، باہر سے اکورڈین بجنے کی مدھم
آواز آرہی ہے۔ اسٹیج پر اندھیرا ہے۔ نتالیا اوانونا ڈریسنگ
گاؤن پہنے ہاتھ میں شمع لیے داخل ہوتی ہے وہ اسٹیج پار کرکے
اندریے کے کمرے کے قریب جاتی ہے۔)

نتاشا :۔ اندوشا کیا کررہے ہو، پڑھ رہے ہو، بس بس ٹھیک ہے میں تو یوں ہی ذرا دیکھنے آئی تھی (دوسرے دروازے کے پاس جاتی ہے، اسے کھول کر جھانکتی ہے اور پھر بند کردیتی ہے) خیر کسی نے روشنی تو کھلی نہیں چھوڑی۔

اندریے :۔ (ہاتھ میں کتاب لیے داخل ہوتا ہے) کیا بات ہے نتالیا۔

نتاشا :۔ میں ایسے ہی دیکھ رہی تھی کہ کسی نے روشنی تو جلی نہیں چھوڑی۔ یہ میلے کا ہفتہ ہے اور پھر نوکروں میں اس قدر جوش ہے کہ کچھ بھی ہوسکتا ہے، ان پر نظر رکھنی چاہیے۔ کل رات میں بارہ بجے کھانے کے کمرے میں گئی تو معلوم ہے کہ میں نے کیا دیکھا۔ دیکھتی کیا ہوں کہ میز پر ایک شمع جل رہی ہے مجھے اب تک معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کس کی حرکت ہے (ہاتھ سے شمع رکھ دیتی ہے) کیا وقت ہوگا۔

اندریے :۔ سوا آٹھ بجے ہیں۔

نتاشا :۔ اولگا اور ارینا اب تک باہر ہیں۔ ابھی تک کام سے واپس نہیں آئیں بے چاریاں! اولگا تو ابھی تک استادوں کی کانفرنس میں ہوگی۔ اور ارینا ڈاک خانے میں۔ (آہ بھرتی ہے) آج صبح میں نے ارینا سے کہا کہ پیاری بہن ذرا اپنا خیال رکھا کرو مگر وہ سنتی کہاں ہے کیا تم نے کہا تھا

سوا آٹھ بجے ہیں۔ مجھے بڑی فکر ہے بوبک کا جی اچھا نہیں ہے۔ معلوم نہیں اسے اتنی ٹھنڈک کیوں لگتی ہے۔ کل حرارت بھی ہو گئی تھی۔ لیکن آج میں نے اس کا بدن چھوا تو خاصا ٹھنڈا معلوم ہو رہا تھا۔ .... مجھے بڑی فکر ہے۔

اندرے :۔ سب ٹھیک ہے نتاشا۔ بچہ بالکل اچھا ہے۔

نتاشا :۔ پھر بھی میں سوچتی ہوں اسے غذا بہتر ملنی چاہیے۔ مجھے اس کی طرف سے بڑی پریشانی رہتی ہے۔ ہاں سنا ہے کہ آج ۹ بجے کے بعد یہاں کوئی کارنوال پارٹی آنے والی ہے، مگر اندرے شا میں نہیں چاہتی کہ وہ لوگ آئیں۔

اندرے :۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، ان کو خاص طور پر بلایا گیا ہے۔

نتاشا :۔ آج صبح جب میرا منا سو کر اٹھا تو وہ مجھے دیکھنے لگا، پھر ایک دم وہ مسکرایا پتہ ہے وہ مجھے پہچاننے لگا ہے۔ میں نے کہا گڈ مارننگ میرے لال ...... وہ ہنسنے لگا..... تمھیں پتہ ہے بچے سب کچھ سمجھتے ہیں........ ہاں وہ ہماری باتیں اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں۔ کچھ بھی ہو اندرے شا میں نوکروں سے کہہ دوں گی کہ کارنوال پارٹی کو اندر نہ آنے دیں۔

اندرے :۔ (غیر یقینی انداز میں) اچھا...... لیکن اس کا فیصلہ تو میری بہنیں کریں گی۔ یہ گھر تو ان ہی کا ہے۔

نتاشا :۔ ہاں ہاں گھر ان کا بھی ہے .... میں ان سے بھی کہہ دوں گی۔ ویسے وہ بہت اچھی لڑکیاں ہیں۔ (جانے لگتی ہے) میں نے کھانے کے ساتھ چھاچھ کے لیے کہہ دیا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ تمھیں چھاچھ کے علاوہ اور کچھ نہیں کھانا چاہیے۔ ورنہ تم کبھی بھی دبلے نہیں ہو سکتے۔ (رک جاتی ہے) بوبک کو بڑی سردی لگتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کمرہ اس کے لیے بہت ٹھنڈا ہے۔ اس کو کسی گرم کمرے میں رکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ارینا کے کمرے میں رکھنا، بچوں کے لیے اس سے اچھا کمرہ نہیں ہو سکتا وہ کافی گرم ہے اور اس میں دن بھر دھوپ رہتی ہے۔ اس سے کہنا چاہیے وہ کچھ دن اولگا کے کمرے میں رہ سکتی ہے۔ ویسے بھی وہ دن بھر تو اپنے کمرے میں رہتی نہیں ہے۔ بس رات کو آکر سو جاتی ہے۔ (وقفہ) اندرے شا تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔

اندرے :۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اور پھر کہنے کو ہے بھی کیا۔

نتاشا :۔ ہاں، میں تم سے کیا کہنا چاہ رہی تھی .... ٹھیک ہے..... کاؤنسل آفس سے

فیراپونٹ تم سے ملنے آیا تھا کسی کام کے سلسلے میں۔

اندرے :۔ اس سے کہہ دو کہ وہ اوپر آجائے۔

(نتاشا باہر جاتی ہے، اندرے شمع کی روشنی میں جو نتاشا چھوڑ گئی ہے، جھک کر کتاب پڑھنا شروع کرتا ہے، فیراپونٹ پھٹا پرانا کوٹ پہنے داخل ہوتا ہے۔ اس کا کالر اوپر اٹھا ہوا ہے اور کانوں پر رومال بندھا ہے۔)

فیراپونٹ :۔ صدر صاحب نے آپ کو یہ رجسٹر اور خط بھیجا ہے۔ (خط اور رجسٹر اُسے دیتا ہے)

اندرے :۔ شکریہ، ٹھیک ہے۔ لیکن تم اتنی دیر میں کیوں آئے۔ آٹھ کب کے بج چکے ہیں۔

فیراپونٹ :۔ کیا کہا۔

اندرے :۔ (اونچی آواز میں) میں نے کہا تم اتنی دیر میں کیوں آئے۔ آٹھ بج چکے ہیں۔

فیراپونٹ :۔ ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن جب میں یہاں پہنچا تو دن نہیں چھپا تھا لیکن کسی نے مجھے یہاں آنے ہی نہیں دیا کہنے لگے صاحب کام کر رہے ہیں۔ میں نے سوچا خیر کر رہے ہیں تو کرنے دو مجھے بھی کوئی ایسی جلدی نہیں ہے (یہ سمجھ کر کہ اندرے نے کچھ کہا ہے) کیا کہا۔

اندرے :۔ کچھ نہیں (رجسٹر کے ورق پلٹتے ہوئے) کل جمعہ ہے کوئی میٹنگ نہیں ہے۔ لیکن میں بہر حال دفتر جاؤں گا۔ وہیں کچھ کام کروں گا۔ گھر کی فضا کتنی اکتا دینے والی ہے۔ (وقفہ) بڑے میاں وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔ یہ زندگی بھی ایک دھوکا ہے ...... عجیب بات ہے ...... میں نے یہ کتاب اس لیے اٹھائی تھی کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کروں، میں اکتا گیا تھا۔ لیکن یہ کتاب ...... یہ تو صرف ان لکچروں کا مجموعہ ہے جو میں نے یونیورسٹی میں سنے تھے۔ اُف میرے خدا کتنی عجیب بات ہے میں ایک مقامی کاؤنسل کا سکریٹری ہوں اور پروٹوپوف صدر۔ اور اب میں زیادہ سے زیادہ کاؤنسل کا ممبر بن سکتا ہوں ایک مقامی کاؤنسل کا ممبر میں جس نے ہر رات ماسکو یونیورسٹی میں پروفیسر بننے کے خواب دیکھے تھے۔ ایک مشہور عالم فخرِ قوم پروفیسر۔

فیراپونٹ :۔ معاف کرنا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں ذرا اونچا سنتا ہوں۔

اندرے :۔ اگر تم اچھی طرح سن سکتے تو میں شاید تم سے یہ سب کچھ نہ کہتا۔ میں کسی سے بات کرنا چاہتا ہوں....... لیکن میری بیوی....... وہ میری بات نہیں سمجھتی۔ رہیں میری بہنیں سو میں ان سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ پر ہنسیں گی...... میرا مذاق اڑائیں گی۔ مجھے شراب کا شوق ہے نہ پارٹیوں کا۔ لیکن کاش میں ماسکو کے کسی بڑے ریستوراں میں ایک گھنٹہ گزار سکتا۔ ہاں میرے دوست یہ میری دلی تمنا ہے۔

فیراپونٹ :۔ ابھی کل کی بات ہے دفتر میں ایک ٹھیکہ دار بتا رہا تھا کہ ماسکو میں تاجر لوگ کلیجے کھا رہے تھے، ان میں سے ایک تاجر چالیس کلیجے کھا گیا اور پھر وہیں مر کر ڈھیر ہو گیا معلوم نہیں چالیس کلیجے کھائے یا پچاس۔ ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔

اندرے :۔ ماسکو کے کسی ریستوراں میں چلے جائیے جہاں نہ آپ کسی جانتے ہوں نہ کوئی آپ کو جانتا ہے۔ لیکن وہاں آپ کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ کریں گے۔ اور یہاں ہم سب کو جانتے ہیں اور ہر ایک ہمیں جانتا ہے، لیکن پھر بھی یہ احساس ہوتا ہے جیسے یہ جگہ اپنی نہیں ہے۔ جیسے کوئی جگہ اپنی نہیں ہے...... اُف کتنی تنہائی ہے،...... کتنی اجنبیت ہے۔

فیراپونٹ :۔ کیا کہا....... (وقفہ) اس آدمی نے مجھے یہ بھی بتایا ویسے ہو سکتا ہے گپ ماری ہو۔ کہنے لگا کہ ماسکو کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک بڑی بھاری رسّی بندھی ہوئی ہے۔

اندرے :۔ مگر کس لیے.........

فیراپونٹ :۔ معاف کرنا یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ اس نے مجھے اتنا ہی بتایا تھا۔

اندرے :۔ کیا فضول بکواس ہے۔ (کتاب پڑھنے لگتا ہے) کبھی ماسکو گئے ہو۔

فیراپونٹ :۔ (کچھ وقفہ کے بعد) نہیں خدا کی مرضی نہیں تھی....... (وقفہ) اب میں جا سکتا ہوں۔

اندرے :۔ ہاں جا سکتے ہو، خدا حافظ۔

(فیراپونٹ باہر چلا جاتا ہے)

اندرے :۔ خدا حافظ۔ صبح کو خط لینے آجانا۔ اب تم جا سکتے ہو....... (وقفہ) وہ چلا گیا۔ (گھنٹی بجتی ہے) ہاں تو یہ صورتِ حال ہے...... (انگڑائی لیتا ہے اور اپنے کمرے کی طرف

جاتا ہے۔ اسٹیج کے باہر سے گانے کی آواز آتی ہے۔ آیا بچے کو لوری دے کر سُلا رہی ہے......

(ماشا اور وارا شنین داخل ہوتے ہیں۔ ان کی باتوں کے دوران میں ایک خادمہ کر
بال روم کے لیمپ اور شمع روشن کر دیتی ہے)

ماشا :- کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ (وقفہ) کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ واقعی عادت بہت اہم چیز ہے۔ مثال کے طور پر پاپا کے انتقال کے بعد بہت دن تک ہم لوگ اس بات کے عادی نہیں ہو سکے کہ اب فوجی سپاہی ہر وقت ہماری خدمت میں حاضر نہیں رہ سکتے، خیر اس بات سے قطع نظر میرا تو اب بھی یہی خیال ہے...... ہو سکتا ہے دوسرے شہروں کے حالات مختلف ہوں۔ مگر یہاں تو فوجی لوگ ہی سب سے زیادہ معقول، مہذب اور نیک دل ہیں۔

وارا شنین :- بڑی پیاس لگی ہے اگر اس وقت ایک گلاس چائے مل جائے تو بہت اچھا ہو۔

ماشا :- (گھڑی دیکھ کر) بس آتی ہی ہو گی...... اب دیکھیے میری شادی اس وقت کر دی گئی جب میں صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ اس وقت میں اپنے شوہر سے بے حد مرعوب تھی۔ کیوں کہ وہ اسکول ماسٹر تھے اور میں نے بس اسکول پاس کیا تھا وہ مجھے بہت قابل معلوم ہوتے تھے۔ بے حد عقل مند اور اہم .... لیکن اب...... اب معاملہ برعکس ہے .... بدقسمتی سے۔

وارا شنین :- ہاں...... سمجھا........

ماشا :- اپنے شوہر سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔ میں اب ان کی عادی ہو گئی ہوں۔ لیکن یہاں عام لوگوں میں غیر مہذب اور غیر دل چسپ لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے اور پھر ان لوگوں کی بے جا دخل اندازی........ جہالت اور گنوار پن سے مجھے بے حد کوفت ہوتی ہے۔ اس قسم کی باتوں سے مجھے اپنی توہین محسوس ہوتی ہے۔ جب کسی ایسے آدمی سے ملتی ہوں جس میں تہذیب و شائستگی نہ ہو تو مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً جب میں اپنے شوہر کے دوستوں کے ساتھ ہوتی ہوں جو اسکول کے ماسٹر ہیں، تو میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔

وارا شنین :- ہاں واقعی...... لیکن میں سوچتا ہوں کہ اس چھوٹے سے قصبے میں تو فوجی اور عام شہری یکساں طور پر غیر دلچسپ ہوں گے۔ دونوں میں کوئی خاص فرق تو معلوم نہیں ہوتا۔ اگر آپ کسی تعلیم یافتہ آدمی سے بات کیجیے خواہ وہ فوجی ہو یا عام شہری تو وہ یہی کہے گا وہ تھکا ہوا

ہے...... زندگی سے بیزار ہے...... وجہ خواہ کچھ بھی ہو، بیوی یا گھر جائیداد یا گھوڑا، ..... ہم روسی کتنے اونچے خیالات کے اہل ہیں، پھر عملی زندگی میں آخر ہمارے مقاصد اتنے پست کیوں ہیں.... آخر کیوں۔

ماشا:۔ سوال تو یہی ہے...... آخر کیوں۔

وارشنین:۔ آخر کیوں انسان کے بیوی بچے اسے زندگی سے بیزار کر دیتے ہیں۔ یا پھر بعض صورتوں میں کیوں انسان اپنے بیوی بچوں کو زندگی سے بیزار کر دیتا ہے۔

ماشا:۔ آج آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں آخر کیوں۔

وارشنین:۔ ہاں شاید رات میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ آج صبح سے بھی کچھ نہیں کھایا۔ میری ایک بچی کی طبیعت خراب ہے اور جب بچیاں بیمار ہوتی ہیں تو میں بہت پریشان ہو جاتا ہوں۔ اس جرم کا احساس ہوتا ہے کہ میں نے انھیں ایسی ماں کیوں دی...... اُف اگر تم آج صبح دیکھتیں کہ کس قدر قابلِ نفرت عورت ہے...... سات بجے ہم دونوں میں لڑائی شروع ہوئی اور نو بجے آخر بیزار ہو کر میں وہاں سے چلا آیا۔ وہ اس وقت بھی چلا رہی تھی..... (وقفہ).... ان باتوں کے متعلق میں کبھی اتنی آسانی سے بات نہیں کر سکتا..... کتنی عجیب بات ہے ایک تم ہی ایسی انسان ہو جس سے میں اپنے دل کی بات کر سکتا ہوں اور شکایت کی جرأت کر سکتا ہوں۔ (اس کا ہاتھ چومتا ہے) مجھ سے خفا نہ ہونا۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں...... کوئی نہیں...... سوائے تمہارے..... (وقفہ)۔

ماشا:۔ چمنی میں ہوا کسی سائیں سائیں کر رہی ہے۔ جس وقت پاپا کا انتقال ہوا، اس وقت بھی یہی عالم تھا...... بالکل یہی۔

وارشنین:۔ کیا تم توہم پرست ہو۔

ماشا:۔ ہاں!

وارشنین:۔ کتنی عجیب بات ہے۔ (اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) تم کتنی غیر معمولی ہو..... دلکش اور حسین...... یہاں کافی اندھیرا ہے مگر میں تمہاری آنکھوں کی حسین چمک دیکھ سکتا ہوں۔

ماشا :۔ (دوسری کرسی کے قریب جاتے ہوئے) یہاں کچھ روشنی ہے۔

واراشنین :۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے...... تم سے محبت ہے۔ مجھے تمہاری آنکھوں سے عشق ہے۔ تمہاری چال سے، تمہارے جسم کی ایک ایک جنبش سے۔ میں انہیں کے خواب دیکھتا ہوں۔ تم کتنی حسین، دلکش اور غیر معمولی ہو۔

ماشا :۔ (ہنستی ہے) جب تم ایسی باتیں کرتے ہو تو نہ معلوم کیوں مجھے ہنسی آتی ہے..... لیکن میں ڈرتی بھی ہوں (ہنستے ہوئے زیرِلب) لیکن نہیں...... کہو...... ضرور کہو..... مجھے برا نہیں لگتا۔ (دونوں ہاتھوں سے اپنا منھ چھپالیتی ہے)...... مجھے برا نہیں لگتا۔ کوئی آرہا ہے۔ کوئی اور بات کریں۔

(ارینا اور توزن باخ بال روم کی طرف سے داخل ہوتے ہیں)

توزن باخ :۔ میرا نام ذرا لمبا چوڑا ہے۔ بیرن توزن باخ کرون الشبتر۔ لیکن اصل میں میں روسی ہوں۔ قدیم یونانی عقیدے کے مطابق میرا بپتسمہ ہوا تھا جیسا کہ تمہارے ہاں ہوتا ہے۔ اور پھر مجھ میں کوئی ایسی جرمن خصوصیت بھی نہیں ہے۔ سوائے اس صبر اور مستقل مزاجی کے جس سے میں تمہاری محبت جیتنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ دیکھو، کس طرح میں روز شام کو تم کو گھر تک چھوڑنے آتا ہوں۔

ارینا :۔ میں کس قدر تھک گئی ہوں۔

توزن باخ :۔ میں اسی طرح ہر روز تمھیں لینے کے لیے ڈاک خانے جاسکتا ہوں۔ چاہے اس طرح بیس سال اور گزر جائیں۔ جب تک تم خود مجھے نہ دھتکار دو۔ (ماشا اور واراشنین پر نظر پڑتی ہے۔ خوشی ہوکر) او ہو، آپ لوگ ہیں، کہیے کیا حال ہے۔

ارینا :۔ خیر کسی طرح میں گھر تو پہنچی...... آخر کار..... (ماشا سے) میرے روانہ ہونے سے پہلے ایک عورت ڈاک خانے آئی تھی۔ اس کے بچے کا کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اپنے بھائی کو تار دلوانا چاہتی تھی۔ لیکن اسے کسی طرح اپنے بھائی کا پتہ ہی نہیں یاد آرہا تھا۔ مجبوراً ہمیں وہ تار سارا توف بغیر پتہ کے ہی بھیجنا پڑا۔ وہ رو رہی تھی بے چاری۔ لیکن میں نے اس کے ساتھ بڑی رکھائی برتی..... بالکل بے وجہ میں نے کہا..... میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے..... کتنی عجیب بات تھی..... آج کارنوال پارٹی بھی تو آرہی ہے.... ہیں۔

ماشا :۔ ہاں۔

ارینا :۔ (بیٹھ جاتی ہے) کتنا اچھا لگتا ہے آرام سے بیٹھنا ..... میں بہت تھک گئی ہوں۔

توزن باخ :۔ (مسکراکر) تم کام سے واپس آتی ہو تو نہ معلوم کیوں اتنی کم عمر معلوم ہوتی ہو ..... اتنی معصوم اور قابلِ رحم .... (وقفہ)

ارینا :۔ میں تھک گئی ہوں ...... ڈاک خانے میں کام کرنا مجھے پسند نہیں۔ قطعی پسند نہیں۔

ماشا :۔ تم کچھ دبلی ہو گئی ہو۔ (سیٹی بجاتی ہے) کم عمر بھی لگنے لگی ہو۔ تمہارا چہرہ بالکل لڑکوں کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

توزن باخ :۔ یہ تو بالوں کے اسٹائل کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔

ارینا :۔ مجھے کوئی اور کام تلاش کرنا چاہیے۔ اس کام میں میرا دل نہیں لگتا۔ یہ وہ کام نہیں جس کی مجھے آرزو تھی۔ میں نے جس کے خواب دیکھے تھے اس کے لیے تو کسی ولولے اور جوش کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں۔

(نیچے سے کسی کے کھٹ کھٹانے کی آواز آتی ہے)

یہ ڈاکٹر کھٹ کھٹا رہے ہیں۔ (توزن باخ سے) ذرا تم جواب دے دو۔ میں نہیں دے سکتی میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔

توزن باخ :۔ (جواباً زمین کھٹ کھٹاتا ہے)

ارینا :۔ وہ لوگ بس اوپر آتے ہی ہوں گے۔ ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہیے۔ اندرے اور ڈاکٹر کل کلب گئے تھے اور تاش میں پھر ہار گئے۔ سنا ہے اندرے دو سو روبل ہارا ہے۔

ماشا :۔ (بے تعلقی سے) پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ارینا :۔ اسی طرح دو ہفتے پہلے بھی ہارا تھا۔ اور اس سے پہلے دسمبر میں ہارا تھا۔ میں تو دعا کرتی ہوں کہ وہ اسی طرح گھر کی ہر چیز ہار جائے۔ اور بہت جلدی ہار جائے۔ پھر شاید ہم یہ گھر اور یہ شہر چھوڑ سکیں ..... خدایا میں تو ہر بات میں ماسکو کے خواب دیکھتی ہوں۔ بعض دفعہ تو ایسا لگتا ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ (ہنستی ہے) ہم جون میں ماسکو جا رہے ہیں نا۔ کتنے مہینے باقی ہوں گے۔ فروری، مارچ۔ اپریل۔ مئی۔ افوہ تقریباً آدھا سال ہے۔

ماشا :۔ مگر ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ نتاشا کو اس کے ہارنے کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلے۔

ارینا :۔ میرے خیال میں اسے اس کی پرواہ بھی نہیں۔

(چے بوتکن داخل ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد ابھی سو کر اٹھا ہے۔ وہ اپنی داڑھی میں کنگھی کرتا ہے، اس کے بعد ایک میز کے قریب بیٹھ کر ایک اخبار دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔)

ماشا :۔ لیجیے وہ موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جناب نے ابھی تک کرایہ بھی ادا کیا ہے یا نہیں۔

ارینا :۔ (ہنستی ہے) بالکل نہیں پچھلے آٹھ مہینے سے ایک کوڑی نہیں دی۔ میرے خیال میں اب تو یہ بھول بھی چکے ہوں گے۔

ماشا :۔ (ہنستی ہے) کس قدر سنجیدگی سے بیٹھے ہوئے ہیں مولانا۔

(سب لوگ ہنستے ہیں)

ارینا :۔ الیگزینڈر اگن تی وچ! آپ اتنے خاموش کیوں ہیں۔

وارا شنین :۔ پتہ نہیں...... ویسے اس وقت چائے کی بڑی شدید خواہش ہے۔ ایک گلاس چائے کے لیے تو شاید اس وقت جان بھی دے سکتا ہوں۔ صبح سے میں نے کچھ نہیں کھایا۔

چے بوتکن :۔ ارینا سرگی وینا۔

ارینا :۔ ہاں کیا بات ہے۔

چے بوتکن :۔ ذرا ادھر آؤ، یہاں بیٹھ جاؤ۔ (ارینا اس کے پاس جاتی ہے اور میز کے قریب بیٹھ جاتی ہے) تمہارے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا۔ (ارینا PATIENCE کھیلنے کے لیے پتے لگاتی ہے۔)

وارا شنین :۔ جب چائے ملنے کی تو کوئی امید نہیں۔ کیوں نہ کچھ فلسفیانہ باتیں ہی کی جائیں۔

توزن باخ :۔ ہاں ضرور کس موضوع پر۔

وارا شنین :۔ ہاں کس موضوع پر، آئیے یہ تصور کرنے کی کوشش کریں کہ ہمارے بعد زندگی کس قسم کی ہوگی یعنی دو تین سو سال بعد۔

توزن باخ :۔ ٹھیک ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ لوگ اس وقت غباروں میں اڑتے پھریں گے۔ اور کوٹوں کی تراش خراش مختلف ہوگی۔ ایک چھٹی حس دریافت کر لی جائے گی اور ہو سکتا ہے

اس کا کچھ فائدہ بھی اٹھایا جانے لگے۔ لیکن زندگی بنیادی طور پر ایسی ہی رہے گی۔ وہ اس وقت بھی ایک راز ہو گی۔ مشکلوں اور مسرّتوں سے پُر۔ ایک ہزار سال بعد بھی لوگ اسی طرح آہیں بھریں گے اور کہیں گے "آہ یہ زندگی کس قدر دشوار ہے" اس وقت بھی لوگ اسی طرح موت سے ڈریں گے اور اس سے بچنے کی کوشش کریں گے۔

وارا شنین :- ہاں ...... لیکن کس طرح اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں رفتہ رفتہ ایک تغیر ہو رہا ہے۔ اور یہ تبدیلی خود ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہے۔ دو تین سو سال ...... یا ہو سکتا ہے، ایک ہزار سال بعد ...... بہرحال اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ زندگی مختلف ہو گی اور پُر مسرت۔ ظاہر ہے اس وقت ہم نہیں ہوں گے ...... لیکن ہم اسی کے لیے زندہ ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد اس مسرّت بھری زندگی کی تخلیق ہے .... ہماری محنت اور ہماری تکلیفیں سب اسی لیے ہیں کہ ہم اس خوب صورت زندگی کی تشکیل میں حصہ لے سکیں۔

(ماشا آہستہ سے ہنستی ہے)

توزن باخ :- تم کس بات پر ہنس رہی ہو۔

ماشا :- معلوم نہیں کیوں، لیکن آج میں دن بھر اسی طرح ہنستی رہی ہوں۔

وارا شنین :- میں نے بھی اسی اسکول میں تعلیم پائی ہے جس میں آپ نے۔ لیکن اس کے بعد میں نے فوجی اکیڈمی میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ میں نے مطالعہ بہت کیا ہے لیکن میں کتابوں کا صحیح انتخاب نہیں کر سکتا۔ اور غالباً میں نے بہت سی ایسی چیزیں پڑھی ہیں جو بے کار اور بے معنی تھیں لیکن جوں جوں عمر بڑھتی جا رہی ہے، علم کی پیاس بھی بڑھ رہی ہے۔ میرے بال سفید ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ اور میں خاصا بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن میرا علم محدود ہے۔ اُف کس قدر محدود ہاں ایک بات میں جانتا ہوں جو نہ صرف زندگی کی حقیقت ہے بلکہ ایک بہت اہم حقیقت ہے اور اس کا مجھے پورا یقین ہے۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ زندگی کی مسرتیں ہمارے لیے نہیں ہیں۔ نہ ہونی چاہئیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ ہمیں تو بس کام کرنا ہے اور جہاں تک خوشی کا سوال ہے وہ آنے والی نسلوں کا حصہ ہے۔ (وقفہ) لیکن خیر اگر ہمیں اس زندگی میں خوشی میسّر

نہیں ہوئی تو ہماری اولاد کی اولاد کو تو ہوگی۔

(فیدوتک اور رودے کھانے کے کمرے کی طرف سے داخل ہوتے ہیں، وہ بیٹھ کر آہستہ آہستہ گانے لگتے ہیں۔ ان میں سے ایک گٹار بجاتا ہے۔)

توزن باخ :۔ آپ کے کہنے کے مطابق تو ہم اس زندگی میں مسرت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ میں بہت خوش ہوں

واراشنین :۔ مجھے معلوم ہے کہ تم خوش نہیں ہو۔

توزن باخ :۔ (اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتا ہے اور ہنستا ہے) یہ بات صاف ہے کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں کیسے یقین دلاؤں۔ (ماشا ہنستی ہے۔ توزن باخ اسے انگلی سے چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے) اچھا ہنسے جاؤ (واراشنین سے) نہ صرف دو تین سو سال بعد بلکہ ایک کروڑ سال بعد بھی زندگی ایسی ہی رہے گی جیسی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ زندگی کبھی نہیں بدلتی، ہمیشہ ایک ہی راستہ پر چلتی رہتی ہے۔ اس کے اپنے قانون ہیں جس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ کم سے کم ہم انھیں سمجھ نہیں سکتے۔ ان چڑیوں کے بارے میں سوچیے جو سردی کے موسم میں کہیں اور چلی جاتی ہیں مثلاً بگلے جو ہمیشہ اڑتے رہتے ہیں انھیں اس سے مطلب نہیں کہ ان کے دماغ میں کس قسم کے خیالات ہیں۔ اونچے یا معمولی مگر وہ ہمیشہ اڑتے رہتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کیوں اڑ رہے ہیں۔ چاہے فلسفی اُسے کوئی معنی پہنائیں، انھیں اس فلسفے سے کوئی غرض نہیں۔ انھیں تو بس اڑنے سے کام ہے۔

ماشا :۔ لیکن کیا اس میں ایک معنی پنہاں نہیں۔

توزن باخ :۔ معنی دیکھو وہ باہر برف باری ہو رہی ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں۔

(وقفہ)

ماشا :۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ ہر انسان کا کوئی نہ کوئی عقیدہ ہونا چاہیے یا کم سے کم وہ ایک عقیدے کی تلاش کرے اس کے بغیر یہ زندگی ایک خلا ہے۔ ایک کبھی نہ پُر ہونے والا خلا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم زندہ رہیں اور یہ نہ جانیں کہ بگلے کیوں اڑتے ہیں، بچے کیوں پیدا ہوتے ہیں۔ آسمان پر ستارے کیوں جھلملاتے ہیں...... اگر انسان کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کیوں زندہ ہے تو زندگی

حقیر ہے..... حقیر اور بے معنی.......

وارا شنین :۔ بہر حال مجھے اس کا افسوس ضرور ہے کہ میری جوانی گزر گئی۔

ماشا :۔ گوگول نے ایک جگہ کہا ہے "دوستو یہ زندگی بڑی اکتا دینے والی ہے۔"

توزن باخ :۔ اور میرا دل چاہتا ہے کہوں "دوستو تم سے بحث کرنا فضول ہے" میں نے تو ہاتھ اٹھائے۔

چے بوتکن :۔ (اخبار سے پڑھتا ہے) بالزاک کی شادی بردی شیو میں ہوئی تھی۔

(ارینا آہستہ آہستہ گنگناتی ہے)

چے بوتکن :۔ "اسے لکھ لینا چاہیے" (لکھتے ہوئے) بالزاک کی شادی بردی شیو میں ہوئی تھی۔

(پڑھنا شروع کر دیتا ہے)

ارینا :۔ (تاش کھیلتے ہوئے سوچنے کے انداز میں) بالزاک کی شادی بردی شیو میں ہوئی تھی۔

توزن باخ :۔ بہر حال اب تو موقع ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ (ماشا سے) تمہیں معلوم ہے کہ میں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔

ماشا :۔ ہاں میں نے سنا تھا۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ کم سے کم مجھے تو عام شہری پسند نہیں۔

توزن باخ :۔ خیر کوئی بات نہیں۔ (کھڑا ہوتا ہے) ذرا دیکھو تو میں کس قسم کا سپاہی ہوں۔ میرا قد و قامت، صورت شکل، کیا چیز اس عہدے کے لیے موزوں ہے۔ خیر اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں کام کروں گا۔ میں اسی طرح جان توڑ کر محنت کرنا چاہتا ہوں کہ جب میں کام سے واپس آؤں تو تھک کر بستر پر گر پڑوں۔ اور سو جاؤں (ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے) کام کرنے والے لوگ کتنی گہری نیند سوتے ہوں گے۔

فیدوتک :۔ دیکھو ارینا میں تمہارے لیے کریے اون اور یہ قلم تراش لایا ہوں۔ یہ میں نے ماسکو اسٹریٹ میں خریدے تھے۔

ارینا :۔ تم مجھے ابھی تک بالکل چھوٹی بچی سمجھتے ہو۔ (اس کے ہاتھوں سے رنگوں کا ڈبہ لیتی ہے) کتنے پیارے ہیں۔

فیدوتک :۔ اور یہ دیکھو میں اپنے لیے ایک خاص قسم کا چاقو لایا ہوں۔ دیکھو یہ اس کا ایک بلیڈ ہے، یہ دوسرا اور یہ تیسرا۔ اس طرف سے کان کا میل نکالا جا سکتا ہے اور یہاں سے ناخون کاٹے جا سکتے

ہیں۔ اور یہ حصہ ناخون صاف کرنے کے لیے ہے۔

رودے :۔ (چے بوتکن سے بلند آواز میں) ڈاکٹر تمہاری کیا عمر ہوگی۔

چے بوتکن :۔ میری......۳۲ سال!

(سب ہنستے ہیں)

فیدوتک :۔ آج میں آپ لوگوں کو ایک خاص قسم کا PATIENCE دکھاؤں گا۔ (کارڈ لگاتا ہے)

(ایک نوکر سماوار لاتا ہے۔ اس کے ساتھ انفیسا آتی ہے اور میز پر چائے کے برتن لگانا شروع کردیتی ہے۔ کچھ دیر بعد نتاشا داخل ہوتی ہے اور میز کے ارد گرد مصروف نظر آنے کی کوشش کرتی ہے۔ سولیونی داخل ہوتا ہے۔ وہ سر کے اشارے سے سب کو سلام کرتا ہے اور میز کے قریب بیٹھ جاتا ہے)

واراشنین :۔ کتنی تند ہوا ہے۔

ماشا :۔ ہاں میں تو اس سردی سے تنگ آچکی ہوں۔ اب تو میں بھول بھی گئی ہوں کہ گرمی کیسی ہوتی ہے۔

ارینا :۔ (تاش کھیلتے ہوئے) بس اب بات بننے والی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم ضرور ماسکو جائیں گے۔

فیدوتک :۔ نہیں بالکل چوپٹ ہوگیا۔ دیکھو یہ تمہارا اٹھا حکم کے پتے سے پٹ گیا۔ (ہنستا ہے) اس کا مطلب ہے کہ تم ماسکو نہیں جاؤ گی۔

چے بوتکن :۔ (اخبار پڑھتے ہوئے) ترت زی کار۔ یہاں آج کل چیچک پھیلی ہوئی ہے۔

انفیسا :۔ (ماشا کے قریب آکر) آؤ ماشا بیٹی چائے پی لو۔ (واراشنین سے) آیئے جناب، آپ بھی چائے پی لیجیے۔ معاف کیجیے گا اس وقت آپ کا نام نہیں یاد آرہا ہے۔

ماشا :۔ نانی بوا مجھے تو یہیں چائے دے دو، میں وہاں نہیں جاتی۔

ارینا :۔ نانی بوا۔

انفیسا :۔ آئی ابھی آئی۔

نتاشا :۔ (سولیونی سے) تمہیں پتہ ہے کہ اگر اچھی طرح بات کی جائے تو گود کے بچے بھی سمجھ جاتے ہیں۔ آج ہی میں نے بوبک سے کہا کیا بات ہے میرے بچے کیا بات ہے میرے لال۔ اور اس نے ایسی پیاری طرح سے میری طرف دیکھا معلوم ہوتا تھا کہ سب سمجھ گیا ہے۔ تم شاید سمجھو کہ میں ماں ہوں، اس لیے کہہ رہی ہوں، لیکن واقعی وہ بہت غیر معمولی بچہ ہے۔

سولیونی :۔ اگر وہ میرا بچہ ہوتا تو میں اسکو کڑھائی میں ڈال کر تل کر کھا جاتا۔ (اپنی پیالی اٹھا کر ڈرائنگ روم کی طرف جاتا ہے اور کونے کی ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔)

نتاشا :۔ (دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیتی ہے) اف تم کس قدر بد تمیز اور وحشی انسان ہو۔

ماشا :۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لیے بدلتے ہوئے موسم کوئی معنی نہیں رکھتے جنھیں یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کب جاڑا آیا اور کب گرمی۔ اگر میں ماسکو میں ہوتی تو میں بھی اسی طرح موسم کی تبدیلی سے بے نیاز رہتی۔

وارشینن :۔ آج کل میں ایک فرانسیسی سیاست داں کی ڈائری پڑھ رہا ہوں۔ جو اس نے قید میں لکھی تھی۔ اسے پناما کے جھگڑے کے سلسلے میں قید کیا گیا تھا۔ اس نے بڑے ذوق و شوق اور گہرے جذبات کے ساتھ ان چڑیوں کا ذکر لکھا ہے جنھیں وہ قید خانے کی کھڑکی سے اڑتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ وہی چڑیاں جن کو اس نے اپنی وزارت کے دوران میں کبھی دیکھا بھی نہ تھا اور ظاہر ہے کہ آزاد ہونے کے بعد بھی انھیں پھر کبھی نہیں دیکھا بالکل اسی طرح جب تم ماسکو میں ہوگی تو ماسکو اپنی چمک دمک کھو بیٹھے گا۔ مسرتوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ خوشیاں کبھی حاصل نہیں کی جا سکتیں، ہم صرف ان کی آرزو کرتے ہیں، ان کے خواب دیکھتے ہیں۔

توزن باخ :۔ (میز پر سے ایک ڈبہ اٹھا کر دیکھتا ہے) ارے بھئی سب چاکلیٹ کیا ہوئے۔

ارینا :۔ وہ سب سولیونی نے کھا لیے۔

توزن باخ :۔ ارے سب کے سب۔

انفیسا :۔ (وارشینن کو چائے دیتے ہوئے) آپ کے لیے ایک خط ہے جناب (خط دیتی ہے)۔

وارشینن :۔ میرے لیے؟ (لیتا ہے) یہ تو میری بچی کا خط ہے۔ (پڑھتا ہے) ہاں ظاہر ہے ...... معاف کرنا ماریا سرگی وینا اس وقت مجھے جانا پڑے گا۔ میں خاموشی سے چلا جاتا ہوں۔ اس وقت چائے بھی نہیں پی سکتا (پریشان اور جھنجلایا ہوا اٹھتا ہے) وہی پرانا قصہ۔

ماشا :۔ کیا بات ہے؟ کوئی راز نہ ہو تو.......

وارشینن :۔ میری بیوی نے پھر زہر کھا لیا ہے۔ مجھے جانا چاہیے۔ میں سب سے آنکھ بچا کر چلا جاتا ہوں۔ (ماشا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) میری پیاری، میری دوست...... میں اسی راستے سے چلا

جاؤں گا۔ خاموشی سے (باہر جاتا ہے)

انفیسا :۔ ارے یہ صاحب کہاں چلے گئے۔ میں تو ابھی ان کے لیے چائے لائی تھی بڑے عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

ماشا :۔ خدا کے لیے میری جان چھوڑ دو۔ ہر وقت کیوں پریشان کرتی ہو۔ ایک منٹ سکون نہیں ملتا، میں تو تنگ آگئی اس بڑھیا سے۔

انفیسا :۔ تم کیوں غصہ ہو گئیں۔ بیٹی میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔

اندرے :۔ (باہر سے آواز دیتا ہے) انفیسا۔

انفیسا :۔ (اس کی نقل اتارتے ہوئے) انفیسا۔ ہر وقت ایک کونے میں گھسا بیٹھا رہتا ہے — (باہر جاتی ہے۔)

ماشا :۔ (ہال روم میں میز کی طرف جاتی ہے۔ جھنجھلائی ہوئی ہے) مجھے کہیں تو بیٹھنے دو۔ (میز پر لگے ہوئے تاشوں کو غصے میں ملا دیتی ہے) تمام میز تاشوں سے گھیر رکھی ہے۔ آخر تم لوگ چائے کیوں نہیں پیتے۔

ارینا :۔ اتنی بدمزاجی کیوں کرتی ہو ماشا۔

ماشا :۔ اگر میں بدمزاج ہوں تو مجھ سے بات نہ کرو۔ مجھ سے مطلب نہ رکھو۔

چے بوتکن :۔ (ہنستا ہے) ان سے مطلب نہ رکھو۔ ہاں بھئی یاد رکھنا ان سے تمہارا کوئی مطلب نہیں ہے۔

ماشا :۔ ساٹھ سال کی عمر ہو گئی۔ لیکن ابھی تک بچوں والی حرکتیں نہیں گئیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی فضول کام میں الجھے رہتے ہیں۔

نتاشا :۔ (آہ بھر کر) پیاری ماشا۔ تمہیں اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔ دیکھو تم کتنی خوب صورت ہو۔ اگر تم اس قسم کی باتیں نہ کرو تو بڑی سے بڑی محفل میں سب لوگوں کو متاثر کر سکتی ہو۔ میرا واقعی یہی خیال ہے۔ EXCUSE ME MARIE YOUR MANNERS ARE RATHER CRUDE

توزن باخ :۔ (ہنسی روکتے ہوئے) ارے بھئی ذرا وہ دینا۔ وہ وہ مہربانی سے ادھر سرکا دو کیا ہے۔

نتاشا :۔ نہ جانے میرا بوبک کیسا ہے، میرے خیال میں جاگ رہا ہو گا۔ ذرا جا کر اسے دیکھتی ہوں (جاتی ہے)

PERHAPS MY LITTLE SON IS STILL AWAKE

ارینا :۔ ارے الگزندر اگناتی وچ کہاں چلے گئے۔

ماشا :۔ وہ اپنے گھر گئے ہیں، ان کی بیوی نے آج پھر کوئی فضول حرکت کی ہے۔

توزن باخ :۔ (کونیاک کی بوتل لے کر سولیونی کی طرف جاتا ہے) تم ہمیشہ اکیلے بیٹھے کچھ سوچا کرتے ہو اور دل ہی دل میں کڑھا کرتے ہو لیکن تم کڑھتے کس بات پر ہو یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آؤ اب ہم صلح کر لیں اور مل کر کونیاک پئیں۔ (پیتے ہیں) ہو سکتا ہے کہ آج پوری رات پیانو بجاتے گزرے۔ ظاہر ہے کہ بے کار قسم کی دھنیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔

سولیونی :۔ تم نے یہ کیوں کہا کہ صلح کر لیں ہم لوگوں میں لڑائی تو نہیں ہوئی۔

توزن باخ :۔ تمہاری باتوں سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کے درمیان کوئی نہ کوئی رکاوٹ ہے۔ تم واقعی ایک عجیب وغریب آدمی ہو۔

سولیونی :۔ (گاتا ہے)

کون ہے جو نہیں عجیب وغریب
اپنے غصّہ کو تھوک دو پیارے

توزن باخ :۔ غصّہ تھوکنے کا یہاں کیا تک ہے۔

سولیونی :۔ جب میں کسی ایک آدمی کے ساتھ ہوتا ہوں تو ٹھیک رہتا ہوں لیکن بڑی محفل میں جھجک اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہوں۔ اور فضول بکواس کرنے لگتا ہوں۔ لیکن پھر بھی میں بہت سے لوگوں سے زیادہ ایماندار اور نیک نیت ہوں۔ میں یہ ثابت کر سکتا ہوں۔

توزن باخ :۔ مجھے اکثر تم پر غصّہ آتا ہے۔ کیونکہ جب بھی ہم کسی محفل میں ہوتے ہیں تم کسی نہ کسی بات پر مجھ سے الجھ پڑتے ہو۔ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی وجہ سے تم مجھے پسند ہو۔ آج رات میں اتنا پینا چاہتا ہوں کہ مدہوش ہو جاؤں۔ آؤ ایک جام اور پئیں۔

سولیونی :۔ ہاں ضرور۔ مجھے تم سے کوئی ذاتی مخالفت نہیں ہے بیرن۔ لیکن میری طبیعت لرمنتوف جیسی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ میری صورت بھی لرمنتوف سے ملتی جلتی ہے۔ (اپنی جیب سے سینٹ کی ایک شیشی نکال کر ہاتھوں پر چھڑکتا ہے)۔

توزن باخ :۔ میں نے استعفادے دیا ہے۔ بس چھٹی ہوئی میں پانچ سال سے اس مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ اور آخر کار میں نے یہ فیصلہ کر ہی لیا۔ اب میں کام کروں گا۔

سولیونی :۔ اپنے غصّے کو تھوک دو پیارے اپنے خوابوں کو ساتھ لے جاؤ

(اس گفتگو کے دوران میں اندرے خاموشی سے داخل ہوتا ہے۔
اس کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جسے وہ شمع کے سامنے بیٹھ کر
پڑھتا ہے۔)

توزن باخ: میں اب کام کروں گا۔

چے بوتکن: (ارینا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے) اور جو کھانا مجھے پیش کیا گیا وہ کوہ قاف کا مخصوص کھانا تھا۔ پیاز کا شوربہ اور اس کے بعد چنخارتمہ۔ یہ ایک طرح کا گوشت کا سالن ہوتا ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہوگا۔

سولیونی: چخارتمہ گوشت بالکل نہیں ہوتا، یہ ایک طرح کا نٹھ ہوتی ہے، پیاز جیسی۔

چے بوتکن: نہیں نہیں عزیز من۔ چخارتمہ پیاز کی قسم کی چیز نہیں بلکہ بکری کا بھنا ہوا گوشت ہوتا ہے۔

سولیونی: میں کہتا ہوں چخارتمہ ایک قسم کی پیاز ہوتی ہے۔

چے بوتکن: خیر اب میں تم سے کیا بحث کروں نہ تم کبھی کوہ قاف گئے ہو اور نہ تم نے چخارتمہ چکھا ہے۔

سولیونی: میں نے اس لیے نہیں چکھا کہ میں اس کی بو برداشت نہیں کرسکتا۔ اس میں بالکل لہسن کی سی بو آتی ہے۔

اندرے: (منت سے) اس قصّے کو ختم کرو، دوستو! خدا کے لیے ختم کرو۔

توزن باخ: کارنوال پارٹی کب آرہی ہے۔

ارینا: انھوں نے ۹ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اب آتے ہی ہوں گے۔

توزن باخ: (اندرے کے گلے میں باہیں ڈال کر گاتا ہے)

"میرا ننھا سا منّا سا پیارا سا گھر"

اندرے: (گاتا ہے اور ناچنے لگتا ہے)

"میرا پیارا سا گھر"

جس کی دیواروں پر عشقِ پیچاں کی بیلیں چڑھی ہیں"

چے بوتکن: (ناچتے ہوئے گاتا ہے)

"میرا منّا سا گھر"

جس کے دروازے پر بیل بوٹے بنے ہیں"

میرا ننھا سا منا سا پیارا سا گھر،

(سب ہنستے ہیں)

توزن باخ :- (اندرے کو پیار کرتا ہے) آؤ ایک جام اور پئیں۔ اور سب باتوں کو بھول جائیں۔ آؤ آؤ آج ہم دوامی دوستی کا جام پئیں۔ اندروشا جب تم ماسکو یونیورسٹی جاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

سولیونی :- کون سی یونیورسٹی، ماسکو میں دو یونیورسٹیاں ہیں۔

اندرے :- نہیں وہاں صرف ایک یونیورسٹی ہے۔

سولیونی :- میں کہتا ہوں دو ہیں۔

اندرے :- خیر کوئی بات نہیں۔ تین سہی۔ جتنی زیادہ ہوں گی اچھا ہی ہے۔

سولیونی :- نہیں۔ ماسکو میں دو یونیورسٹیاں ہیں۔

(احتجاج کی دبی دبی صدائیں سنائی دیتی ہیں)

ماسکو میں دو یونیورسٹیاں ہیں ایک پرانی اور ایک نئی۔ لیکن اگر تم لوگ میری بات سننا نہیں چاہتے، اگر میری باتوں سے تمہیں کوفت ہوتی ہے تو میں اپنا منہ بند کر لوں گا۔ یا پھر کسی اور کمرے میں چلا جاؤں گا، تاکہ قصہ ہی پاک ہو جائے۔

(ایک دروازے سے باہر جاتا ہے)

توزن باخ :- زندہ باد زندہ باد (ہنستا ہے) چلو اب ناچ شروع کیا جائے۔ میں تمہارے لیے پیانو بجاؤں گا۔ یہ سولیونی کتنا عجیب و غریب آدمی ہے۔

(پیانو کے پاس جا کر بیٹھتا ہے اور ناچ کی ایک دھن بجاتا ہے)

ماشا :- (ناچتے ہوئے) بیرن مدہوش ہے، بیرن مدہوش، بیرن مدہوش ہے۔

(نتاشا داخل ہوتی ہے)

نتاشا :- (چے بوتکن سے) ایوان رومانچ (آہستہ سے اس سے کچھ کہتی ہے اور پھر خاموشی سے باہر چلی جاتی ہے۔ چے بوتکن توزن باخ کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہے اور اس کے کان میں کچھ کہتا ہے۔)

ارینا :- یہ کانا پھوسی کیوں ہو رہی ہے۔

چے بوتکن :۔ اب ہم لوگوں کو روانہ ہونا چاہیے۔ اچھا خدا حافظ۔

ارینا :۔ ہیں ابھی سے اور کارنوال پارٹی۔

اندرے :۔ (جھجکتے ہوئے) کارنوال پارٹی نہیں آئے گی۔ اصل میں بات یہ ہے پیاری بہن کہ نتاشا کا خیال ہے بوبک کی طبیعت کچھ سست ہے۔ ویسے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ... بہر حال اس سے کیا فرق پڑتا ہے....

ارینا :۔ (کندھے جھٹکاتے ہوئے) بوبک کی طبیعت کچھ سست ہے۔

ماشا :۔ بہر حال ہم اپنی تفریح جاری رکھیں گے۔ لیکن اگر وہ ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتی ہے، تو چلو باہر چلیں، (ارینا سے) بوبک کی طبیعت خراب نہیں ہے بلکہ خود خاتون کی ہے۔ (اپنی انگلیوں سے ماتھے کو بجاتے ہوئے) خرابی یہاں ہے بورژوا مالکن (اندرے سیدھے ہاتھ کے کمرے کی طرف جاتا ہے۔ چے بوتکن اس کے پیچھے جاتا ہے۔ باقی مہمان بال روم میں میزبانوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔)

فیدوتک :۔ ......ت ......ت..... کتنی بُری بات ہے، میں تو یہاں پوری شام گزارنے کی امید کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر بچہ بیمار ہے تو ...... خیر میں اس کے لیے کل کچھ کھلونے لاؤں گا۔

رودے :۔ (بلند آواز میں) میں آج دوپہر کے کھانے کے بعد خوب دل بھر کر سویا، میرا خیال تھا کہ آج رات بھر رقص و سرود کی محفل رہے گی۔ میرا مطلب ہے ابھی تو صرف نو بجے ہیں۔

ماشا :۔ چلو باہر چل کر بات کریں اور طے کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

(خدا حافظ۔ اچھا چلیں وغیرہ آوازیں سنائی دیتی ہیں۔۔۔
توزن باخ کافی جوش سے ہنس رہا ہے۔ سب باہر جاتے ہیں
انفیسا اور ایک ملازمہ میز صاف کرتی ہیں اور شمع بجھا دیتی
ہیں۔ اندرے داخل ہوتا ہے، وہ لمبا کوٹ پہنے ہوئے ہے
اور سر پر ہیٹ ہے۔ اس کے پیچھے چے بوتکن آتا ہے۔ دونوں
خاموشی سے چل رہے ہیں۔)

چے بوتکن :۔ مجھے کبھی شادی کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ کچھ تو اس لیے کہ میری زندگی اور جوانی بجلی کی سی سرعت سے میرے سامنے سے گزر گئی۔ کچھ اس لیے کہ مجھے ہمیشہ تمہاری ماں سے والہانہ محبت رہی اور وہ شادی شدہ تھی۔

اندرے :۔ شادی سرے سے کرنی ہی نہ چاہیے۔ شادی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بڑی اکتا دینے والی چیز ہے۔

چےبوتکن :۔ ہوسکتا ہے یہ ٹھیک ہو۔ لیکن پھر تنہائی کا کیا علاج؟ اب چاہے تم اس کا کوئی فلسفیانہ جواز پیش کرو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ تنہائی ناقابلِ برداشت چیز ہے ...... خیر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ...... بہرحال۔

اندرے :۔ چلو اب جلدی سے چلیں۔

چےبوتکن :۔ جلدی کیا ہے، ابھی تو کافی وقت ہے۔

اندرے :۔ ڈر ہے کہ میری بیوی مجھے روکنے کی کوشش نہ کرے۔

چےبوتکن :۔ اوہ!

اندرے :۔ آج میں تاش نہیں کھیلوں گا۔ بس بیٹھ کر دیکھوں گا۔ آج طبیعت کچھ سست ہے، مجھے سانس پھولنے کے سلسلے میں کیا کرنا چاہیے ایوان رومانچ۔

چےبوتکن :۔ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو عزیزمن۔ مجھے یہ سب باتیں یاد نہیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔

اندرے :۔ چلو باورچی خانے کی طرف سے چلتے ہیں۔

(وہ دونوں باہر جاتے ہیں۔ گھنٹی دوبارہ بجتی ہے اور باہر سے بولنے اور ہنسنے کی آوازیں آتی ہیں۔)

ارینا :۔ (اندر داخل ہوتے ہوئے) یہ گھنٹی کیوں بج رہی ہے۔

انفیسا :۔ (سرگوشی کے انداز میں) کارنوال پارٹی آئی ہے۔

(گھنٹی دوبارہ بجتی ہے)

ارینا :۔ (نانی بوا ان سے معذرت کرلو، کہنا اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے۔

(انفیسا باہر جاتی ہے۔ ارینا کمرے میں ٹہلتی ہے۔ اس کے انداز سے غصے اور کوفت کا اظہار ہوتا ہے۔ سولیونی داخل ہوتا ہے۔)

سولیونی :۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ سب لوگ کہاں گئے۔

ارینا :۔ سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

سولیونی:۔ کتنی عجیب بات ہے، تو تم یہاں اکیلی ہو۔

ارینا:۔ ہاں اکیلی ہوں۔ (وقفہ) اچھا...... خدا حافظ۔

سولیونی:۔ میں مانتا ہوں۔ میں نے اس وقت سمجھداری سے کام نہیں لیا۔ مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا۔ لیکن تم دوسروں سے مختلف ہو، تم ان سب سے بہت بلند ہو، تم پاک اور معصوم ہو، تم سمجھ سکتی ہو کہ حق بات کون سی ہے۔ دنیا میں صرف ایک تم ایسی انسان ہو جو مجھے سمجھ سکے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں...... میں تم سے گہری اور سچی محبت......

ارینا:۔ مہربانی سے اب یہاں سے چلے جاؤ...... خدا حافظ

سولیونی:۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا (اس کے پیچھے جاتا ہے) میں تمہیں دیکھ کر جیتا ہوں۔ (آنسو بھر کر) تم ہی میری خوشی کا مرکز ہو...... اور تمہاری حسین، چمک دار اور مسکراتی ہوئی آنکھیں...... دنیا میں کسی عورت کی ایسی آنکھیں نہیں۔

ارینا:۔ (سرد مہری سے) مہربانی سے یہ باتیں بند کرو، وسیلی وسیلچ۔

سولیونی:۔ میں نے کبھی تمہارے سامنے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی اور سیارے میں پہنچ گیا ہوں۔ (اپنا ماتھا پونچھتا ہے) بہر حال...... ظاہر ہے میں تمہیں محبت کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کسی رقیب کو برداشت نہیں کروں گا۔ کسی ایسے رقیب کو جو تمہاری محبت جیت لے۔ میں ہر اس چیز کی قسم کھا کر کہتا ہوں جسے میں مقدس سمجھتا ہوں کہ اگر کبھی کوئی ایسا شخص ہوا تو میں اسے جان سے مار ڈالوں گا...... اُف تم کتنی حسین ہو۔

(نتاشا ہاتھ میں شمع لیے داخل ہوتی ہے۔ وہ ہر کمرے میں جھانک جھانک کر دیکھتی ہے۔ لیکن اندرے کے کمرے کے سامنے سے گزر جاتی ہے۔)

نتاشا:۔ اندرے اندر بیٹھا پڑھ رہا ہو گا چلو اسے پڑھنے دو...... معاف کرنا وسیلی وسیلچ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ابھی یہاں ہو، میں نے ٹھیک سے کپڑے بھی نہیں پہنے ہیں۔

سولیونی:۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ خدا حافظ (باہر جاتا ہے)

نتاشا:۔ تم تو اب بالکل تھک گئی ہو گی میری پیاری چھوٹی بہن (ارینا کو پیار کرتی ہے) تمہیں ذرا سویرے

سو جانا چاہیے۔

ارینا :۔ کیا بوبک سو گیا۔

نتاشا :۔ ہاں اس کی آنکھ لگ گئی۔ مگر وہ آج کل آرام سے نہیں سوتا۔ ہاں اس پر یاد آیا کہ میں کئی دن سے تم سے بات کرنا چاہتی تھی مگر کچھ نہ کچھ ہوتا رہا۔ اور موقع نہیں مل سکا۔ یا تو تم یہاں نہیں ہوتیں یا میں مصروف ہوتی ہوں۔ اصل بات یہ ہے پیاری بہن کہ بوبک کا کمرہ بڑا ٹھنڈا اور سیلا ہے۔ اور تمہارا کمرہ ایک بچے کے لیے بہترین کمرہ ہے۔ پیاری بہن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اولگا کے کمرے میں چلی جاؤ۔

ارینا :۔ (سمجھی نہیں) کہاں چلی جاؤں ؟

(باہر سے گھنٹیوں کی آواز آتی ہے معلوم ہوتا ہے کوئی فٹن آئی ہے)

نتاشا :۔ تم کچھ دن اولگا کے ساتھ رہ سکتی ہو۔ اور بوبک تمہارے کمرے میں..... کتنا پیارا ہے میرا منا۔ آج صبح میں نے اس سے کہا "میرے لال" "میرے بچے" اور اس نے اتنی پیاری طرح میری طرف دیکھا۔

(دروازے کی گھنٹی بجتی ہے)

نتاشا :۔ اولگا ہوگی، کتنی رات گئے آتی ہے۔

(ایک ملازم داخل ہوتی ہے اور نتاشا کے کان میں کچھ کہتی ہے۔)

نتاشا :۔ اچھا پروٹوپوف کتنا عجیب آدمی ہے یہ پروٹوپوف وہ مجھے اپنے ساتھ سیر کے لیے لے جانا چاہتا ہے..... اپنی فٹن میں۔ (ہنستی ہے) یہ مرد بھی عجیب ہوتے ہیں۔

(گھنٹی پھر بجتی ہے)

پھر کوئی گھنٹی بجا رہا ہے۔ میں کچھ دیر کے لیے سیر کرنے چلی جاؤں بس پاؤ گھنٹے کے لیے (ملازمہ سے) ان سے کہو میں ابھی آتی ہوں۔

(گھنٹی پھر ایک بار بجتی ہے)

گھنٹی پھر بج رہی ہے۔ یہ ضرور اولگا ہوگی۔ (جاتی ہے ملازمہ بھی تیزی سے باہر جاتی ہے۔ ارینا بیٹھ جاتی ہے۔ وہ خیالات میں گم ہے اولگا اور کولی گن داخل ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے ورشنین آتا ہے)

کولی گن :۔ ہیں۔ اس کا کیا مطلب، تم نے کہا تھا کہ تمہارے ہاں اس وقت ایک پارٹی ہوگی۔

وارشینن :۔ عجیب بات ہے۔ آدھ گھنٹے پہلے تک میں یہاں تھا۔ اس وقت سب لوگ کارنوال پارٹی کے منتظر تھے۔

ارینا :۔ ہاں لیکن اب سب لوگ جا چکے ہیں۔

کولی گن :۔ اچھا۔ ماشا بھی چلی گئی۔ وہ کہاں گئی ہے۔ آخر ماجرا کیا ہے۔ اور باہر پرد ٹوپوف فٹن لیے کسی کا انتظار کر رہا ہے۔

ارینا :۔ مہربانی کرکے مجھ سے اس قسم کے سوالات نہ کیجیے۔ میں تھک چکی ہوں۔

کولی گن :۔ افوہ۔ نک چڑھی لڑکی۔

اولگا :۔ کانفرنس اب ختم ہوئی ہے۔ میں بالکل تھک چکی ہوں۔ ہیڈ مسٹریس بیمار ہیں اور میں آج کل ان کی جگہ کام کر رہی ہوں۔ میرا سر چکرا رہا ہے .... اُف ...... اُف ..... (سر پکڑ کر بیٹھ جاتی ہے) اندرے کل پھر تاش میں دو سو روبل ہار گیا۔ پورے شہر میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔

کولی گن :۔ ہاں کانگریس نے مجھے بھی تھکا ڈالا .... (بیٹھ جاتا ہے)

وارشینن :۔ میری بیوی نے اب اس طرح دھمکیاں دینے کی ٹھان لی ہے۔ آج پھر اس نے زہر کھانے کی کوشش کی۔ بہرحال اب سب ٹھیک ٹھاک ہے اب میں ذرا اطمینان کا سانس لے سکتا ہوں..... خدا کا شکر ہے .... اچھا اب ہمیں واپس جانا ہوگا۔ فیوڈو رایلچ کیا آپ اس وقت میرے ساتھ کہیں چل سکتے ہیں۔ آج میں گھر پر شام نہیں گزار سکتا۔ ایک منٹ وہاں نہیں ٹھہر سکتا.... آپ چل رہے ہیں نا۔

کولی گن :۔ میں تھکا ہوا ہوں۔ مجھے تو معاف کیجیے..... میں بہت تھک گیا ہوں۔ کیا میری بیوی گھر گئی ہے۔

ارینا :۔ ہاں غالباً!

کولی گن :۔ اچھا شب بخیر (ارینا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) کل اور پرسوں ہم آرام کر سکتے ہیں۔ پورے دو دن، اچھا خدا حافظ۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ کاش اس وقت ایک پیالی چائے مل جاتی۔ میں تو اس امید میں یہاں آیا تھا کہ اچھی صحبت میں شام گزرے گی۔ لیکن "وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے" خوب شعر ہے جناب!

وارشینن :۔ ہاں تو معلوم ہوتا ہے مجھے اکیلے ہی کہیں جانا پڑے گا۔ (سیٹی بجاتا ہوا کولی گن کے ساتھ باہر جاتا ہے)

اولگا: میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔ اُف میرا سر...... اندرے پھر جوئے میں ہار گیا..... سارے شہر میں چرچا ہو رہا ہے...... اب میں جا کر لیٹتی ہوں (جاتے ہوئے) کل میری چھٹی ہے، کتنی خوشی کی بات ہے کل میری چھٹی ہے اور پرسوں بھی۔ میرا سر پھٹا جا رہا ہے..... اُف میرا سر......

ارینا: سب لوگ چلے گئے۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے......

(کوئی سڑک پر اکورڈین (ہارمونیم قسم کا باجا) بجا رہا ہے۔ دوسرے کمرے سے نرس کی لوری دینے کی آواز آرہی ہے۔)

نتاشا: (بال روم سے گزرتی ہے۔ وہ فر کا کوٹ اور ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ اس کے پیچھے ایک خادمہ آتی ہے) بس آدھے گھنٹے میں واپس آجاؤں گی۔ ذرا فلش میں سیر کے لیے جا رہی ہوں۔

ارینا: (تنہائی میں گہرے جذبات کے ساتھ) ماسکو! ماسکو! ماسکو!

پردہ

تیسرا ایکٹ

(ایک سونے کا کمرہ جس میں اب ارینا اور اورلگا دونوں رہتی ہیں
کمرے میں دائیں اور بائیں دو مسہریاں ہیں جن میں پردے پڑے
ہوئے ہیں۔ رات کے دو بجے ہیں اور باہر آگ لگ جانے کے
سبب خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے، آگ کافی دیر سے لگی ہوئی ہے
اور گھر کے سب لوگ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ ماشا ایک صوفے
پر لیٹی ہے اس نے حسب معمول سیاہ لباس پہن رکھا ہے۔ اورلگا
اور انفیسا داخل ہوتی ہیں۔)

انفیسا:۔ اب دیکھو، وہ دونوں اس طرح نیچے بیٹھی ہوئی ہیں زینے کے پاس، کتنی بار کہا کہ چلو بچیو اوپر چلو مگر وہ ہیں کہ برابر روئے جارہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ پتہ نہیں پاپا کہاں ہیں۔ کبھی کہتی ہیں کہ شاید آگ میں جل گئے...... شیطان کے کان بہرے بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، اور باہر صحن میں کافی لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جلدی میں کپڑے بھی ٹھیک سے نہیں پہن سکے بیچارے۔

اولگا:۔ (الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے) لو یہ سرمئی فراک لو نانی لوا اور یہ بھی، اور لو یہ بلاؤز..... اور یہ اسکرٹ...... اے خدا یہ کیا ماجرا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کرسانوسکی سٹریٹ پوری کی پوری جل گئی...... لو یہ بھی لیتی جاؤ...... اور یہ (انفیسا کی طرف کپڑے پھینکتی جاتی ہے) وارشنین کے گھر والے بھی دہل گئے بیچارے ان کا گھر بس بال بال بچا ہے...... آج رات انھیں یہیں رہنا پڑے گا..... انھیں گھر نہیں جانے دینا چاہیے۔ بیچارے فیدوتک کی تو ہر چیز ختم ہو گئی......

کچھ بھی نہیں بچا۔

انفیسا ۔ میں فیراپونٹ کو بلاتی ہوں اولگا بٹیا یہ سب چیزیں میں اکیلی نہیں لے جاسکتی۔

اولگا ۔ (گھنٹی بجاتی ہے) میرے گھنٹی بجانے سے کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی..... (دروازے کے قریب جاکر پکارتی ہے) ارے بھئی کوئی ہے..... ایک آدمی اوپر آجاؤ ذرا مہربانی سے۔

(کھلے ہوئے دروازے سے ایک کھڑکی دکھائی دیتی ہے، جو آگ کا
عکس پڑنے سے سرخ انگارہ ہو رہی ہے۔ آگ بجھانے والے انجن
کی آواز آتی ہے)

اولگا ۔ اُف! کتنا ہیبت ناک منظر ہے..... اُف میں کتنی تھک گئی ہوں۔

(فیراپونٹ داخل ہوتا ہے)

اولگا ۔ دیکھو۔ ان سب کپڑوں کو نیچے لے جاؤ۔ اور زینے کے نیچے جو لڑکیاں بیٹھی ہیں انھیں دے دینا ...... اور لو یہ بھی لیتے جاؤ.......

فیراپونٹ ۔ بہت اچھا میم صاحب اسی طرح ۱۸۱۲ء میں ماسکو میں بھی آگ لگائی گئی تھی..... خدا ہم پر رحم کرے..... ہاں فرانسیسی بھی ہکا بکا رہ گئے تھے۔

اولگا ۔ اچھا یہ چیزیں لو اور اب تم جاؤ۔

فیراپونٹ ۔ بہت اچھا۔ (باہر جاتا ہے)

اولگا ۔ نانی بوا پیاری یہ سب چیزیں دے دو..... ہم کچھ رکھنا نہیں چاہتے.... میں بے حد تھکی ہوئی ہوں..... کھڑا ہونا مشکل معلوم ہو رہا ہے..... ہمیں اس وقت وارشنین کے گھر والوں کو روک لینا چاہیے۔ بچیاں ڈرائنگ روم میں سو جائیں گی۔ اور الگزنڈرا اگناتی وچ بیرن کے کمرے میں سو سکتے ہیں۔ وارشنین کی بیوی کو بھی ڈرائنگ روم میں لیٹنا پڑے گا..... ڈاکٹر آج پھر شراب کے نشہ میں دُھت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے خوب سوچ سمجھ کر یہ حرکت کی ہے، ان کے کمرے میں تو کسی کو بھیجا نہیں جاسکتا، وہ تو بالکل بدمست ہیں۔

انفیسا ۔ (تھکے ہوئے انداز میں) مجھے اپنے گھر سے نہ نکالنا اولگا بٹیا، مجھے اپنے گھر سے نہ نکالنا۔

اولگا ۔ کیا باتیں کر رہی ہو نانی بوا تمہیں کون گھر سے نکال رہا ہے۔

انفیسا:۔ (اولگا کے سینے پر اپنا سر ٹکاتے ہوئے) تمہیں معلوم ہے، میری پیاری بچی میں نے کبھی کام سے جی نہیں چرایا۔ اب بھی اپنے مقدور بھر کام کرتی ہوں۔ ۔ ۔ لیکن اب میری طاقت جواب دیتی جا رہی ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ مجھے نکال دیا جائے۔ لیکن بی بی اب میں کہاں جا سکتی ہوں۔ تمہیں بتاؤ میں کہاں جاؤں گی۔ میں کب کی اَسّی سال کی ہو گئی۔ میری عمر اکاسی سے کچھ زیادہ ہے۔

اولگا:۔ نانی بوا تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ ذرا آرام کر و تم بہت تھکی ہوئی ہو میری اچھی بوا۔ (اسے سہارا دے کر بٹھاتی ہے) ذرا آرام کرو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ارے تمہارا چہرہ کتنا پیلا ہو رہا ہے۔

(نتاشا داخل ہوتی ہے)

نتاشا:۔ سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ان مصیبت زدہ لوگوں کے لیے چندہ جمع کرنا چاہیے۔ میرے خیال میں تو اس کام کے لیے ایک کمیٹی وغیرہ بنالی جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خیال تو برا نہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ بڑی اچھی تجویز ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ہم ہی غریبوں کی مدد نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ بوبک اور سونوچکا تو ایسے بے خبر پڑے سو رہے ہیں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گھر میں کتنا ہجوم ہے جس طرف دیکھو لوگ بھرے ہوئے ہیں۔ اور شہر میں فلو پھیلا ہوا ہے۔ مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں بچوں کو انفکشن نہ ہو جائے۔

اولگا:۔ (جو اس کی باتیں نہیں سُن رہی ہے) دیکھو کھڑکی میں سے آگ نظر آرہی ہے، کافی قریب معلوم ہوتی ہے۔

نتاشا:۔ ہاں ــــــ اُفوہ میرے بال کتنے بکھرے ہوئے ہیں۔ (آئینے کے سامنے جاتی ہے) لوگ کہتے ہیں کہ میں پہلے سے موٹی ہو گئی ہوں۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے، میں ذرا بھی موٹی نہیں ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ماشا سو رہی ہے۔ بیچاری لڑکی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تھک گئی ہو گی (انفیسا سے رعونت اور رکھائی سے) تمہاری یہ ہمت کہ اس طرح میرے سامنے بیٹھی رہو۔ چلو اٹھو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔

(انفیسا اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (وقفہ)

نتاشا:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس بڑھیا کو کیوں گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

اولگا:۔ (تعجب اور رنج سے) معاف کرنا میں بالکل نہیں سمجھ سکی کہ تم اس طرح کیسے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نتاشا:۔ یہ بڑھیا یہاں بالکل بے کار ہے۔ یہ ایک معمولی کسان عورت ہے اور اس کا گاؤں ہی میں رہنا ٹھیک ہے۔ تم نے بیکار اسے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ گھر میں ہر بات قاعدے

سے ہو۔ مجھے بے کار روٹیاں توڑنے والے لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔۔۔۔۔ (اولگا کے گال تھپ تھپاتی ہے) بیچاری بچی۔۔۔۔۔ تم تھک گئی ہو نا۔۔۔۔۔ ہماری ہیڈ مسٹرس تھک گئی ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ جب سوفوچکا بڑے ہو کر اسکول جانے لگے گی تو میں تم سے کافی مرعوب ہوا کروں گی۔

اولگا۔ میں ہیڈ مسٹرس نہیں بنوں گی۔

نتاشا۔ تم سے درخواست کی جائے گی اولگا پیاری یہ بات تو بالکل طے ہے۔

اولگا۔ میں انکار کر دوں گی۔ میں یہ کام بالکل نہیں کر سکتی۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں رہی۔۔۔۔ (پانی پیتی ہے) تم نے اس وقت لوا سے کتنی سختی سے بات کی معاف کرنا نتاشا میں یہ باتیں بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میں بے ہوش ہونے والی ہوں۔

نتاشا۔ معاف کرنا اولگا بھئی معاف کرنا میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تمہیں پریشان کروں۔ (ماشا اٹھتی ہے ایک تکیہ اٹھاتی ہے اور بھناتی ہوئی باہر جاتی ہے)

اولگا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، نتاشا ہو سکتا ہے ہماری تربیت ہی غلط طریقے سے ہوئی ہو۔ لیکن وجہ جو کچھ بھی ہو، میں یہ باتیں برداشت نہیں کر سکتی، جب کسی سے اس قسم کا سلوک کیا جاتا ہے تو مجھے دھکا سا لگتا ہے، مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے اور میرے اعصاب بیکار ہو جاتے ہیں۔

نتاشا۔ معاف کرنا پیاری بہن معاف کرنا (اسے پیار کرتی ہے)

اولگا۔ کسی کی ہتک اور سخت کلامی سے مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔

نتاشا۔ ٹھیک کہتی ہو، میں بعض دفعہ ایسی باتیں کہہ جاتی ہوں جن کا نہ کہنا ہی بہتر ہے، لیکن یہ بات تو تم بھی مانو گی کہ اسے اب کسی گاؤں میں جا کر رہنا چاہیے۔

اولگا۔ یہ پچھلے تیس سال سے ہمارے پاس ہیں۔

نتاشا۔ ہاں لیکن اب تو یہ بالکل کسی کام کے قابل نہیں رہی، معلوم نہیں کیا بات ہے۔ یا تو میں تمہاری باتیں نہیں سمجھتی یا پھر تم میری بات سمجھنا نہیں چاہتیں۔ یہ عورت اب بالکل کام نہیں کر سکتی۔ یا تو یہ سوتی رہتی ہے یا اِدھر اُدھر بیٹھ جاتی ہے۔

اولگا۔ ٹھیک ہے، انہیں اِدھر اُدھر بیٹھنے دو۔

نتاشا۔ کیا کہا تم نے اسے اِدھر اُدھر بیٹھنے دوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ ہماری نوکر ہے۔ واقعی میں

چے بوتکن :۔ لعنت ہے خدا کی ان سب پر، ان کا خیال ہے کہ میں ہر چیز کا علاج کر سکتا ہوں، صرف اس لیے کہ میں ڈاکٹر ہوں لیکن بخدا میں تو کچھ بھی نہیں جانتا، ہر بات بھول چکا ہوں۔ مجھے ایک حرف بھی یاد نہیں رہا ..... ایک حرف بھی نہیں۔

(اولگا اور نتاشا باہر جاتی ہیں۔ ڈاکٹر کو اس کی خبر نہیں ہوتی)

چے بوتکن :۔ لعنت ہو ان سب پر ..... پچھلے بدھ کے دن میں زیسپ میں ایک عورت کے علاج کے لیے گیا تھا اور وہ مرگئی۔ اور اس میں میرا ہی قصور تھا۔ پچیس سال پہلے تو میں تھوڑی بہت باتیں جانتا بھی تھا۔ لیکن اب تو مجھے ایک بات بھی یاد نہیں۔ مجھے ایک لفظ یاد نہیں۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں ایک انسان ہی نہ ہوں اور یہ صرف میرا خیال ہی ہو کہ میرے دو ہاتھ، دو پاؤں اور ایک سر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا وجود ہی نہ ہو اور یہ صرف میرا تخیل ہی ہو کہ میں چلتا پھرتا، کھاتا اور سوتا ہوں۔ (روتا ہے) کیا ہی اچھا ہو اگر یونہی میرا وجود ختم ہو جائے۔ (رونا بند کرتا ہے) ابھی کل کی بات ہے کہ لوگ کلب میں شیکسپیئر اور والٹیئر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کی بھی کتاب نہیں پڑھی۔ لیکن میں نے اپنے چہرے اور انداز سے یہ ظاہر کیا کہ میں نے ان کی کتابیں پڑھی ہیں ...... اور سب لوگوں نے بھی یہی ظاہر کیا۔ کتنی جھوٹی ہیں یہ سب باتیں اور کتنی قابلِ نفرت ـــــــ اور پھر یکایک مجھے اس عورت کا خیال آیا جو میرے علاج سے مرگئی۔ وہ پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اور مجھے اپنا وجود بے حد قابلِ نفرت اور گھناؤنا معلوم ہونے لگا۔ اور میں شراب پی کر بے خود ہو گیا۔

(ارینا، وارشنین اور توزن باخ داخل ہوتے ہیں۔ توزن باخ ایک عام شہری کا نیا اور فیشن ایبل سوٹ پہنے ہے۔)

ارینا :۔ آئیے کچھ دیر کے لیے یہاں بیٹھ جائیں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔

وارشنین :۔ اگر فوجی سپاہی اتنی اچھی طرح کام نہ کرتے تو اس وقت پورا قصبہ جل چکا ہوتا۔ اچھے لوگ ہیں۔ (خوشی کے اظہار کے طور پر ہاتھ ملتا ہے) بے حد اچھے لوگ ہیں۔ واقعی بہت معقول لوگ ہیں۔

کولی گن :۔ (قریب آکر) کیا وقت ہوگا۔

توزن باخ :۔ تین بج چکے ہوں گے، پو پھٹ رہی ہے۔

تمہاری بات بالکل نہیں سمجھتی۔ اب دیکھو میرے پاس بچوں کے لیے ایک اتالیہ ہے اور ایک نرس اور پھر گھر میں ایک باورچی ہے اور اوپر کے کام کی ایک عورت، آخر اس بڑھیا کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں اسے کیوں رکھوں۔

(خطرے کی گھنٹی بجتی ہے)

اولگا۔ اس ایک رات میں میری عمر دس سال بڑھ گئی۔

نتاشا۔ اب اس سلسلے میں بات صاف ہونی چاہیے۔ اولگا تم اسکول میں کام کرتی ہو اور میں گھر میں۔ تم پڑھا رہی ہو اور میں گھر چلا رہی ہوں۔ اور اگر نوکروں کے سلسلے میں کوئی جھنجھٹ کھڑا ہو جائے تو اسے مجھ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے اس مکار بڑھیا۔ اس چوٹی کو کل ہی یہاں سے دفع ہو جانا چاہیے۔ (زمین پر پاؤں پٹکتی ہے) آخر تمہیں مجھے اس طرح تنگ کرنے کا کیا حق ہے۔ بتاؤ۔ (اپنے غصے پر قابو پا کر) واقعی اگر تم نیچے نہ چلی گئیں تو شاید ہم لوگ ہمیشہ اسی طرح سے لڑتے رہیں۔

(کولی گن داخل ہوتا ہے)

کولی گن۔ ماشا کہاں ہے۔ اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔ آگ کچھ کم ہو گئی ہے (انگڑائی لیتا ہے) صرف ایک بلاک جلا ہے۔ شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر جل جائے گا۔ (بیٹھ جاتا ہے) میں بہت تھک گیا ہوں۔۔۔۔۔۔ پیاری بہن اولگا میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر میں ماشا سے شادی نہ کرتا تو تم سے کرتا، تم اتنی اچھی اور مہربان ہو۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ (کان لگا کر کچھ سنتا ہے)

اولگا۔ کیا بات ہے۔

کولی گن۔ ڈاکٹر آج پھر شراب کے نشے میں دھت ہے گویا جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہو۔ بالکل بدمست ہے (کھڑا ہو جاتا ہے) میرے خیال میں وہ اسی طرف آ رہا ہے۔ (ہنستا ہے) واقعی عجیب آدمی ہے میں تو چھپا جاتا ہوں۔ (الماری کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے) عجیب لفنگا آدمی ہے۔

(چے بوتکن داخل ہوتا ہے اور سنجیدگی سے آہستہ آہستہ کمرے کے دوسری طرف جاتا ہے، پھر وہ ہاتھ دھونے کی سیلابچی کے قریب آتا ہے اور اپنے ہاتھ دھونا شروع کرتا ہے)

ارینا ،۔ ہر شخص بال روم میں بیٹھا ہوا ہے، کسی کا جانے کا ارادہ معلوم نہیں ہوتا۔ اور وہ شخص سولیونی بھی وہیں بیٹھا ہوا ہے۔ (چے بوتکن سے) اب تمہیں جا کر سونا چاہیئے ڈاکٹر۔

چے بوتکن ،۔ میں بالکل ٹھیک ہوں شکریہ! (اپنی داڑھی میں کنگھی کرتا ہے)

کولی گن ،۔ (ہنستا ہے) تم تو بہت دور جا چکے ہو ایوان رو مانچ (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) خوب کہا ہے کسی شاعر نے

"شراب کہن پھر پلا یا ساقیا"

توزن باخ ،۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ایک بزم موسیقی منعقد کی جائے۔

ارینا ،۔ لیکن اس میں حصہ کون لوگ لیں گے۔

توزن باخ ،۔ اس کا انتظام ہو سکتا ہے۔ ماریا سرگی وینا پیانو بہت اچھا بجا لیتی ہیں۔ کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے۔

کولی گن ،۔ ہاں بے حد اچھا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

ارینا ،۔ وہ تو اب بالکل بھول چکی ہو گی۔ تین سال سے اس نے پیانو نہیں بجایا۔ بلکہ شاید چار سال سے۔

توزن باخ ،۔ اس قصبہ میں کوئی شخص موسیقی نہیں سمجھتا۔ لیکن میں سمجھ سکتا ہوں۔ اور میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ماریا سرگی وینا کو اس فن میں کمال حاصل ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ پیدائشی آرٹسٹ ہیں۔

کولی گن ،۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو بیرن۔ میں ماشا کو بہت چاہتا ہوں۔ وہ بہت ہی اچھی لڑکی ہے۔

توزن باخ ،۔ ذرا سوچیے، وہ کتنا اچھا پیانو بجاتی ہیں اور یہاں کوئی سمجھ کر داد دینے والا بھی نہیں۔

کولی گن ،۔ (آہ بھرتا ہے) لیکن سوال یہ ہے کہ یہ بات مناسب بھی ہو گی کہ وہ بزم موسیقی میں حصہ لے۔ (وقفہ) میں ان معاملات سے واقف نہیں ہوں۔ دوستو! ہو سکتا ہے کہ یہ بالکل ٹھیک ہو۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ڈائرکٹر..... گو کہ وہ بہت ہی معقول آدمی ہیں اور غیر معمولی طور پر ذہین بھی ہیں، لیکن ان مسائل پر ان کے اپنے کچھ خیالات ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس بات کا تعلق براہِ راست ان سے نہیں ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں ان سے بات چیت کر لینا ضروری ہے اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو...... (چے بوتکن ایک چینی کی گھڑی اٹھا کر اس کا معائنہ کرتا ہے)۔

وارا شنین :۔ آگ بجھانے کے سلسلے میں میرے کپڑوں کی یہ حالت ہو گئی۔ کتنا عجیب حال ہے (وقفہ) میں نے سنا ہے کہ ہماری بریگیڈ کا تبادلہ کہیں اور ہونے والا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید ہمیں پولینڈ جانا پڑے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چیتا جانا ہوگا جو سائبیریا میں ہے۔

توزن باخ :۔ ہاں میں نے بھی سنا ہے، آپ لوگوں کے جانے کے بعد شہر تو بالکل سونا ہو جائے گا۔

ارینا :۔ پھر ہم لوگ بھی یہاں سے چلے جائیں گے ......

چے بوتکن :۔ (اس کے ہاتھ سے چینی کی گھڑی گر کر ٹوٹ جاتی ہے) ارے یہ تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

(وقفہ — ہر شخص پریشان اور متعجب نظر آرہا ہے)

کولی گن :۔ (گھڑی کے کچھ ٹکڑے اٹھاتا ہے) کمال ہے اتنی قیمتی چیز توڑ دی۔ آہ ایوان رومانچ اس بات پر تمہارے کافی نمبر کٹ سکتے ہیں۔

ارینا :۔ یہ میری اماں کی گھڑی تھی۔

چے بوتکن :۔ فرض کر لیجیے کہ یہ ٹھیک ہے، بہرحال اگر یہ تمہاری اماں کی گھڑی تھی تو ہو سکتا ہے کہ میں نے اسے توڑا ہی نہ ہو۔ ہو سکتا ہے یہ صرف ہماری نظر کا دھوکہ ہو۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ کوئی شخص کچھ نہیں جانتا (دروازے کے قریب رک کر) تم لوگ میری طرف گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو۔ نتاشا کا پروتوپوف سے ایک ننھا منا معاشقہ چل رہا ہے اور تم لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ تم سب لوگ آنکھیں بند کیے بیٹھے ہو۔ اور نتاشا کا پروتوپوف سے ایک ننھا منا معاشقہ چل رہا ہے۔ (گاتا ہے)

"میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے" (باہر چلا جاتا ہے)

وارا شنین :۔ (ہنستا ہے) دنیا بھی عجیب جگہ ہے۔ (وقفہ) .... جب آگ لگنا شروع ہوئی تو میں تیزی سے اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ جب میں قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میرا گھر خطرے سے باہر تھا لیکن میری دونوں بچیاں باہر نکل آئی تھیں، اور صرف رات کے کپڑے پہنے ہوئے دروازے پر کھڑی تھیں۔ ان کی ماں وہاں نہیں تھی۔ آدمی کتے، گھوڑے ہر طرف پریشان حال دوڑ رہے تھے اور بچیوں کے چہروں پر ڈر، پریشانی اور التجا کی ایسی ملی جلی کیفیت تھی جس کا بیان کرنا مشکل ہے ان کی صورت دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ میرے خدا میں نے سوچا ان بچیوں کو اپنی زندگی میں معلوم نہیں کیسے کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ہو سکتا ہے ان کی زندگی کافی طویل ہو۔ میں نے ان دونوں کو گود میں اٹھا لیا اور میری

سے اس گھر کی طرف بھاگا۔ اور تمام راستے مجھے یہی خیال ستاتا رہا کہ نہ معلوم ان بچیوں کی زندگی کیسے گزرے گی۔ جب میں یہاں پہنچا تو دیکھا کہ میری بیوی پہلے سے ہی یہاں موجود تھی اور غصہ میں چلا رہی تھی۔

(ماشا داخل ہوتی ہے، اس کے ہاتھ میں ایک تکیہ ہے، وہ صوفے پر بیٹھ جاتی ہے)

وارشنین :۔ اور جب میری لڑکیاں رات کے ہلکے کپڑوں میں دروازے پر کھڑی تھیں اور سڑک شعلوں کے عکس سے سرخ نظر آ رہی تھی اور ہر طرف دل ہلا دینے والی آوازیں گونج رہی تھیں، اس وقت یکایک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ بہت سال پہلے جب فوجیں شہروں پر حملہ کرتی تھیں اور انھیں لوٹ کر آگ لگا دیتی تھیں، اس وقت بھی یہی منظر ہوتا ہوگا۔ مختصر یہ کہ کافی عرصہ گزر چکا ہے لیکن حالات میں کوئی خاص تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ اور کچھ عرصہ بعد یعنی دو یا تین سو سال بعد لوگ ہماری زندگی کے بارے میں بھی اسی طرح سوچیں گے، جس طرح اب ہم اپنے ماضی کے بارے میں سوچتے ہیں اور انھیں یہ زندگی قابلِ نفرت اور خوفناک معلوم ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ انھیں ہماری زندگی بے آرام بے کیف اور غیر شائستہ معلوم ہو، اُف اس وقت زندگی کتنی عظیم اور شاندار ہوگی۔ کس قدر شاندار اور غیر معمولی۔ (ہنستا ہے) معاف کیجیے میں نے پھر فلسفہ چھانٹنا شروع کر دیا۔ لیکن اگر آپ لوگوں کی اجازت ہو تو کچھ دیر اور اسی قسم کی باتیں کروں۔ اس وقت فلسفیانہ باتیں کرنے کی شدید خواہش دل میں کروٹیں لے رہی ہے یا پھر یوں کہیے کہ طبیعت اس کے لیے موزوں ہے (وقفہ)..... معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو نیند آرہی ہے...... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ مستقبل میں زندگی کتنی عظیم ہوگی ذرا سوچنے کی کوشش کیجیے کہ اس وقت پورے شہر میں آپ تین ہستیاں ایسی ہیں جنھیں ذہین اور قابل کہا جا سکے، لیکن آنے والے زمانے میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی جیسے جیسے وقت گزرے گا ان لوگوں کی تعداد بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں دنیا آپ کے خوابوں کی تعبیر ہوگی۔ لوگ آپ کے اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ اور پھر ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ آپ سے بھی بہت آگے نکل جائیں گے اور ایک نئی نسل پیدا ہوگی جو آپ سے بھی بہتر ہوگی۔ (ہنستا ہے) اس وقت میری طبیعت بہت موزوں ہے اور زندہ رہنے کی تمنا میری نس نس میں جاگ اٹھی ہے (گاتا ہے)

"عشق کی مستی سے ہے معرکہ کائنات
عشق سراپا یقین عشق سراپا حیات" (ہنستا ہے)

ماشا :۔ (گاتی ہے) ٹارا۔ ٹارا۔ ٹارا

وارا شنین :۔ ٹم .... ٹم ....

ماشا :۔ ٹارا .... ٹارا ....

وارا شنین :۔ ٹم .... ٹم ..... ٹم .... ٹم ...... (ہنستا ہے)

(فیدوتک داخل ہوتا ہے)

فیدوتک :۔ (کمرے میں ناچتے ہوئے) ...... جل گئی، ..... ہر چیز جل گئی۔

ارینا :۔ یہ تو کوئی مذاق کی بات نہیں۔ کیا واقعی تمہاری ہر چیز جل گئی۔

فیدوتک :۔ (ہنستا ہے) بالکل ــ ہر چیز۔ .... اب میرے پاس کوئی چیز نہیں رہی ..... میرا گٹار تصویریں خطوط، ہر چیز جل گئی۔ یہاں تک کہ وہ چھوٹی سی نوٹ بک جو میں تمہیں دینے والا تھا، وہ بھی جل گئی۔

(سولیونی داخل ہوتا ہے)

ارینا :۔ نہیں ..... نہیں ..... مہربانی کر کے تم یہاں سے چلے جاؤ، کسیلی وسیلیچ تم یہاں نہیں آسکتے۔

سولیونی :۔ کیوں نہیں آسکتا۔ اگر بیرن یہاں آسکتا ہے تو میں بھی آسکتا ہوں۔

وارا شنین :۔ اب ہم سب لوگوں کو یہاں سے جانا چاہیے۔ آگ کا کیا حال ہے۔

سولیونی :۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اب آگ بجھنے والی ہے ..... بہرحال ..... میں کہتا ہوں یہ عجیب و غریب بات ہے کہ بیرن یہاں آسکتا ہے اور میں نہیں آسکتا۔

(اپنی جیب سے عطر کی شیشی نکال کر بدن پر عطر چھڑکتا ہے)

وارا شنین :۔ ٹارا ..... ٹارا۔

ماشا :۔ ٹم ..... ٹم ..... ٹم ..... ٹم۔

وارا شنین :۔ (سولیونی کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے) چلو ہم لوگ بال روم چلیں۔

سولیونی :۔ بہت اچھا، لیکن ہم اس بات کو نوٹ کیے لیتے ہیں " چڑیا نے چڈے سے کہا اس کہانی سے کیا سبق ملتا ہے۔ چڈے نے کہا یہ بات بعد میں معلوم ہوگی ..... چوں ..... چوں ..... چوں ....

(فیدوتک وارشنین کے ساتھ باہر جاتا ہے)

ارینا۔ سولیونی کے آنے سے فضا مکدر ہو گئی۔۔۔۔ (پریشانی کے انداز میں) ارے بیرن شاید سوگیا۔۔۔ بیرن۔۔۔۔ بیرن۔۔۔۔

توزن باخ۔ (ہوشیار ہوتے ہوئے) میں شاید تھک گیا ہوں۔۔۔۔ اینٹوں کا کارخانہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ میں سوتے میں نہیں بول رہا ہوں۔۔۔۔ میں واقعی بہت جلد اینٹوں کے کارخانے میں کام شروع کرنے والا ہوں۔ میری اس سلسلے میں منیجر سے بات ہو چکی ہے۔۔۔۔ (ارینا سے محبت سے) تمہارا چہرہ کتنا سفید ہو رہا ہے۔ تم کس قدر حسین اور دل کش ہو۔ تمہارے چہرے کی سفیدی معلوم ہوتی ہے کہ ہر طرف اندھیرے میں کرنیں بکھیر رہی ہے۔۔۔ تم کتنی اداس ہو۔۔۔ تم اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہو۔۔۔۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔۔۔۔ چلو ہم دونوں ساتھ کہیں چلیں اور ساتھ کام شروع کریں۔

ماشا۔ نکولائی لوچ خدا کے لیے اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔

توزن باخ۔ (ہنستا ہے) اچھا تو آپ بھی یہاں ہیں۔ معاف کیجیے میں نے دیکھا نہیں تھا۔ (ارینا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے)۔۔۔۔ خدا حافظ۔ میں جا رہا ہوں۔ اس وقت مجھے بار بار تمہارے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں جو بہت دن پہلے تم نے کہے تھے، وہ تمہاری سالگرہ کا دن تھا۔ اس روز تم نے مجھے بتایا تھا کہ مسرت کا راز کام میں پنہاں ہے، اس وقت تم کتنی پرجوش اور خوش و خرم تھیں۔ اور اسی دن میں نے ایک پر مسرت زندگی کے خواب دیکھے تھے، جو ہمارے سامنے پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔۔۔۔ وہ سب اب کہاں ہے۔ (اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) تمہاری آنکھوں میں آنسو ہیں۔۔۔۔ اب تمہیں سو جانا چاہیے۔۔۔۔ پو پھٹ چکی ہے، صبح ہونے والی ہے۔۔۔۔ کاش کہ میں تمہارے لیے اپنی جان دے سکتا۔

ماشا۔ نکولائی لوچ خدا کے لیے اب تم جاؤ۔۔۔۔ واقعی۔۔۔۔

توزن باخ۔ میں جا رہا ہوں (باہر جاتا ہے)

ماشا۔ (لیٹ جاتی ہے) فیودور کیا تم سو رہے ہو۔

کولی گن۔ بس میں ابھی چلتا ہوں۔ ایک منٹ میں۔۔۔۔ میری بیوی۔۔۔۔ میری پیاری اور نیک بیوی

میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ تمہیں اور صرف تمہیں۔

ماشا۔ (چڑکر) عشق کنم عشق کنیم عشق کنی عشق کنید۔

کولی گن۔ (ہنستا ہے) واقعی تم حیرت انگیز ہو۔ ہماری شادی ہوئے سات سال ہو چکے ہیں۔ لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔ قسم بخدا مجھے یہی محسوس ہوتا ہے۔۔۔۔۔ تم واقعی قابلِ حیرت ہو۔۔۔۔۔ میں بے حد۔۔۔۔۔ بے انتہا خوش ہوں۔

ماشا۔ اور میں بے حد۔۔۔۔۔ بے انتہا بور ہوں۔۔۔۔۔ (بیٹھ جاتی ہے) میں کسی طرح اس بات کو اپنے ذہن سے نہیں نکال سکتی۔ مجھے اس چیز سے بے انتہا کوفت ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے میرے دماغ میں کیل ٹھونک دی ہے اب میں اس سلسلے میں خاموش نہیں رہ سکتی۔ اندرے نے یہ گھر بینک کے پاس رہن رکھ دیا ہے اور روپیہ اس کی بیوی نے ہضم کر لیا ہے، لیکن یہ صرف اندرے کا گھر نہیں ہے، یہ ہم چاروں کا گھر ہے۔ اور اگر وہ ایماندار ہے تو اسے یہ بات محسوس کرنی چاہیے۔

کولی گن۔ اس مسئلے کو اٹھانے سے کیا فائدہ ماشا۔ اور اس سلسلہ میں پریشان ہونا بیکار ہے۔ اندروشا نے ہر ایک سے روپیہ قرض لے رکھا ہے اُسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔

ماشا۔ بہرحال مجھے اس بات سے بہت کوفت ہوتی ہے۔

کولی گن۔ دیکھو ہم لوگ کسی طرح غریب نہیں کہے جا سکتے، میرے پاس کام ہے میں قصبے کے اسکول میں پڑھاتا ہوں۔ اور خالی وقت میں پرائیویٹ ٹیوشن کرتا ہوں۔ میں ایک سیدھا سادا ایماندار آدمی ہوں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے،

"فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا،"

ماشا۔ مجھے اپنے لیے کسی چیز کی خواہش نہیں۔ صرف یہ کہ مجھے بے انصافی سے سخت کوفت ہوتی ہے۔۔۔۔۔ (وقفہ)۔۔۔۔۔ فیودور تم گھر کیوں نہیں چلے جاتے۔

کولی گن۔ (اُسے پیار کرتا ہے) تم بہت تھکی ہوئی ہو۔ کچھ دیر یہیں آرام کرو۔ میں گھر جا کر تمہارا انتظار کروں گا۔ بس اب تم سو جاؤ۔ (دروازے کی طرف جاتا ہے) میں بے حد۔۔۔۔۔ بے انتہا خوش ہوں۔ (باہر جاتا ہے)

ارینا۔ حقیقت یہ ہے کہ اندرے بہت اکھڑا ہوتا جا رہا ہے۔ اس پر ابھی سے بڑھاپا آنا شروع ہو گیا

ہے اور اس عورت کی صحبت میں اس کی تمام صلاحیتیں اور جوش ختم ہو گیا ہے، کچھ دن پہلے تک وہ پروفیسر بننے کی کوشش کر رہا تھا، اور کل وہ اس بات پر فخر کر رہا تھا کہ وہ قصبہ کاؤنسل کا ممبر چن لیا گیا ہے۔ ذرا سوچو اندرے کاؤنسل کا ممبر اور پروٹوپوف اس کا صدر، سنا ہے تمام شہر اس پر انگلیاں اٹھا رہا ہے صرف وہی ایک ایسا شخص ہے جو نہ کچھ دیکھ سکتا ہے نہ محسوس کر سکتا ہے...... اب اس وقت ہی دیکھ لو، ہر شخص آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف ہے اور وہ اس طرح اپنے کمرے میں گھسا بیٹھا ہے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور وہ بیٹھا وائلن بجا رہا ہے۔ (پریشانی سے) اُف کس قدر تکلیف دہ اور شرمناک بات ہے، کس قدر تکلیف دہ اور شرمناک، مجھ سے تو اب یہ برداشت نہیں ہو سکتا، بالکل نہیں۔

(اولگا داخل ہوتی ہے اور اپنے پلنگ کے قریب کی میز پر چیزوں کو ٹھیک کرنا شروع کرتی ہے۔)

ارینا:۔ (بلند آواز سے سسکی لیتی ہے) تم لوگ مجھے یہاں سے نکال دو۔ اب میں یہ باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے نکال دو، میں یہ باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔

اولگا:۔ (انتہائی پریشانی سے) یہ سب کیا ہے۔ کیا بات ہے میری جان۔

ارینا:۔ (سسکتے ہوئے) آخر وہ سب کیا ہے۔ وہ سب کہاں ہے۔ اُف خدا میرے دماغ سے ہر چیز نکلی جا رہی ہے۔ میں ہر بات بھولتی جا رہی ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ میرے دماغ صرف کباڑ بھرا ہے۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اطالوی زبان میں کھڑکی کے لیے کیا لفظ ہے اور چھت کے لیے کیا ہے۔ ہر روز میری حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے اور زندگی دھیرے دھیرے مجھ سے دور ہو رہی ہے اور اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔ کبھی واپس نہیں آئے گی، ہم کبھی ماسکو نہیں جائیں گے...... کبھی نہیں جائیں گے۔

اولگا:۔ نہیں، نہیں، پیاری بہن اپنے کو سنبھالو۔

ارینا:۔ اُف میں کتنی پریشان اور اداس ہوں، میں کچھ کام نہیں کر سکتی۔ اب میں کام نہیں کروں گی بس بہت ہو گیا۔ پہلے میں تار گھر میں کام کرتی تھی اور اب کاؤنسل کے دفتر میں کام کرتی ہوں۔ لیکن مجھے ہر اس کام سے نفرت ہے جو مجھے وہاں کرنا پڑتا ہے۔ میں ۲۳ سال کی ہو گئی ہوں میں کتنے دن

سے کام کر رہی ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے ذہن کے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں اس دوران میں دُبلی، بدصورت اور معمر بھی ہو گئی ہوں۔ مجھے کسی کام سے خوشی اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا اور وقت گزرتا جا رہا ہے۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک سچّی اور حسین زندگی کی پُرامید وادیوں سے دور ہٹتی جا رہی ہوں اور مایوسی کے اندھیرے غار میں گرتی جا رہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کس لیے زندہ ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے اپنی زندگی کا خاتمہ کیوں نہیں کیا۔

اولگا۔ میری پیاری بچّی اپنے کو سنبھالو۔ تمہارے رونے سے مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے۔

ارینا۔ بس اب میں نہیں روؤں گی۔ بہت ہو چکا دیکھو اب میں کہاں رو رہی ہوں۔ بس بہت ہو چکا..... بہت ہو چکا۔

اولگا۔ ارینا پیاری میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں، میں تمہیں ایک بہن اور دوست کی حیثیت سے مشورہ دینا چاہتی ہوں۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو..... تم آخر بیرن سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔

(ارینا خاموشی سے روتی ہے)

اولگا۔ دیکھو آخر تم اس کی عزت کرتی ہو، اسے کافی اچھا آدمی سمجھتی ہو...... یہ ٹھیک ہے کہ وہ خوبصورت نہیں ہے، لیکن وہ بہت معقول اور سلجھے ہوئے دماغ کا آدمی ہے اور پھر شادی صرف محبت کی خاطر تو نہیں کی جاتی، یہ تو ایک فرض ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے۔ میں بغیر محبت کے بھی شادی کر سکتی ہوں۔ میں کسی بھی آدمی سے شادی کر سکتی ہوں، جو مجھ سے شادی کی خواہش ظاہر کرے۔ صرف یہ کہ وہ معقول اور ایماندار ہو۔ یہاں تک کہ میں ایک بوڑھے آدمی سے بھی شادی کر سکتی ہوں۔

ارینا۔ میں تمام زندگی ماسکو جانے کے خواب دیکھتی رہی ہوں اور انتظار کرتی رہی ہوں اور سوچتی رہی ہوں کہ ماسکو جا کر میں اس انسان سے ملوں گی جس کے لیے میری تخلیق ہوئی تھی، جو میرے خوابوں کے مندر کا دیوتا ہے اور جس سے میں نے تخیّل کی دنیا میں والہانہ محبت کی ہے...... لیکن یہ سب باتیں بے معنی ثابت ہوئیں...... بے معنی اور بیکار۔

اولگا۔ (اسے گلے لگاتے ہوئے) میری بے حد پیاری بہن۔ میں نے یہ سب باتیں خوب اچھی طرح سمجھ لی ہیں ..... جب بیرن اپنے فوجی عہدے سے استعفادے کر ایک عام شہری کے لباس میں ہم سے ملنے آیا

تو وہ اتنا کم رو معلوم ہو رہا تھا کہ مجھے رونا آ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیوں رو رہی ہوں۔ میں اس کا کیا جواب دیتی ..... لیکن اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ وہ تم سے شادی کرے تو اس سے مجھے بھی خوشی ہوگی۔ یہ ایک بالکل الگ بات ہے ..... بالکل مختلف ......

(نتاشا ہاتھ میں ایک شمع لیے دائیں طرف سے داخل ہوتی ہے
اور کسی سے بات کیے بغیر بائیں طرف سے چلی جاتی ہے۔)

ماشا۔ (بیٹھتے ہوئے) یہ اس طرح ادھر سے اُدھر پھر رہی ہے کہ معلوم ہوتا ہے آگ اسی نے لگائی ہے۔

اولگا۔ تم کتنی بے وقوف ہو ماشا۔ معاف کرنا ہمارے خاندان میں تم ہی سب سے زیادہ کند ذہن ہو۔

(وقفہ)

ماشا۔ پیاری بہنو! مجھے تمہارے سامنے ایک بات کا اعتراف کرنا ہے شاید اس طرح میرا دل کچھ ہلکا ہو۔ جیسے کوئی مجھ سے دھیرے سے کہہ رہا ہے کہ مجھے تمہیں سب کچھ بتانا ہی ہوگا۔ میں بس تم دونوں سے یہ بات کہوں گی اور پھر کبھی کسی سے نہ کہوں گی۔ ہاں سنو! (مدھم آواز میں) یہ ایک راز ہے لیکن تمہیں ہر بات معلوم ہونی چاہیے۔ اب میں خاموش نہیں رہ سکتی۔ (وقفہ) میں محبت کرتی ہوں ..... میں محبت کرتی ہوں ..... مجھے اس شخص سے محبت ہے جو ابھی یہاں تھا ..... گھما پھرا کر بات کرنے سے کیا فائدہ ..... مجھے ورشینن سے محبت ہے۔

اولگا۔ (اپنی مسہری کے پردے کے پیچھے جاتے ہوئے) خدا کے لیے یہ باتیں نہ کرو۔ میں یہ سب سننا نہیں چاہتی۔

ماشا۔ اب کیا ہو سکتا ہے ..... (سر جھٹکتی ہے) شروع میں مجھے وہ عجیب و غریب آدمی معلوم ہوا۔ پھر مجھے اس سے ہمدردی پیدا ہوئی۔ اور پھر مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ مجھے اس کی ہر چیز سے محبت ہے ..... اس کی آواز سے ..... اس کی باتوں سے ..... اس کی ناکامیوں اور بدنصیبی سے ..... اس کی دو چھوٹی بچیوں سے ......

اولگا۔ بکھری ہو۔ میں یہ باتیں سننا نہیں چاہتی۔ اگر تمہارا دل چاہے تو کہے جاؤ میں کچھ نہیں سُن رہی ہوں۔

ماشا۔ اُف تم کتنی بے وقوف ہو اولگا۔ اگر میں اسے چاہتی ہوں تو یہ میرا مقدر ہے ..... میری زندگی

ہے...... اسے بھی مجھ سے محبت ہے۔ کتنی سہا دینے والی بات ہے...... یہ شاید کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ (ارینا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب لاتی ہے) اُف میری پیاری بہن میری تمام زندگی کیسے گزرے گی۔ ہمارا کیا ہوگا...... ہم جب ایک ناول پڑھتے ہیں تو اس میں ہر بات کتنی جانی بوجھی اور پرانی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب خود کسی سے محبت ہوجائے تو ایک دم احساس ہوتا ہے کہ ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ...... ہمیں خود ہر فیصلہ کرنا پڑے گا...... پیاری بہنو! ...... میری پیاری بہنو! میں نے تمہارے سامنے ہر بات کا اعتراف کرلیا...... اب میں خاموش رہوں گی۔ گوگول کی کہانی کے اس پاگل کردار کی طرح..... خاموشی...... خاموشی......

(اندرے داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے فیراپونٹ ہے)

اندرے: آخر تم چاہتے کیا ہو۔ میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا......

فیراپونٹ: (دروازے کے قریب رُکتے ہوئے بے صبری سے) اندرے سرگی وِچ میں آپ سے دس بار کہہ چکا ہوں......

اندرے: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اندرے سرگی وِچ کہہ کر مخاطب نہ کرو، مجھے "جنابِ عالی" کہا کرو۔

فیراپونٹ: جنابِ عالی! آگ بجھانے والے آپ کے باغ سے گزرنے کے لیے آپ کی اجازت کے خواستگار ہیں۔ اب تک وہ ایک بہت لمبے راستے سے جارہے ہیں، جس سے بیکار پریشانی ہوتی ہے۔

اندرے: بہت اچھا، ان سے کہو کہ وہ میرے باغ سے گزر سکتے ہیں۔

(فیراپونٹ باہر جاتا ہے)

اندرے: ان لوگوں کی دن رات کی ریں ریں سے ناک میں دم ہے۔ اولگا کہاں ہیں۔ (اولگا پردے کے پیچھے سے باہر آتی ہے) میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ ذرا مہربانی سے مجھے الماری کی کنجی دے دینا، میری کنجی کھو گئی ہے...... تم سمجھ گئی نا مجھے کون سی کنجی کی ضرورت ہے، وہ چھوٹی سی کنجی جو تمہارے پاس ہے۔ (اولگا خاموشی سے کنجی دے دیتی ہے۔ ارینا اپنے پلنگ کی طرف پردے کے پیچھے جاتی ہے)

اندرے: اُف کس قدر خوفناک آگ ہے۔ ویسے اب تو بجھتی جارہی ہے۔ اس فیراپونٹ نے اس وقت میری طبیعت مکدّر کردی اور اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے مجھے کہنا پڑا کہ مجھے "جنابِ عالی" کہہ کر مخاطب

کرو...... (وقفہ) اولگا تم کچھ بولتی کیوں نہیں...... بس اب یہ رویہ بدلو...... تم ہر وقت خاموشی سے کیا سوچ سوچ کر کڑھا کرتی ہو...... اچھا ماشا تم بھی یہاں ہو اور ارینا تم بھی..... یہ تو بہت اچھی بات ہے، اب ہم کھل کر بات کر سکتے ہیں...... مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے دل میں میرے خلاف کیا غبار ہے...... کچھ تو بتاؤ......

اولگا:۔ بس اس وقت یہ باتیں رہنے دو، اندروشا ہم کل اس مسئلے پر بات کریں گے (پریشان اور گھبرائی ہوئی ہے) اُفوہ کس قدر خوفناک رات ہے۔

اندرے:۔ (شرمندہ اور گھبرایا ہوا ہے) دیکھو پریشان ہونے کی بات نہیں۔ میں تم سے بہت سکون سے پوچھ رہا ہوں..... آخر تم لوگوں کو مجھ سے کیا شکایت ہے..... مجھ سے صاف صاف کہو۔

(وارا شیلن کی آواز اسٹیج کے باہر سے آتی ہے ٹم.... ٹم..... ٹم)

ماشا:۔ (اٹھتے ہوئے اونچی آواز میں) ٹارا...... ٹارا...... ٹارا...... (اولگا سے) اچھا خدا حافظ اولگا، خدا تمہیں خوش رکھے۔ (پردے کے پیچھے جا کر ارینا کو پیار کرتی ہے) شب بخیر ارینا..... خدا حافظ اندرے..... اب تمہیں یہاں سے جانا چاہیے...... یہ لوگ بہت تھکی ہوئی ہیں... کل اس مسئلہ پر بات کر لینا۔ (جاتی ہے)

اولگا:۔ واقعی اندروشا، اس بات کو کل تک کے لیے ملتوی کرو۔ (اپنی طرف پردے کے پیچھے جاتی ہے) اب بہت رات گزر چکی ہے۔ ہم لوگوں کو اب سونا چاہیے۔

اندرے:۔ میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد میں فوراً چلا جاؤں گا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میری بیوی کی طرف سے تم لوگوں کا دل صاف نہیں ہے۔ جب سے ہماری شادی ہوئی ہے، مجھے برابر اس بات کا احساس رہا ہے۔ نتاشا ایک اچھی عورت ہے، وہ ایک ایماندار، صاف گو اور بلند اصولوں والی عورت ہے، اس کے بارے میں میری یہی رائے ہے۔ مجھے اپنی بیوی کی سے محبت ہے اور میں اس کی عزت کرتا ہوں...... امید ہے کہ تم اس بات کو سمجھتی ہوگی کہ میں اس کی عزت کرتا ہوں اور اس بات کی توقع کرتا ہوں کہ اور لوگ بھی اس کی عزت کریں۔ میں پھر اس بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ وہ ایک ایماندار اور بلند اصولوں والی عورت ہے۔ اور اس کے خلاف تمہاری سب شکایتیں، اگر تم بُرا نہ مانو تو یہ سب تمہارے تخیل کی پیداوار ہیں اور اس سے

زیادہ کچھ نہیں...... (وقفہ)

دوسرے یہ کہ تم لوگ مجھ سے اس بات پر خفا ہو کہ میں پروفیسر نہیں بن سکا اور میں کوئی علمی کام نہیں کرتا۔ لیکن میں کاؤنسل آفس میں کام کرتا ہوں ...... اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرا یہ کام بھی اتنا ہی اچھا اور قابلِ قدر ہے جتنا کوئی علمی کام...... اور میں کاؤنٹی کونسل کا ممبر ہوں...... اور اگر تم جاننا چاہتی ہو تو میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ مجھے اس پر فخر ہے...... (وقفہ) ...... تیسری بات یہ ہے کہ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میں نے تمہاری اجازت لیے بغیر اس گھر کو رہن رکھا ہے...... یہ میری غلطی تھی...... میں اس کا اعتراف کرتا ہوں.... اور تم لوگوں سے اس کی معافی چاہتا ہوں...... میں نے قرضوں سے مجبور ہو کر ایسا کیا...... مجھ پر اب بھی ۳۵ ہزار روبل کا قرضہ ہے...... اب میں نے تاش کھیلنا بھی چھوڑ دیا ہے...... اپنی صفائی میں میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں...... وہ یہ کہ تم لوگوں کو اس جائیداد سے سالانہ آمدنی ملتی رہتی ہے...... مجھے تو یہ فائدہ بھی نہیں۔

کولی گن :۔ (دروازے سے آواز دیتا ہے) کیا ماشا یہاں ہے..... اچھا یہاں بھی نہیں ہے۔ (گھبرا کر) ...... وہ کہاں ہو سکتی ہے..... کتنی عجیب بات ہے..... (جاتا ہے)

اندریے :۔ تم لوگ کچھ سننا نہیں چاہتیں نتاشا ایک اچھی اور ایماندار عورت ہے...... میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں (اسٹیج پر تیز قدموں سے ٹہلتا ہے) جب میں نے اس سے شادی کی تو میرا خیال تھا کہ ہم خوش رہ سکیں گے...... لیکن...... میرے خدا...... (روتا ہے)..... میری پیاری بہنوں...... میری اچھی بہنوں...... میری کسی بات کا یقین نہ کرنا...... جو کچھ میں کہہ رہا تھا، سب جھوٹ ہے اس کا یقین نہ کرنا...... (باہر جاتا ہے)

کولی گن :۔ (دروازے سے پریشانی کے عالم میں) ماشا کہاں ہے۔ کیا وہ یہاں نہیں ہے.... کمال ہے....!

(اسٹیج خالی ہے، باہر خطرے کی گھنٹی بجتی ہے)

ارینا :۔ (پردے کے پیچھے سے) اولگا یہ کون دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔

اولگا :۔ ڈاکٹر ایوان رومانچ وہ شراب کے نشے میں بدمست ہے۔

ارینا :۔ عجیب رات تھی۔ ایک کے بعد ایک کتنے بہت سے واقعات گزر گئے...... (وقفہ) (پردے

کے پیچھے سے جھانکتی۔ اچھا اولگا تم نے سنا فوج کا تبادلہ ہو رہا ہے، انھیں بہت دور کہیں بھیجا جا رہا ہے۔

اولگا:۔ یہ غالباً صرف افواہ ہے۔

اریناؔ:۔ ان کے جانے کے بعد ہم لوگ بالکل اکیلے رہ جائیں گے۔

اولگا:۔ ہاں...... لیکن......

اریناؔ:۔ اولگا پیاری...... میں بیرن کی عزت کرتی ہوں...... میں اس کو بہت اچھا سمجھتی ہوں...... میں اس سے شادی کروں گی...... بس اگر ہم ماسکو جا سکیں...... چلو ہم ماسکو چلیں...... خدا کے لیے چلو...... دنیا میں ماسکو جیسی کوئی جگہ نہیں ہے...... چلو اولگا...... چلو ہم ماسکو چلیں۔

پَرْدَہ

چوتھا ایکٹ

(پروزوروف کے گھر کا قدیم پائیں باغ صنوبر کے درختوں کی قطار کے پیچھے سے دریا نظر آرہا ہے جس کے دوسرے کنارے پر ایک جنگل ہے، اسٹیج پر دائیں طرف ایک برآمدہ ہے جس میں میز پر شیمپین کی خالی بوتلیں اور گلاس رکھے ہیں، دوپہر کا وقت ہے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد لوگ سڑک سے دریا کی طرف جانے کے لیے باغ میں سے گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں، پانچ چھ سپاہی تیزی سے مارچ کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔)

(چے بوتکن ایک کرسی پر بیٹھا ہے، اس پر ایک سکون اور نرم دلی کی کیفیت طاری ہے جو اس سین کے ختم ہونے تک باقی رہتی ہے۔ اس نے ایک فوجی ٹوپی پہن رکھی ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں جانے کے لیے بالکل تیار ہے اور کسی وقت بھی اٹھ کر جا سکتا ہے۔ کولی گن ارینا اور توزن باخ برآمدے میں کھڑے ہوئے فیدوتک اور رودے سے رخصت ہو رہے ہیں۔ کولی گن نے گلے میں ایک تمغہ پہن رکھا ہے اور اس نے اپنی مونچھیں منڈوالی ہیں، دونوں افسر فوجی لباس میں ہیں اور اس وقت سیڑھیوں کے نیچے اتر رہے ہیں۔)

توزن باخ :۔ (فیدوتک سے گلے ملتے ہوئے) تم بڑے بھلے آدمی ہو فیدوتک! اور ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے اچھے دوست رہے ہیں۔ (رودے کو گلے لگاتا ہے) ایک بار پھر خدا حافظ پیارے دوستو!۔

ارینا :۔ "سلامت روی و باز آئی"۔

فیدوتک :۔ باز آمدن کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ یہ تو خدا حافظ کا وقت ہے۔ ہم اب کبھی نہیں ملیں گے۔

کولی گن :۔ کون کہہ سکتا ہے۔ (آنسو پونچھتا ہے)۔ (مسکرا کر) ارے میں تو رونے لگا۔

ارینا :۔ ہم کبھی نہ کبھی ضرور ملیں گے۔

فیدوتک :۔ ہو سکتا ہے دس یا پندرہ سال میں ہم پھر کہیں ملیں۔ اس وقت تو ہم مشکل سے ایک دوسرے کو پہچان سکیں گے۔ بس ہم غیروں کی طرح ملیں گے اور سرد مہری سے ایک دوسرے سے کہیں گے "کہیے کیا حال ہے ....." (ایک تصویر لیتا ہے) بس ایک منٹ اور ٹھہرو ..... ایک تصویر اور ..... آخری بار۔

رودے :۔ (توزن باخ کو گلے لگاتا ہے) اب ہمارے ملنے کا کوئی امکان نہیں۔ (ارینا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) بہت بہت شکریہ ..... ہر چیز کا شکریہ۔

فیدوتک :۔ (جو تصویر لینے کی کوشش کر رہا ہے) (خفا ہو کر) ارے بھئی ذرا تھوڑی دیر انتظار کرو۔

توزن باخ :۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم ضرور ملیں گے۔ خط ضرور لکھنا۔ خط لکھنے میں کوتاہی نہ کرنا۔

رودے :۔ (باغ میں چاروں طرف دیکھتا ہے) خدا حافظ درختو! ..... (بلند آواز میں) ہے ہو (وقفہ) خدا حافظ گونج۔

کولی گن :۔ کچھ عجب نہیں کہ پولینڈ میں تم شادی بھی کر لو۔ پھر تمہاری ایک پولش بیوی ہو گی، جو تمہاری گردن میں ہاتھ ڈال کر کہے گی ..... کوہان ..... جانِ من ..... (ہنستا ہے)

فیدوتک :۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) ہماری روانگی میں ایک گھنٹے سے بھی کم وقت باقی ہے۔ ہم لوگوں میں ابھی تک صرف سولیونی کشتی میں بیٹھ کر دریا پار گیا ہے۔ باقی سب ڈویژن کے ساتھ مارچ کریں گے۔ تین فوجی دستے آج روانہ ہو رہے ہیں اور تین کل ہوں گے ..... ہمارے جانے کے بعد شہر خاموش اور پُر سکون ہو جائے گا۔

توزن باخ :۔ ہاں ..... پرسکون اور بے کیف۔

رودے :۔ اس پر یاد آیا کہ ماریا سرگی وینا کہاں ہیں۔

کولی گن:۔ یہیں کہیں باغ میں ہے۔
فیدوتک:۔ ہمیں انھیں بھی خدا حافظ کہنا ہے۔
رودے:۔ اچھا خدا حافظ۔ مجھے اب چلنا چاہیے ورنہ میں اپنے آنسو نہ روک سکوں گا (تیزی سے تو زن باخ اور کولی گن سے گلے ملتا ہے اور ارینا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) یہاں زندگی بہت خوشگوار گزری۔
فیدوتک:۔ (کولی گن سے) یہ لو تمہارے لیے ایک چھوٹی سی نشانی نوٹ بک اور پنسل .... ہم اس راستہ سے دریا کی طرف چلے جاتے ہیں۔
رودے:۔ (بلند آواز میں) ہے...... ہو۔
کولی گن:۔ (بلند آواز میں) خدا حافظ۔

(اسٹیج کے پچھلے حصّہ میں فیدوتک اور رودے ماشا سے ملتے ہیں۔ اس طرف وہ دونوں ماشا سے رخصت ہوتے ہیں۔ ماشا ان کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔)

ارینا:۔ وہ سب چلے گئے۔ (برآمدہ کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے)
چے بوتکن:۔ وہ لوگ مجھے خدا حافظ کہنا بھول گئے۔
ارینا:۔ اور تم ....
چے بوتکن:۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، میں بھی بھول گیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں بہت جلد ان لوگوں سے ملوں گا۔ میں کل جا رہا ہوں۔ بس ایک دن اور باقی ہے۔ اور پھر ایک سال بعد میں ریٹائر ہو جاؤں گا۔ پھر میں یہاں واپس آؤں گا۔ اور باقی زندگی تمہارے ساتھ گزاروں گا۔ بس ایک سال اور باقی ہے۔ پھر مجھے پنشن مل جائے گی۔ (ایک اخبار تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہے اور دوسرا نکالتا ہے) میں یہاں آجاؤں گا اور ایک اصلاح شدہ زندگی گزاروں گا۔ اور میں ایک معقول، خاموش اور اچھے طور طریق کا آدمی بن جاؤں گا۔
ارینا:۔ ہاں کم سے کم اب تو تمہیں ایک معقول زندگی گزارنا شروع کرنا چاہیے۔ تمہیں اپنی زندگی میں ایک بنیادی تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہے۔
چے بوتکن:۔ ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔ (گنگناتا ہے)

"جام ہے تھام لو آخری شام ہے
پھر تو بس قبر ہے اور آرام ہے"

کولی گن :۔ ایوان رومانچ تمہاری اصلاح ناممکن ہے۔

چے بوتکن :۔ ہاں! اب سے بہت پہلے تمہیں اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے تھا۔ تم شاید میری اصلاح کر سکتے۔

ارینا :۔ مونچھیں منڈوانے کے بعد فیوڈور کا چہرہ کتنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔

چے بوتکن :۔ کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ تمہارا چہرہ کیسا الگ رہا ہے۔ لیکن مجھ میں اس کی ہمت نہیں۔

کولی گن :۔ یہی دنیا کا دستور ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے،

" چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کو"

ڈائرکٹر نے اپنی مونچھیں منڈوالیں۔ اس لیے جب مجھے انسپکٹر شپ ملی تو مجھے بھی منڈوانا پڑیں اب کسی کو میرا چہرہ اس طرح اچھا معلوم ہو یا بُرا۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں میں ہر حال میں خوش ہوں، مونچھیں ہوں یا نہ ہوں۔

(اندر سے اسٹیج کے پیچھے کی طرف گاڑی کھانے کر گزرتا ہے، جس میں بچہ سو رہا ہے)

ارینا :۔ ایوان رومانچ میرے پیارے دوست، میں ایک خاص سلسلے میں پریشان ہوں، تم کل کمپنی باغ گئے تھے، سچ بتاؤ وہاں کیا ہوا۔

چے بوتکن :۔ کیا ہوا..... کچھ بھی نہیں...... معمولی سی بات تھی۔ (اخبار پڑھتا ہے)..... اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔

کولی گن :۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ کل سولیونی اور بیرن تھیٹر کے باہر کمپنی باغ میں ایک دوسرے سے ملے ..... اور ...

توزن باخ :۔ نہیں، نہیں...... اس ذکر سے کیا فائدہ...... (ہاتھ کے اشارے سے منع کرتا ہے اور گھر کے اندر چلا جاتا ہے)

کولی گن :۔ ہاں تھیٹر کے سامنے ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ سولیونی نے بیرن کو تنگ کرنا شروع کیا، بیرن سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے کوئی سخت بات کہہ دی جس پر سولیونی کو غصہ آ گیا۔

چے بوتکن :۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں سب بکواس ہے۔

کولی گن :۔ ایک اسکول ماسٹر نے ایک بار اپنے شاگرد کے ایک مضمون پر روسی زبان میں لکھ دیا "بکواس" شاگرد اسی ادھیڑ بن میں پڑ گیا کہ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی لاطینی لفظ ہے ...... (خوب ہنستا ہے) بہت خوب ..... عجیب بات ہے، لوگ کہتے ہیں کہ سولیونی ارینا کی محبت میں گرفتار ہے۔ اور بیرن سے شدید نفرت کرنے لگا ہے۔ اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے، ارینا بڑی پیاری لڑکی ہے ...... وہ کچھ کچھ ماشا کی طرح ہے، ماشا کبھی کبھی اپنے خیالات میں گم ہو جاتی ہے (ارینا سے) تمہاری طبیعت ماشا سے زیادہ کھلی کھلی اور سیدھی سادی ہے ...... ویسے ماشا بھی بہت اچھی طبیعت کی لڑکی ہے، ...... مجھے اس سے محبت ہے ..... میں اپنی ماشا کو بہت چاہتا ہوں۔ (اسٹیج کے پیچھے سے کسی کے پکارنے کی آواز آتی ہے ..... ہے ..... ہو)

ارینا :۔ (گھبرا کر) یہ کیا ہے ..... آج مجھے ہر چیز سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ (وقفہ) کھانے کے بعد میں کچھ سامان بھیج رہی ہوں۔ کل میری اور بیرن کی شادی ہو جائے گی۔ اور اس کے فوراً بعد ہم اینٹوں کے کارخانے کی طرف چلے جائیں گے اور پرسوں سے میں اسکول میں کام شروع کر دوں گی۔ اور اس طرح خدا نے چاہا تو ہماری نئی زندگی شروع ہوگی، جب میں ٹیچرز ٹریننگ کے لیے امتحان کا پرچہ کر رہی تھی، تو مجھے ایک دم رونا آ گیا۔ اور یہ خوشی کے آنسو تھے اور میرے دل میں تشکر کا جذبہ تھا...... (وقفہ) ..... کچھ دیر میں سامان لینے کے لیے گاڑی آنے والی ہوگی ..... (وقفہ)

کولی گن :۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے، لیکن معلوم نہیں کیوں مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا کہ تم واقعی سنجیدہ ہو ..... خیالات اور ارادے تو بہت خوب ہیں ...... لیکن ان میں حقیقت کتنی ہے ...... بہر حال میں تمہیں دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

چے بوتکن :۔ (متاثر ہو کر) میری عزیز ترین لڑکی ...... میری بیش بہا بچی تم مجھ سے بہت آگے نکل چکی ہو، شاید میں اب کبھی تم تک نہ پہنچ سکوں۔ میں ایک ایسی چڑیا کی طرح بہت پیچھے رہ گیا ہوں جو بوڑھی ہو چکی ہو اور غول کا ساتھ نہ دے سکے، اڑ جاؤ میری پیاری بچیوں اڑ جاؤ ..... خدا تمہیں کامیاب کرے ...... (وقفہ) ...... اس بات کا بہت افسوس ہے فیودور کہ تم نے مونچھیں صاف کرالیں۔

کولی گن : اب اس بات کو بار بار نہ دہراؤ (آہ بھرتا ہے) ہاں..... تو آج سب سپاہی چلے جائیں گے ...... اور ہر چیز اپنی پرانی رفتار پر آجائے گی...... خیر لوگ جو کچھ بھی کہیں ماشا ایک نیک اور وفادار بیوی ہے...... ہاں مجھے اس سے دلی محبت ہے۔ اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسی بیوی عطا کی۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہیں جو سب کے ساتھ انوکھا برتاؤ کرتی ہے مثال کے طور پر یہاں ٹیکس کے دفتر میں کوزی ریو نام کا ایک کلرک ہے جو اسکول میں میرے ساتھ پڑھتا ہے۔ اور پانچویں کلاس میں اس کا نام اسکول سے خارج کر دیا گیا تھا۔ کیوں کہ وہ ہزار کوششوں کے بعد بھی (UT - CONSECUTINUM) نہیں سمجھ سکا۔ وہ بیچارہ اب بہت مصیبت میں ہے اور اس کی صحت بھی خراب رہتی ہے۔ جب کبھی میں اس سے ملتا ہوں کہتا ہوں "کہو کیا حال ہے" اور وہ کہتا ہے ہاں بھئی یہی تو تمام مصیبتوں کی جڑ ہے اور پھر (UT - CONSECUTINUM) کھانسنا شروع کر دیتا ہے۔ اب مجھے دیکھیے...... خدا کا شکر ہے کہ میں ہمیشہ خوش قسمت رہا ہوں...... اور میں خوش بھی ہوں۔ مجھے یونیورسٹی کا اعزازی تمغہ مل چکا ہے.... سکنڈ کلاس اور اب میں بچوں کو وہی نانا فارمولا پڑھا رہا ہوں...... اس میں شک نہیں کہ میں کافی ہوشیار ہوں...... بہت سے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ قابل اور ہوشیار...... لیکن انسانی خوشی کا دار و مدار صرف ہوشیاری پر بھی نہیں ہے۔

(گھر میں کوئی دوشیزہ کی دعا کی دھن بجا رہا ہے)

ارینا : مجھے کل دوشیزہ کی دعا کی دھن نہیں سننی پڑے گی اور نہ پروٹوپوف سے ملنا پڑے گا۔ (وقفہ) ہاں اس پر خیال آیا کہ وہ اس وقت بھی یہیں موجود ہے، ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ہے۔

کولی گن : ہماری ہیڈ مسٹریس صاحبہ ابھی تشریف نہیں لائیں۔

ارینا : نہیں۔ ہم نے انھیں لینے کے لیے آدمی بھیجا ہے.... کاش کہ تم یہ تصور کر سکتے کہ میرے لیے یہاں اولگا کے بغیر رہنا کتنا مشکل ہے اب وہ ہیڈ مسٹریس ہو گئی ہے اور اسکول ہی میں رہتی ہے اور تمام دن مصروف رہتی ہے اور میں یہاں اکیلی پڑی رہتی ہوں۔ کتنی بے کار اور بے کیف زندگی ہے مجھے اپنے کمرے تک سے نفرت ہے...... اس لیے اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر ماسکو جانا میری قسمت میں نہیں تو میں اپنی قسمت تو نہیں بدل سکتی۔ شاید خدا کی مرضی یہی ہے جو کچھ ہوتا ہے خدا

کی مرضی ہی سے ہوتا ہے۔ بہر حال..... نکولائی لووچ نے مجھ سے شادی کی درخواست کی میں نے اس پر غور کیا...... اور آخر کار میں نے یہ فیصلہ کر ہی لیا۔ وہ کتنا اچھا آدمی ہے..... اس کی خوبیاں واقعی حیرت انگیز ہیں۔ یہ طے کرنے کے بعد میں اپنے کو بہت ہلکا اور خوش محسوس کرنے لگی۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ میری روح کو پر لگ گئے ہیں اور میں ہواؤں میں پرواز کر رہی ہوں۔ ایک بار پھر میرے دل میں کام کرنے کی خواہش جاگ اٹھی۔ بس اب میں کام شروع کر دینا چاہتی ہوں..... لیکن...... لیکن معلوم نہیں کل کیا ہوا...... اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی راز میرے سر پر منڈلا رہا ہو۔

چے بوتکن۔ بکواس۔

نتاشا۔ (کھڑکی سے باہر سر نکال کر) ہماری ہیڈ مسٹریس آگئیں۔

کولی گن۔ ہماری ہیڈ مسٹریس تشریف لے آئیں چلو اندر چلیں۔

(کولی گن اور ارینا اندر جاتے ہیں)

چے بوتکن۔ (اخبار پڑھتا ہے اور آہستہ آہستہ گنگناتا ہے)

جام سے تھام لو...... آخری شام ہے..... آخری شام ہے۔
پھر تو بس قبر ہے..... قبر ہے..... اور آرام ہے..... اور آرام ہے۔

(ماشا اس کی طرف آتی ہے اور اسٹیج کے پچھلے حصہ میں اندرے بچے کی گاڑی (پرام) ڈھکیلتا ہوا گزرتا ہے)

ماشا۔ (چے بوتکن سے) تم یہاں بیٹھے ہوئے بڑے مطمئن نظر آ رہے ہو۔

چے بوتکن۔ ہاں ہاں کیوں نہیں..... کوئی خاص بات ہے۔

ماشا۔ نہیں کوئی خاص بات نہیں (وقفہ)....... مجھے ایک بات بتاؤ..... کیا تم میری اماں سے محبت کرتے تھے۔

چے بوتکن۔ ہاں بے حد......

ماشا۔ کیا انھیں بھی تم سے محبت تھی۔

چے بوتکن۔ (ایک وقفہ کے بعد) یہ اب مجھے یاد نہیں۔

ماشا :۔ کیا وہ آگئے...... ہماری کالو کرمارفیا ہمیشہ اپنے سپاہی کو، وہ کہتی تھی..... ہاں تو کیا وہ یہاں ہیں۔

چے بوتکن :۔ نہیں ابھی نہیں۔

ماشا :۔ اگر کسی کی خوشی اتنی غیر یقینی ہو جیسی میری ہے اور اسے اس طرح ملی ہو جیسے چھین جھپٹ میں مٹھائی کا کوئی ٹکڑا ہاتھ لگ جائے اور پھر ملتے ہی چھین لیا جائے...... جیسے مجھ سے میری خوشی چھن گئی ہے تو وہ شخص درشت اور بدمزاج ہو جاتا ہے (اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے) معلوم ہوتا ہے یہاں اندر کوئی چیز جل رہی ہے۔ (اندرے پر نظر پڑتی ہے جو پھر ایک بار بچے کی گاڑی لیے اسٹیج سے گزرتا ہے)...... وہ ہے اندرے...... ہمارا پیارا بھائی۔ ہماری سب امیدیں ختم ہو چکی ہیں...... کچھ ایسی ہی بات ہے جیسے ہزاروں آدمی ایک بڑے گھنٹے کو کسی اونچے مینار پر لٹکانے کی کوشش کر رہے ہوں اور اس پر بہت سی محنت اور روپیہ خرچ ہو چکا ہو...... اور پھر جب وہ اوپر پہنچنے والا ہو تو یکا یک گر کر چکنا چور ہو جائے..... بغیر کسی وجہ کے..... اندرے کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔

اندرے :۔ (قریب آتے ہوئے) یہ لوگ کب خاموش ہوں گے کتنا شور ہے۔

چے بوتکن :۔ بہت جلدی...... (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہے) یہ ایک پرانے زمانے کی گھڑی ہے، اس میں گھنٹہ بجتا ہے (گھڑی کو چابی دیتا ہے وہ بجتی ہے) پہلی، دوسری اور تیسری بیٹریاں ٹھیک ایک بجے روانہ ہو جائیں گی۔ (وقفہ) اور میں کل چلا جاؤں گا۔

اندرے :۔ کیا ہمیشہ کے لیے۔

چے بوتکن :۔ کہہ نہیں سکتا۔ ممکن ہے ایک سال بعد واپس آجاؤں...... خدا بہتر جانتا ہے...... بہر حال اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔

(بربط اور وائلن بجنے کی آواز آتی ہے)

اندرے :۔ شہر بالکل خالی خالی ہو جائے گا۔ اور زندگی ایک شمع کی طرح بجھ جائے گی (وقفہ) کل تھیٹر کے سامنے کیا ہوا ہر شخص اس کے متعلق باتیں کر رہا ہے۔ ایک میں ہی ایسا آدمی ہوں جسے اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں۔

چے بوتکن :۔ نہیں کوئی خاص بات نہیں تھی، صرف بکواس سولیونی نے بیرن کو تنگ کرنا شروع کیا یا کوئی اس قسم کی بات تھی بیرن کو بھی غصہ آگیا اور اس نے سولیونی کی بے عزتی کر دی اور آخر میں سولیونی کو کہنا پڑا کہ اس کا فیصلہ لڑائی کے ذریعہ ہوگا۔ (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہے) ساڑھے بارہ بجے ...... وہاں جنگل میں دریا کے اس پار بینگ ...... بینگ ...... (ہنستا ہے) سولیونی سمجھتا ہے کہ وہ دوسرا لرمنتوف ہے، اس نے واقعی شاعری بھی شروع کر دی ہے۔ لیکن خیر مذاق برطرف یہ اس کی تیسری ڈوئل ہے۔

ماشا :۔ کس کی تیسری ڈوئل۔

چے بوتکن :۔ سولیونی کی......

ماشا :۔ اور بیرن۔

چے بوتکن :۔ ہاں......اور بیرن (وقفہ)

ماشا :۔ میرے خیالات منتشر ہیں۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ان لوگوں کو ڈوئل لڑنے سے روکنا چاہیے۔ سولیونی بیرن کو زخمی کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسے ہلاک کر دے۔

چے بوتکن :۔ ٹھیک ہے...... بیرن اچھا آدمی ہے...... لیکن دنیا میں ایک بیرن کم ہو یا ایک بیرن زیادہ اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ چلو اب اس بات کو بھول جاؤ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

(باغ کے دوسری طرف سے شور کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

اندرے :۔ میرے خیال میں تو اس طرح ڈوئل لڑنا ایک گناہ ہے اور اس موقع پر ڈاکٹر کی حیثیت سے شریک ہونا بھی اس گناہ میں شرکت کرنے کے برابر ہے۔

چے بوتکن :۔ یہ تو صرف نظر کا دھوکا ہے...... ہم لوگوں کا کوئی وجود نہیں...... کسی چیز کا وجود نہیں ......اور پھر اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔

ماشا :۔ باتیں...... باتیں...... تمام دن سوائے باتوں کے کچھ نہیں (جانے کے لیے اٹھتی ہے) ایک تو یہ خوفناک موسم جس میں ہر منٹ برف باری شروع ہونے کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور پھر اوپر سے ان لوگوں کی بے معنی گفتگو۔ (ٹھہر جاتی ہے) میں گھر کے اندر نہیں جاؤں گی...... اس کا خیال بھی ناقابلِ برداشت ہے...... جب وارشنین آجائیں تو مہربانی سے مجھے بتا دینا۔ (دوسری طرف

جاتی ہے) دیکھو ابھی سے چڑیاں جنوب کی طرف اڑ رہی ہیں (اوپر دیکھتے ہے)...... پیاری چڑیوں ...... مسرور چڑیوں۔

اندرے :۔ ہمارا گھر بہت جلد اجڑ جائے گا۔ فوجی افسر چلے جائیں گے، تم چلے جاؤ گے، میری بہن کی شادی ہو جائے گی اور میں گھر میں اکیلا رہ جاؤں گا۔

چے بوتکن :۔ اور تمہاری بیوی۔

(فیراپونٹ کچھ دفتری کاغذات لیے داخل ہوتا ہے)

اندرے :۔ میری بیوی، میری بیوی ہے وہ ایک معقول اور اچھی عورت ہے۔ وہ واقعی بڑی رحم دل ہے...... لیکن معلوم نہیں اس میں کون سی ایسی بات ہے جو اُسے جانوروں کی صف میں لا کھڑا کر دیتی ہے۔ کمینے، اندھے اور موٹی کھال والے جانوروں کی صف میں...... جو بہر حال انسان نہیں ہو سکتے...... میں تم سے ایک دوست کی حیثیت سے یہ باتیں کر رہا ہوں۔ تم ہی ایک ایسے انسان ہو جس سے میں اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہوں...... اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نتاشا سے محبّت کرتا ہوں، لیکن کبھی کبھی وہ مجھے اتنی جاہل اور ناشائستہ معلوم ہوتی ہے کہ میں پریشان ہو جاتا ہوں...... اور پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس وجہ سے میں اس سے محبّت کرتا ہوں...... یا کم سے کم کرتا تھا۔

چے بوتکن :۔ میرے پیارے لڑکے...... میں کل یہاں سے جا رہا ہوں اور ہو سکتا ہے ہم کبھی ایک دوسرے سے نہ ملیں۔ اس لیے میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں، اپنے سر پر ہیٹ رکھو ہاتھ میں چھڑی لو...... اور بس چل پڑو...... اور کبھی مڑ کر نہ دیکھو...... اور جتنی زیادہ دور تم جا سکو اتنا ہی اچھا ہے۔

(سولیونی دو فوجی افسروں کے ساتھ اسٹیج کے پیچھے کی طرف دکھائی دیتا ہے۔ چے بوتکن کی طرف دیکھ کر وہ اس کی طرف مڑتا ہے دونوں فوجی افسر آگے چلے جاتے ہیں)۔

سولیونی :۔ ڈاکٹر وقت ہو چکا ہے، ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ (اندرے سے ہاتھ ملاتا ہے)

چے بوتکن :۔ میں ایک منٹ میں آتا ہوں...... اے خدا...... میں تم سب سے تھک چکا ہوں۔ (اندرے سے) اندریوشا اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ میں ابھی واپس آتا ہوں...... آہ......

آہ.......آہ۔

سولیونی:۔ آہ......آہ.......آہ۔ امید ہے کہ اس بار کسی کو ایک لمبی آہ کھینچنے کی مہلت بھی نہ ملے گی۔

(چے بوتکن کے ساتھ جاتا ہے) یہ آہیں کیوں بھر رہے ہو، بزرگوار۔

چے بوتکن:۔ کچھ نہیں.......ایسے ہی.......

سولیونی:۔ کیوں تمہارا حال احوال کیا ہے؟۔

چے بوتکن:۔ ایک پُرانے نُچے ہوئے چڑیا کے گھونسلے کی طرح۔

سولیونی:۔ تمہیں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بڑے میاں میں کچھ نہیں کروں گا۔ بس ذرا اس کے پَر کاٹ دوں گا۔ تھوڑے تھوڑے۔ (جیب میں سے ایک عطر کی شیشی نکالتا ہے اور اپنے ہاتھوں پر عطر لگاتا ہے) میں آج ایک پوری شیشی خرچ کر چکا ہوں۔ لیکن اب بھی میرے ہاتھوں میں سے بدبو آرہی ہے۔ جیسی ایک لاش میں سے آتی ہے.....تمہیں لرمنتوف کا وہ شعر یاد ہے۔

"پھر اُسے ہے کسی بڑھتے ہوئے طوفاں کی تلاش
جس میں مل جائے سکونِ دلِ بیتاب کا راز"

چے بوتکن:۔ ہاں۔

"جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے"

(سولیونی کے ساتھ باہر جاتا ہے شور کی آوازیں بلند ہوتی ہیں، اندرے اور فیراپونٹ سامنے کی طرف آتے ہیں)

فیراپونٹ:۔ مہربانی سے ان کاغذات پر دستخط کر دیجیے۔

اندرے:۔ (چڑ کر) میرے پیچھے نہ پڑو خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو.......

(بچّے کی گاڑی لے کر چلا جاتا ہے.......ارینا اور توزن باخ داخل ہوتے ہیں.....توزن باخ تنکوں کا بنا ہوا ہیٹ پہنے ہے.......)

کولی گن:۔ (اسٹیج پر سے گزر رہا ہے وہ پکار رہا ہے) ماشا.....ارے بھئی ماشا!

توزن باخ:۔ میرے خیال میں شہر بھر میں یہی ایک شخص ہے جسے فوج کے یہاں سے جانے کی خوشی ہے۔

ارینا:۔ ہاں ظاہر ہے ..... (وقفہ) ان لوگوں کے جانے کے بعد شہر بالکل خالی خالی ہو جائے گا۔

توزن باخ:۔ پیاری ارینا، بس میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔

ارینا:۔ تم کہاں جا رہے ہو۔

توزن باخ:۔ بس مجھے ذرا شہر جانا ہے ..... اور پھر ..... مجھے اپنے کچھ دوستوں کو رخصت بھی کرنا ہے۔

ارینا:۔ مجھے اس بات کا یقین نہیں نکولائی، آج تم کچھ کھوئے کھوئے معلوم ہو رہے ہو .... (وقفہ) کل تھیٹر کے سامنے کیا واقعہ پیش آیا۔

توزن باخ:۔ بس میں ایک گھنٹے میں واپس آجاؤں گا ..... میں بہت جلد تمہارے پاس آجاؤں گا .... (اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے) ..... میری پیاری ..... میری متاعِ عزیز ..... (اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہے) میں پانچ سال سے تم سے محبت کرتا ہوں ..... لیکن اب تک میں اس جذبے کا عادی نہیں ہوا ہوں۔ اور تم روز بروز زیادہ حسین ہوتی جا رہی ہو ..... اُف یہ خوب صورت بال ..... اور یہ حسین آنکھیں .... میں کل تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا .... ہم دونوں کام کریں گے اور خوش حال زندگی گزاریں گے ..... اور میرے سب خواب حقیقت میں بدل جائیں گے ..... لیکن بس ایک خلش ہے ..... وہ یہ کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں ....

ارینا:۔ اس سلسلے میں میں بے بس ہوں۔ میں تمہاری بیوی بنوں گی۔ میں ایک وفا شعار اور فرمانبردار بیوی بنوں گی۔ لیکن میں تم سے محبت نہیں کر سکتی۔ اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ (روتی ہے) میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی ...... میں نے محبت کے کتنے خواب دیکھے تھے ..... کتنے زمانے سے میں یہ خواب دیکھ رہی ہوں ...... دن رات، معلوم ہوتا ہے کہ میری روح ایک قیمتی پیانو کی طرح ہے جسے بند کر دیا گیا ہو اور جس کی کنجی کھو گئی ہو ..... (وقفہ) ..... تمہاری آنکھیں بہت بے قرار ہیں۔

توزن باخ:۔ میں تمام رات جاگتا رہا ...... اس لیے نہیں کہ میرے سامنے کوئی ہیبت ناک چیز ہے، مجھے کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے ..... صرف اس کھوئی ہوئی کنجی کا خیال میرے دل میں ایک خلش بن کر کھٹکتا ہے اور میری راتوں کی نیند اڑا دیتا ہے ..... کچھ بولو ارینا ...... (وقفہ) .....

کچھ تو کہو۔

ارینا:۔ کیا..... مجھے کیا کہنا چاہیے...... میں کیا کہوں۔

توزن باخ:۔ کچھ بھی کہو۔

ارینا:۔ نہیں، نہیں، پیارے نکولائی...... نہیں...... (وقفہ)

توزن باخ:۔ کتنی ذرا سی بات ہے لیکن بعض بہت چھوٹی چیزیں کبھی کبھی ہماری زندگی میں کوئی بڑی اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ ہم انھیں بے معنی سمجھتے ہیں۔ ان پر ہنستے ہیں...... اور پھر یکایک ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان کی گرفت میں ہیں۔ اور کسی طرح ان پر قابو نہیں پا سکتے۔ لیکن ان باتوں کو چھوڑ دو..... میں واقعی بہت خوش ہوں۔ اور اپنے کو ایک بلندی پر محسوس کر رہا ہوں...... معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تجسّس بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور کسی چیز کے انتظار میں ہیں...... کتنے حسین درخت ہیں...... ذرا سوچو ان کے ساتھ زندگی کتنی خوشگوار گزر سکتی ہے۔

(شور کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

اب مجھے جانا چاہیے...... وقت ہو چکا ہے...... دیکھو اس سوکھے ہوئے درخت کو دیکھو...... یہ بالکل مرجھا چکا ہے۔ لیکن دوسرے درختوں کے ساتھ یہ بھی ہوا میں جھوم رہا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو اسی طرح زندگی میں میرا ابھی کوئی نہ کوئی حصہ ہوگا۔ (ارینا کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے) پیاری ارینا تم نے جو کاغذات مجھے دیے تھے وہ میری لکھنے کی میز پر ہیں، کیلنڈر کے نیچے۔

ارینا:۔ میں بھی تمہارے ساتھ آ رہی ہوں۔

توزن باخ:۔ (گھبرا کر) نہیں، نہیں۔ (تیزی سے جاتا ہے، تھوڑی دور پر رک کر) ارینا۔

ارینا:۔ کیا ہے۔

توزن باخ:۔ (سمجھ میں نہیں آتا کیا کہے) صبح میں نے کافی نہیں پی تھی۔ ذرا ان لوگوں سے کہنا میرے لیے کافی تیار رکھیں۔ (تیزی سے باہر جاتا ہے)

(ارینا کچھ دیر خیالات میں گم کھڑی رہتی ہے، پھر آہستہ آہستہ اسٹیج کے پیچھے کی طرف جاتی ہے۔ اور جھولے پر بیٹھ جاتی ہے۔)

اندرے بچّے کی گاڑی لیے داخل ہوتا ہے۔ فیراپونٹ بھی داخل ہوتا ہے۔)

فیراپونٹ:۔ اندرے سوگی وچ یہ میری فائلیں نہیں ہیں، دفتر کی ہیں۔ میں نے خود تو انھیں نہیں بنایا۔

اندرے:۔ اے خدا! میری گزری ہوئی زندگی کہاں ہے، وہ زمانہ کہاں گیا جب میں نوجوان ہنس مکھ اور ذہین تھا۔ جب میں حسین خواب دیکھتا تھا۔ اور بلند خیالات رکھتا تھا۔ اور حال اور مستقبل امید کی کرنوں سے جگمگا رہے تھے۔ آخر کیوں اصل معنوں میں زندگی شروع ہونے سے پہلے ہی ہم لوگ اتنے عامیانہ کند ذہن اور غیر دلچسپ ہو جاتے ہیں۔ کیوں ہم اتنے کاہل، بے تعلق اور دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ شہر دو سو سال پرانا ہے اور اس میں ایک لاکھ لوگ رہتے ہیں۔ لیکن کوئی ایسا نہیں جو دوسروں سے مختلف ہو۔ یہاں کبھی کوئی عالم یا فن کار، یا مذہبی رہنما نہیں گزرا۔ کوئی بھی بڑی شخصیت نہیں ابھری۔ جس کی تقلید کرنے یا جس سے مقابلہ کرنے کی شدید خواہش دل میں جاگ اٹھے۔ یہاں لوگ بس کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور سوتے ہیں۔ ...... اور کچھ عرصہ بعد مر جاتے ہیں۔ اور کچھ اور لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اور پھر وہ بھی کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور سوتے ہیں۔ یا کبھی کبھی منھ کا مزہ بدلنے کے لیے ایک دوسرے کی برائی کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں اور مقدمہ بازی کرتے ہیں۔ بیویاں شوہروں کو دھوکا دیتی ہیں اور شوہر بیویوں سے جھوٹ بولتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ اور ہر طرف سے امنڈتی ہوئی یہ ناشائستگی، سستا پن اور کمینگی بچّوں کو بھی چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں اور ان کی ذہانت اور صلاحیتوں کو کچل ڈالتی ہے اور بڑے ہوتے ہوتے وہ بھی قابلِ رحم چلتی پھرتی لاشیں بن جاتے ہیں ...... عین بہن اپنے ماں باپ کی طرح ...... اور عین بہن ایک دوسرے کی طرح ...... (فیراپونٹ سے غصّہ میں) تم کیا چاہتے ہو۔

فیراپونٹ:۔ کیا چاہتا ہوں ...... ان کاغذوں پر آپ کے دستخط کرانا چاہتا ہوں۔

اندرے:۔ تم کیوں ہر وقت میرے پیچھے پڑے رہتے ہو۔

فیراپونٹ:۔ (اسے کاغذ دیتے ہوئے) فائننس کے دفتر میں ایک چپراسی نے مجھے بتایا کہ جاڑے میں پیٹرس برگ میں دو سو ڈگری کہرا پڑا تھا۔

اندرے:۔ میں اپنی موجودہ زندگی سے نفرت کرتا ہوں۔ لیکن مستقبل کا خیال مجھے ایک بلندی پر پہنچا

دیتا ہے۔ اس وقت میں اپنے کو ہلکا ہلکا محسوس کرتا ہوں اور ہر قید سے آزاد مجھے اپنے سامنے ایک روشنی نظر آتی ہے..... آزادی کی روشنی...... اور میں اپنے کو بالکل آزاد محسوس کرتا ہوں... اور اپنے بچوں کو بھی...... بے کاری کی لعنت سے آزاد، بے مزہ کھانوں اور بے کیف شراب کی مصیبت سے آزاد.... اور دوسروں کے سہارے جینے کی ذلیل کرنے والی عادت سے آزاد۔

فیراپونٹ:۔ کہا جا رہا ہے کہ دو ہزار آدمی سردی سے اکڑ کر مر گئے اور ہر شخص ڈر کے مارے سہا ہوا تھا..... اب یہ پیٹرس برگ کا واقعہ ہے یا ماسکو کا...... یہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔

اندرے:۔ (جذباتی انداز اور محبت بھرے لہجے میں) میری پیاری بہنو!...... میری اچھی اور پیاری بہنو!...... (آنکھوں میں آنسو بھر کر)...... میری پیاری بہن ماشا!۔

نتاشا:۔ (کھڑکی میں سے) یہ کون اتنے زور زور سے بول رہا ہے، کیا یہ تم ہو اندروشا۔

DONT YOU REALIZE MY DAUGHTER IS ASLEEP

(غصّے سے) اور اگر تمہیں بولنا ہی ہے تو بچّی کی گاڑی کسی اور کو دے دو، فیراپونٹ صاحب سے پرام لے لو۔

فیراپونٹ:۔ اچھا بیگم صاحبہ (پرام لے لیتا ہے)

اندرے:۔ میں تو بہت آہستہ بول رہا تھا۔

نتاشا:۔ (کھڑکی سے چھوٹے بچّے کو چمکارتے ہوئے) میرے منّے بوبک، میرے شریر بوبک کتنے شریر ہو تم۔

اندرے:۔ (فائلوں کو ایک نظر دیکھتے ہوئے) اچھا میں ذرا انھیں پڑھتا ہوں۔ اور اگر ضرورت ہوئی تو دستخط کر دوں گا۔ (انھیں پڑھتا ہوا گھر کے اندر چلا جاتا ہے)

(فیراپونٹ پرام لے کر باغ میں چکّر لگاتا ہے)

نتاشا:۔ امّی کا کیا نام ہے بوبک،...... میرے چندا...... اور وہ کون ہے..... اولگا پھوپھی..... کہو اولگا پھوپھی آداب۔

(دو گلی کے گویّے (ایک مرد اور ایک لڑکی) داخل ہوتے ہیں۔ اور بربط بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ وارا شنین، اولگا اور انفیسا گھر سے باہر نکلتے ہیں اور چند لمحے وہ خاموشی سے سنتے ہیں۔ اس کے بعد ارینا ان کے قریب آتی ہے)۔

اولگا۔ ہمارے باغ کو لوگوں نے بازار سمجھ رکھا ہے۔ ہر شخص یہاں سے گزرتا ہے، نانی لو ان لوگوں کو کچھ دے دو۔

انفیسا۔ (انھیں پیسے دیتی ہے) لو اب تم جاؤ...... تمہارا خدا بھلا کرے۔ (گوئیے جھک کر سلام کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں) بے چارے بے گھر ہیں، اگر رہنے کو گھر اور کھانے کو روٹی ملے تو کون یوں در بدر مارا مارا پھرے گا اور کیوں یہ راگ الاپے گا۔ (ارینا سے) تم کیسی ہو۔ ارینا پیاری (اسے پیار کرتی ہے) میری پیاری بیٹی۔ میری تو بہت اچھی گزر رہی ہے......اولگا کے ساتھ اتنے بڑے فلیٹ میں...... اور کوئی کرایہ بھی نہیں دینا پڑتا...... خدا مجھ پر مہربان ہے ورنہ میں کس قابل ہوں...... گنہگار بڑھیا...... کتنا بڑا گھر ہے...... اور میرے پاس ایک پورا کمرہ ہے اپنی زندگی میں کبھی اتنا آرام نہیں ملا...... کبھی کبھی جب رات کو میری آنکھ کھل جاتی ہے تو میں سوچنے لگتی ہوں، اور مجھے لگتا ہے کہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب اس دنیا میں کوئی نہیں۔

وارشنین۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) بس تھوڑی دیر میں ہم لوگ روانہ ہو جائیں گے۔ اولگا سرگی دینا اب مجھے جانا چاہیے۔ خدا کرے تمہیں ہر خوشی نصیب ہو...... دنیا کی ہر خوشی ماریا سرگی دینا کہاں ہیں۔

ارینا۔ وہ یہیں کہیں باغ میں ہے جا کر اسے دیکھتی ہوں۔

وارشنین۔ بہت بہت شکریہ اب مجھے جلدی جانا چاہیے۔

انفیسا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں (پکارتی ہے) ماشا...... ماشا!

(ارینا اور انفیسا باغ کے دوسرے حصے کی طرف جاتی ہیں۔)

وارشنین۔ ہر چیز کتنی جلدی ختم ہو جاتی ہے۔ اب دیکھیے ہمارے لیے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہنے کا وقت آ گیا۔ (گھڑی کی طرف دیکھتا ہے) شہر والوں کی طرف سے ہماری ایک رخصتی دعوت ہوئی تھی جس میں شمپین بھی تھی اور میئر صاحب نے ایک تقریر بھی کی، میں نے بھی کھایا پیا، تقریر بھی سنی لیکن میرا دل یہیں پڑا تھا۔ آپ لوگوں میں (باغ کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے) مجھے آپ لوگوں کی اتنی عادت ہو گئی ہے۔

اولگا۔ معلوم نہیں ہم پھر کبھی ملیں گے یا نہیں۔

وارشنین۔ شاید کبھی نہیں —— (وقفہ) میری بیوی اور بچیاں ایک مہینے تک یہیں ٹھہریں گی۔ اگر انھیں کسی چیز کی ضرورت پڑے یا کچھ ہو جائے تو مہربانی ہے........

اولگا۔ ہاں ہاں ضرور۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ (وقفہ) کل اس شہر میں کوئی سپاہی یا فوجی،

افسر باقی نہیں رہے گا۔ اور صرف اس کی یاد باقی رہ جائے گی۔ اور ہمارے لیے بھی یہاں ایک نئی زندگی شروع ہوگی۔ (وقفہ)...... کوئی بات اس طرح نہیں ہوتی جیسا کہ ہم چاہتے ہیں، اب دیکھیے میں ہیڈ مسٹرس بننا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اب میں ہیڈ مسٹرس ہوں...... اس کا مطلب ہے کہ اب ہم ماسکو جا کر نہیں رہیں گے۔

وارا شنین:۔ آپ کا بہت بہت شکریہ...... ہر بات کے لیے...... اگر مجھ سے کچھ غلطی ہوئی ہو تو معاف کیجیے گا...... شاید میں ضرورت سے کچھ زیادہ بولتا رہا ہوں...... بہت زیادہ.... اس کے لیے مجھے معاف کیجیے گا اور مجھے بُری طرح یاد نہ کیجیے گا۔

اولگا:۔ (آنسو پوچھتی ہے) ماشا ابھی تک کیوں نہیں آئی......

وارا شنین:۔ اب جبکہ خدا حافظ کہنے کا وقت ہے، میں آپ سے کیا کہوں، کیا فلسفہ بیان کروں (ہنستا ہے) واقعی زندگی بہت دشوار ہے۔ ہم میں سے زیادہ تر لوگوں کے لیے تو زندگی میں امید کی کوئی کرن نہیں۔ زندگی گویا ایک تاریک رہ گزر ہے لیکن آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ دھیرے دھیرے اس میں کچھ روشنی ہو رہی ہے اور یہ صاف بات ہے کہ وہ وقت دور نہیں جبکہ ہر طرف روشنی پھیل جائے گی۔ (گھڑی دیکھتا ہے) میرے جانے کا وقت ہو چکا ہے...... پُرانے زمانے میں لوگ ہمیشہ جنگوں میں مصروف رہتے تھے اور زندگی گویا جنگ کی تیاریوں، دفاعی حملوں اور فتح و شکست کا دوسرا نام تھا۔ لیکن اب وہ سب باتیں پُرانی ہو چکی ہیں۔ لیکن ان کی جگہ ایک زبردست خلا ہے جو پُر ہونے کے لیے بیتاب ہے۔ نسلِ انسانی کسی ایسی چیز کی تلاش میں ہے جو اُس خلا کو پُر کر سکے..... اُف خدا..... کاش کہ یہ جلدی ہو سکتا، کاش کہ ہم محنت کرنے والے لوگوں کو تعلیم دے سکتے اور تعلیم یافتہ لوگوں کو محنتی بنا سکتے (گھڑی دیکھتا ہے) اب مجھے واقعی جانا چاہیے۔

اولگا:۔ لیجیے وہ آگئی۔ (ماشا داخل ہوتی ہے)

وارا شنین:۔ میں خدا حافظ کہنے آیا ہوں۔

(اولگا دور چلی جاتی ہے اور ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہے،
تا کہ ان کے ایک دوسرے سے رخصت ہونے میں مخل نہ ہو۔)

ماشا:۔ (اس کی طرف دیکھتے ہوئے)...... خدا حافظ...... (ایک طویل بوسہ)

اولگا :۔ ماشا، خدا کے لیے.......

(ماشا زور سے ہچکیاں لے رہی ہے)

وارشنین :۔ مجھے خط لکھنا...... بھول نہ جانا...... اچھا اب خدا حافظ...... وقت ہو چکا ہے.....
اولگا سرگی ویتا مہربانی سے انھیں لے جاؤ...... اب مجھے جانا چاہیے، بہت دیر ہو چکی ہے، (بہت متأثر ہے، اولگا کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے۔ ماشا کو ایک بار پھر گلے لگاتا ہے اور تیزی سے چلا جاتا ہے۔)

اولگا :۔ بس پیاری ماشا صبر کرو۔

(کولی گن داخل ہوتا ہے)

کولی گن :۔ کوئی ہرج نہیں، اسے رونے دو۔ میری پیاری ماشا، میری عزیز ماشا، تم میری بیوی ہو...... اور سب باتوں کے باوجود میں خوش ہوں...... مجھے کوئی شکایت نہیں...... اور میں کسی کو الزام دینا نہیں چاہتا...... ذرہ برابر بھی نہیں...... اولگا تم گواہ رہنا، ہم اپنی پرانی زندگی کو نئے سرے سے شروع کریں گے۔ اور اس سلسلے میں تم میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں سنو گی...... ایک اشارہ بھی نہیں.......

ماشا :۔ (بڑی مشکل سے رونے کو ضبط کرتے ہوئے) مڑتے ہوئے ساحل پر شاہ بلوط کا ایک سبز درخت ہے جس پر سنہری زنجیر لپٹی ہوئی ہے...... ایک سنہری زنجیر...... سبز درخت..... میں جا رہی ہوں۔

اولگا :۔ صبر کرو ماشا صبر کرو...... اسے ذرا سا پانی پلاؤ۔

ماشا :۔ اب میں کہاں رو رہی ہوں۔

کولی گن :۔ نہیں یہ اب نہیں رو رہی ہے...... یہ ایک اچھی لڑکی ہے۔

(دور سے بندوق چلنے کی آواز آتی ہے)

ماشا :۔ مڑتے ہوئے ساحل پر ایک سبز درخت ہے۔ جس پر سنہری زنجیر لپٹی ہے...... ایک سبز بلی...... ایک سنہری درخت...... اُف میں سب بھول گئی...... (پانی پیتی ہے)...... زندگی کتنی بے ترتیب ہو چکی ہے...... اب مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں...... میں کچھ دیر میں ٹھیک

ہو جاؤں گی...... مڑتا ہوا ساحل....... یہ مڑتا ہوا ساحل کیا ہے..... کیوں یہ میرے ذہن میں بار بار آرہا ہے...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... میرا ذہن منتشر ہو رہا ہے۔

(ارینا داخل ہوتی ہے)

اولگا: بس اب صبر کرو....... تم بڑی اچھی لڑکی ہو...... چلو اندر چلیں۔

ماشا: (چڑ کر) میں اندر نہیں جاؤں گی۔ (روتی ہے لیکن فوراً اپنے پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے) اب میں اس گھر میں نہیں جاتی اور کبھی نہیں جاؤں گی۔

ارینا: چلو تھوڑی دیر یہاں بیٹھیں...... (وقفہ) تمہیں معلوم ہے کہ میں کل یہاں سے جا رہی ہوں۔

کولی گن: کل میں نے تیسری کلاس کے ایک لڑکے کے پاس سے یہ جھوٹ موٹ کی مونچھیں اور ڈاڑھی نکالی تھی، دیکھو یہ میرے پاس ہے (انھیں لگاتا ہے) دیکھو میں بالکل جرمن زبان کے ماسٹر کی طرح معلوم ہو رہا ہوں نا (ہنستا ہے) من وعن وہی...... بچے بھی بڑے شیطان ہوتے ہیں۔

ماشا: ہاں واقعی تم جرمن کے ماسٹر کی طرح معلوم ہوتے ہو۔

اولگا: (ہنس کر) ہاں واقعی۔

(ماشا روتی ہے)

ارینا: بس بس ماشا۔

کولی گن: عین جرمن کے ماسٹر کی طرح۔

(نتاشا داخل ہوتی ہے)

نتاشا: (نوکر سے) ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی پروٹوپوف صاحب سوفوچکا پر نظر رکھیں گے۔ اور اندرے سرگی وچ بوبک کو پرام میں بٹھا کر باہر لے جائیں گے۔ تو بہ ہے بچوں کے ساتھ بھی کیا کیا کام لگے رہتے ہیں۔ (ارینا سے) ارینا کیا تم واقعی کل جا رہی ہو۔ ہائے اللہ۔ ایک ہفتہ تو اور ٹھہرو...... ٹھہرو گی نا...... (کولی گن پر نظر پڑتی ہے، خوف سے چلا کر) ہائے...... جاؤ...... یہاں سے جاؤ...... تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔ (ارینا سے) مجھے تمہارے یہاں رہنے کی عادت سی ہو گئی ہے تمہارے بغیر دل بہت گھبرائے گا...... میں اندرے کو اس کے لاڈلے وائلن کے ساتھ تمہارے کمرے میں بھیج دوں گی وہاں وہ جتنا چاہے الاپ سکتا ہے اور سوفوچکا

اندر سے کمرے میں آجائے گی۔ وہ کتنی پیاری بچی ہے ...... واقعی وہ غیر معمولی بچی ہے۔ آج صبح اس نے اتنی پیاری طرح میری طرف دیکھا اور کہنے لگی " مام ما "۔

کولی گن :۔ واقعی وہ بڑی خوب صورت بچی ہے۔

نتاشا :۔ تو کل میں اکیلی یہاں ہوں گی۔ (آہ بھرتی ہے) سب سے پہلے تو میں صنوبر کے درختوں کی یہ قطار کٹوا دوں گی اور پھر وہ چنار کا درخت بھی کٹوا دوں گی۔ شام کے وقت یہ بڑا ڈراؤنا معلوم ہوتا ہے۔ (ارینا سے) پیاری یہ پیٹی جو تم نے باندھ رکھی ہے، تم پر بالکل اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ بالکل اچھا مذاق نہیں۔ اس لباس کے ساتھ تو کوئی چمکدار سی پیٹی تمہیں باندھنی چاہیے تھی..... اور پھر میں یہاں چاروں طرف بہت سے پھول لگوا دوں گی تاکہ خوب خوشبو آئے (سیٹ پر نظر پڑتی ہے) یہ چمچہ یہاں کیوں پڑا ہے (گھر کے اندر جا کر نوکر سے) کیوں ری یہ چمچہ وہاں سیٹ پر کیوں چھوڑا۔ (چیخ کر) بس بس مجھ سے زبان نہ چلا۔

کولی گن :۔ بس پھر شروع ہو گیا۔

(اسٹیج کے باہر سے فوجی بینڈ کی آواز آتی ہے)

اولگا :۔ وہ لوگ جا رہے ہیں۔

ماشا :۔ فوجی جا رہے ہیں۔ انہیں سفر مبارک ہو۔ (اپنے شوہر سے) اب ہمیں گھر چلنا چاہیے میرا ہیٹ اور کیپ کہاں ہے۔

کولی گن :۔ میں نے اندر رکھ دیا تھا، ابھی لاتا ہوں۔

اولگا :۔ ہاں اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔

چے بوتکن :۔ (اولگا سے) اولگا سرگی وینا۔

اولگا :۔ کیا ہے...... (وقفہ) کیا بات ہے۔

چے بوتکن :۔ کچھ نہیں...... میری سمجھ میں نہیں آتا کیسے تمہیں بتاؤں (اس کے کان میں کچھ کہتا ہے)

اولگا :۔ (گھبرا کر) نہیں، نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔

چے بوتکن :۔ ہاں ہاں قسمت کی خرابی کہو یا جو کچھ بھی...... میں بہت تھک گیا ہوں...... بس میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا...... (چڑ کر) اور پھر اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔

اولگا:۔ (ارینا کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے) کتنا خوفناک دن ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیسے بتاؤں۔

ارینا:۔ کیوں کیا بات ہے، مجھے جلدی بتاؤ خدا کے لیے (روتی ہے)

چے بوتکن:۔ بیرن ابھی ڈوئل میں مارا گیا۔

ارینا:۔ (آہستہ آہستہ روتی ہے)...... مجھے معلوم تھا...... مجھے معلوم تھا۔

چے بوتکن:۔ (اسٹیج کے پیچھے کی طرف جاکر بیٹھ جاتا ہے) میں بالکل تھک گیا ہوں۔ (اپنی جیب سے اخبار نکالتا ہے) چلو ان لوگوں کو تھوڑی دیر رونے دو۔ (آہستہ آہستہ گاتا ہے) جام مے تھام لو.... آخری شام ہے...... اب تو بس قبر ہے..... اور آرام ہے..... اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔

(تینوں بہنیں ایک دوسرے کے قریب کھڑی ہیں)

ماشا:۔ دیکھو بینڈ بج رہا ہے اور وہ لوگ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں اور ان میں سے ایک ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکا ہے...... ہمیشہ کے لیے...... اور اب ہم اکیلے ہیں اور ہمیں پھر اپنی زندگی شروع کرنی ہے..... ہمیں زندہ رہنا ہی ہوگا...... ہمیں زندہ رہنا ہی ہوگا۔

ارینا:۔ (اولگا کے سینے پر سر رکھتے ہوئے) کسی دن لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے۔ اور ان تمام غموں اور پریشانیوں کا کیا مقصد ہے..... اس وقت زندگی میں کوئی الجھن نہیں رہے گی..... اس وقت تک ہمیں زندہ رہنا ہے اور کام کرنا ہے..... کل میں یہاں سے اکیلی ہی چلی جاؤں گی اور کسی اسکول میں کام شروع کروں گی، میں اپنی زندگی ان لوگوں کی نذر کروں گی جنہیں اس کی ضرورت ہے، اس وقت خزاں کا موسم ہے بہت جلد سردی آجائے گی۔ اور ہر چیز برف سے ڈھک جائے گی، لیکن میں اسی طرح کام کرتی رہوں گی..... کرتی رہوں گی۔

اولگا:۔ (دونوں بہنوں کی کمر میں ہاتھ ڈالتی ہے) دیکھو بینڈ کتنے پرجوش اور مسرور انداز سے بج رہا ہے۔ واقعی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں اے خدائے رحیم اس طرح مہینے اور سال گزر جائیں گے اور ہم سب ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائیں گے...... اور بالکل بھلا دیے جائیں گے...... ہماری صورتیں، ہماری آوازیں سب بھلا دی جائیں گی اور لوگوں کو یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ کبھی ہم تین بہنیں یہاں تھیں..... لیکن شاید ہمارے غم ان لوگوں کے لیے مسرت کا پیغام لائیں جو ہمارے بعد آئیں گے اور شاید کوئی وقت ایسا آئے جب دنیا

میں امن و خوشی کا دور دورہ ہو اور لوگ ہمیں محبت و احترام سے یاد کریں..... نہیں میری پیاری بہنو!..... ہمارے لیے زندگی ابھی ختم نہیں ہوئی..... ہم ابھی زندہ رہیں گے...... بینڈ کتنے خوشگوار اور مسرور انداز میں بج رہا ہے..... ہو سکتا ہے کہ اگر ہم کچھ دن اور انتظار کرسکیں تو ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم کیوں زندہ ہیں اور یہ دکھ یہ غم کیوں ہیں..... کاش کہ ہمیں یہ معلوم ہوسکتا۔ کاش ہم یہ جان سکتے۔

(بینڈ کی آواز مدھم ہوتی جا رہی ہے کولی گن مسکراتا ہوا ہیٹ اور کیپ لیے آتا ہے۔)

(اندرے بوبک کی پرام کو ڈھکیلتا ہوا گزرتا ہے)

چے بوتکن :- اب تو بس قبر ہے..... اور آرام ہے..... (اخبار پڑھتا ہے) اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... ہر چیز بے معنی ہے۔

اولگا :- کاش کہ ہمیں معلوم ہوتا۔ کاش ہم جان سکتے۔

(پردہ)

چیری کا باغ

مُصنّف انتون چیخوف

مُترجم زاہدہ زیدی

چیری کا باغ

افرادِ ڈرامہ

رانوسکایا ۔۔ لیوبا اندریونا ۔۔۔ ایک جاگیردار خاتون
آنیا ۔۔۔ اس کی بیٹی (عمر سترہ سال)
واریا ۔۔۔ (واروارا میہیلونا) اس کی منھ بولی بیٹی ۔ عمر چوبیس سال
گاویو ۔۔۔ لیونڈ اندریے وچ (لیونا) میڈم رانوسکایا کا بھائی
لوپاخن ۔۔ یرمولائی الکسی وچ ۔۔۔ ایک سرمایہ دار
تروفی موف ۔۔۔ پیوتر سرگی وچ (پیتیا) ایک طالبِ علم
سیمنوف پشک ۔۔ بورس بوری سووچ ۔۔۔ ایک زمین دار
شارلوٹا اوانونا ۔۔۔ ایک جرمن گورنس
یا پی ہودوف ۔۔۔ سیمنوف پیتلی وچ ۔۔ میڈم رانوسکایا کی جاگیر پر کام کرنے والا کلرک
دونیا شا ۔۔۔ (اودوتیا فیودوورونا) ایک اوپر کے کام کی نوجوان خادمہ
فیرس ۔۔۔ (فیرس نکولائی وچ) ایک پرانا ملازم ۔ عمر ستاسی سال
یا شا ۔۔۔ ایک نوجوان خدمت گار
ایک آوارہ گرد
سٹیشن ماسٹر، پوسٹ آفس، کلرک وغیرہ۔

پس منظر: میڈم رانوسکایا کا آبائی مکان اور جاگیر

پہلا ایکٹ

(ایک کمرہ جو کبھی بچوں کا کمرہ تھا اور اب بھی نرسری کہلاتا ہے۔
اس میں کئی دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازہ آنیا کے کمرے
میں کھلتا ہے۔ طلوعِ آفتاب کا وقت ہے۔ کھڑکیاں بند ہیں لیکن
ان سے چیری کے درخت نظر آ رہے ہیں جن پر شگوفے پھوٹ
چکے ہیں۔ مئی کا مہینہ ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں پالا
پڑا ہے۔)

(دونیاشا ایک شمع لیے داخل ہوتی ہے۔ لوپاخن بھی داخل
ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔)

لوپاخن۔ شکر ہے گاڑی آ چکی ہے، کیا وقت ہوگا؟

دونیاشا۔ دو بجنے والے ہیں (شمع بجھاتی ہے) روشنی پھیلنی شروع ہو گئی ہے۔

لوپاخن۔ گاڑی کتنی لیٹ تھی، دو گھنٹے کے قریب لیٹ ہو گی (جمائی لیتا ہے اور صوفے پر لیٹ جاتا ہے) میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ واقعی میں نے بڑے گدھے پن کا ثبوت دیا۔ اسٹیشن جانے کے خیال سے میں یہاں آیا اور پھر پڑ کر سو گیا، کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی اونگھ گیا، کتنی بے تکی بات تھی ____ تم نے مجھے جگایا کیوں نہ دیا۔

دونیاشا۔ میرا خیال تھا کہ آپ جا چکے ہیں (کان لگا کر سنتی ہے) معلوم ہوتا ہے وہ لوگ آ رہے ہیں۔

لوپاخن۔ (سنتا ہے) نہیں ____ انھیں ابھی وہاں سامان بھی تو اتروانا ہو گا اور بھی بہت سے چکر

ہوتے ہیں۔ (وقفہ) لیوبووا اندریونا پانچ سال سے وطن سے باہر تھیں۔ معلوم نہیں ان میں اب تک کیا کیا تبدیلیاں ہو گئی ہوں گی۔ اس وقت تو وہ بہت نیک خاتون تھیں، سیدھی سادی اور خوش باش۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں تقریباً ۱۵ سال کا تھا تو میرے باپ نے ——— جن کی اس وقت گاؤں میں ایک چھوٹی سی دُکان تھی ——— مجھے بڑے زور سے تھپڑ مارا اور میری ناک سے خون بہنے لگا ——— اس وقت ہم کسی کام سے جاگیر پر آئے ہوئے تھے۔ اور میرے باپ نے شراب پی رکھی تھی ——— یہ سب مجھے ایسے یاد ہے جیسے کل کی بات ہو ——— ہاں تو لیوبووا اندریونا جو اس وقت تک نوجوان اور نازک اندام تھیں ——— مجھے اندر لے آئیں ——— اسی کمرے میں ——— یہ اس وقت بچوں کا کمرہ تھا۔ وہ مجھے ہاتھ دھونے کی چلمچی کے پاس لائیں اور کہنے لگیں روؤ مت کسان کے لڑکے ——— جب تم بڑے ہو کر شادی کے قابل ہو گے اس وقت تک تمہارا زخم بھر چکا ہوگا۔" (وقفہ) "کسان کے لڑکے" انھوں نے ٹھیک ہی کہا تھا، میرے باپ کسان ہی تو تھے ——— اور اب مجھے دیکھیے، میں سفید کوٹ اور بھورے جوتے پہنے ہوئے ہوں۔ لیکن کوّا اگر ہنس کی چال چلنے لگے تب بھی رہے گا تو وہ کوّا ہی۔ میں دولت مند ہوں، میرے پاس کافی روپیہ ہے۔ لیکن یہ بات کوئی بھی بتا سکتا ہے کہ میں اب بھی کسان ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ ہر وہ شخص جو ظاہری شان و شوکت کے پیچھے چھپی ہوئی شخصیت کی تہہ تک پہنچنے کی تکلیف گوارا کرے ——— (کتاب کے صفحے اُلٹتا ہے) اب دیکھیے میں کب سے یہ کتاب پڑھ رہا ہوں، لیکن میری سمجھ میں اس کا ایک لفظ بھی نہیں آیا۔ اور پڑھتے پڑھتے مجھے نیند بھی آ گئی۔

دونیاشا۔ کتّے رات بھر نہیں سوئے، جیسے انھیں معلوم ہو کہ ان کے مالک آ رہے ہیں۔

لوپاخن۔ کیوں کیا بات ہے دونیاشا؟

دونیاشا۔ ہائے اللہ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں بے ہوش ہونے والی ہوں۔

لوپاخن دونیاشا تم ضرورت سے زیادہ نازک اندام اور شائستہ ہو۔ تم بیگمات کی طرح کپڑے پہنتی ہو اور انھیں کی طرح بال بناتی ہو، لیکن دیکھو اس طرح کام نہیں چل سکتا۔ تمہیں اپنی ہی جگہ پر رہنا چاہیے۔

(یاپی ہو دوف داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا ایک

گلدستہ ہے۔ وہ ایک واسکٹ اور چمکدار فل بوٹ پہنے
ہوئے ہے جن میں چرمراہٹ ہو رہی ہے جیسے ہی وہ کمرے
میں داخل ہوتا ہے گلدستہ اس کے ہاتھ سے گر جاتا ہے۔)

یاپی ہودوف۔ (پھول اٹھاتے ہوئے) یہ مالی نے بھیجے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کھانے کے کمرے میں لگائے جائیں گے۔ (دونیاشا کو پھول پکڑاتا ہے)

لوپاخن۔ اور ہاں میرے لیے تھوڑی سی کواس لے آنا۔

دونیاشا۔ بہت اچھا۔

یاپی ہودوف۔ باہر پالا پڑا ہے۔ تین ڈگری پالا۔ اور چیری کے درختوں پر پھول کھلے ہوئے ہیں۔ مجھے اپنے ملک کا یہ موسم بالکل پسند نہیں۔ (آہ بھرتا ہے) واقعی یہ ناقابلِ برداشت ہے ــــــ اس سے کوئی مدد نہیں ملتی ــــــ میرا مطلب ہے کسی چیز میں بھی نہیں ــــــ اور ہاں یرمولائی الکسی وچ دیکھو میں نے پرسوں یہ بوٹ خریدے تھے ــــــ اور ان میں اسی بری طرح چرمراہٹ ہوتی ہے ــــــ میرا مطلب ہے کہ یہ عجیب بات ہے ــــــ اور لاعلاج ــــــ یعنی کہ ــــــ میرا مطلب ہے کہ میں کیا لگاؤں ان پر :

لوپاخن۔ خدا کے لیے میرا دماغ نہ کھاؤ۔ تم تو پریشان کر دیتے ہو۔

یاپی ہودوف۔ ہر روز میرے ساتھ کوئی نہ کوئی ناگوار بات ہوتی رہتی ہے ــــــ لیکن مجھے کوئی شکایت نہیں۔ میں تو اب اس کا عادی ہو چکا ہوں ــــــ بلکہ کبھی کبھی تو مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔

(دونیاشا داخل ہوتی ہے اور لوپاخن کو کواس پیش کرتی ہے)

یاپی ہودوف۔ اب میں چلتا ہوں (ایک کرسی سے ٹکراتا ہے جو گر جاتی ہے) اب دیکھیے (فاتحانہ انداز سے) آپ خود دیکھ لیجیے کہ کیا صورتِ حال ہے ــــــ میرا مطلب ہے ــــــ یعنی کہ ــــــ کتنی عجیب بات ہے بالکل عجیب و غریب ــــــ (باہر جاتا ہے)

دونیاشا۔ یرمولائی الکسی وچ میں آپ کو ایک راز کی بات بتانا چاہتی ہوں۔ یاپی ہودوف نے مجھے شادی کا پیغام دیا ہے۔

لوپاخن۔ واقعی!

دونیاشا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ وہ ایک خاموش قسم کا آدمی ہے۔ لیکن کبھی کبھی وہ ایک دم بولنا شروع کر دیتا ہے اور اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ باتیں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تو انھیں سُن کر میری آنکھوں میں آنسو بھی آجاتے ہیں، لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہہ کیا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اُسے کچھ کچھ پسند کرتی ہوں اور اسے مجھ سے والہانہ عشق ہو گیا ہے ـــــ وہ کچھ بدقسمت قسم کا انسان ہے۔ کوئی نہ کوئی بُری بات روز ہی اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اس لیے سب لوگ اُسے چڑاتے رہتے ہیں اور اس کا نام ہی گیارہ دونی بائیس مصیبتیں پڑ گیا ہے۔ (۲۲ = ۲ × ۱۱)

لوپاخن۔ (کان لگا کر سنتا ہے) میرا خیال ہے وہ لوگ آ گئے ہیں۔

دونیاشا۔ اچھا واقعی ـــــ ہائے اللہ مجھے پتہ نہیں کیا ہوا جا رہا ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوئے جا رہے ہیں۔

لوپاخن۔ ہاں واقعی وہ لوگ آ رہے ہیں۔ چلو ان کے استقبال کے لیے دروازے پر چلیں۔ پتہ نہیں وہ مجھے پہچانیں گی بھی یا نہیں۔ ہم لوگ پانچ سال سے نہیں ملے۔

دونیاشا۔ (گھبرائے ہوئے انداز میں) میں تو بے ہوش ہوئی جا رہی ہوں۔ ہائے اللہ میں کیا کروں۔

(دو گاڑیوں کے صدر دروازے کے قریب رُکنے کی آواز آتی ہے۔ لوپاخن اور دونیاشا تیزی سے باہر جاتے ہیں۔ اب اسٹیج خالی ہے۔ قریب کے کمرے میں لوگوں کے داخل ہونے کی آواز آتی ہے۔ فیرس ایک چھڑی لیے ہوئے اسٹیج پر سے گزرتا ہے۔ وہ اسٹیشن سے آیا ہے۔ اس وقت وہ ایک پُرانی وضع کی وردی پہنے ہے اور ہیٹ لگائے ہے اور خود ہی خود کچھ بڑبڑا رہا ہے۔ یہ بتانا ناممکن ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ دوسرے کمرے سے آنے والی آوازیں زیادہ تیز ہوتی جاتی ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے "چلو یہاں سے چلیں" ـــــ لیوبووآندریونا، آنیا اور شارلوٹا داخل ہوتی ہیں۔ وہ تینوں سفر کے لباس پہنے

ہیں۔ شارلوٹا کے ہاتھ میں کتّے کی زنجیر ہے ـــــ اس کے
بعد واریا داخل ہوتی ہے۔ اس نے ایک لمبا کوٹ پہن رکھا
ہے اور پھر گاویو، سیمنوف پشک اور لوپاخن داخل ہوتے
ہیں۔ ان کے ساتھ دونیاشا بھی آتی ہے، جس کے ہاتھ میں ایک
پیکٹ اور چھتری ہے۔ کچھ اور نوکر بھی سامان لے کر آتے ہیں۔)

آنیا۔ چلیے اس راستے سے چلیں۔ ماما آپ کو یاد ہے یہ کون سا کمرہ ہے۔

لیوبو واندریونا۔ (آنسوؤں کے درمیان، خوشی بھرے لہجے میں) ہاں، نرسری!

واریا۔ یہاں کتنی سردی ہے میرے ہاتھ اکڑے جا رہے ہیں۔ (اندریونا سے) آپ کے سب کمرے بالکل اسی طرح ہیں جیسے آپ چھوڑ کر گئی تھیں ـــــ آپ کا سفید کمرہ اور کاسنی کمرہ!

اندریونا۔ اور نرسری پیاری واریا! میرا پیارا حسین کمرہ! جب میں چھوٹی سی تھی تو میں یہیں سویا کرتی تھی۔ (روتی ہے) اور آج مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے میں دوبارہ چھوٹی سی بچی ہو گئی ہوں (اپنے بھائی کو پیار کرتی ہے، پھر واریا کو اور پھر دوبارہ اپنے بھائی کو) ـــــ واریا بالکل وہی پرانی واریا ہے۔ عین من ایک نن کی طرح ـــــ میں دونیاشا کو بھی پہچان گئی۔ (اُسے پیار کرتی ہے)

گاویو۔ گاڑی دو گھنٹے لیٹ تھی۔ ذرا سوچیے، کس قدر بدانتظامی ہے۔

شارلوٹا۔ (پشک سے) میرا کتّا واقعی خشک میوہ کھاتا ہے۔

پشک۔ (حیرت سے) واقعی!

(آنیا اور دونیاشا کے علاوہ سب چلے جاتے ہیں۔)

دونیاشا۔ ہم لوگ کب سے تم لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔ (آنیا کا کوٹ اور ہیٹ اتروانی ہے)

آنیا۔ چار راتوں سے میں نہیں سوئی ـــــ بدن بالکل اکڑ گیا ہے۔

دونیاشا۔ جاڑے کے زمانے میں تم یہاں سے گئی تھیں۔ اس وقت کتنی سخت سردی تھی اور برف پڑ رہی تھی اور اب بہار آچکی ہے پیاری آنیا۔ (ہنستی ہے اور اسے پیار کرتی ہے) اُف خدا، تمہارے انتظار میں تو میری جان ہی نکل گئی ـــــ میری پیاری ـــــ میری جان ـــــ بس اب میں ایک منٹ بھی صبر نہیں کر سکتی۔ تمہیں سب کچھ فوراً بتائے دیتی ہوں۔

آنیا۔ (بے نیازی سے) ہاں تو اس بار کیا بات ہے؟

دونیاشا۔ وہ جو کلرک ہے نا۔ یا پی ہو دوف اس نے مجھے شادی کا پیغام دیا ہے ـــــ ایسٹر کے فوراً بعد دیا تھا۔

آنیا۔ تم تو بس ہمیشہ شادی ہی کی باتیں کرتی ہو (اپنے ہاتھ سے بالوں کو ٹھیک کرتی ہے) میرے سارے کانٹے گر گئے۔

(بہت تھکی ہوئی ہے۔ کھڑا ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے)

دونیاشا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں ـــــ اسے مجھ سے محبت ہے ـــــ اسے واقعی مجھ سے شدید عشق ہے۔

آنیا۔ (دروازے سے اپنے کمرے میں نظر ڈالتی ہے) میرا اپنا کمرہ ـــــ میری اپنی کھڑکیاں ـــــ میرا اپنا گھر ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں سے کبھی گئی ہی نہیں تھی۔ میں بس صبح ہوتے ہی اٹھ کر سیدھی باغ میں بھاگ جاؤں گی ـــــ اُف خدا اگر اس وقت تھوڑی سی نیند آجائے تو کتنا اچھا ہو۔ میں پورے راستے بالکل نہیں سوئی ـــــ اتنی پریشان تھی۔

دونیاشا۔ پیٹر سرگی وچ پرسوں یہاں آئے ہیں۔

آنیا۔ (خوشی سے) اچھا بیٹیا۔

دونیاشا۔ وہ حمام والے کمرے میں سو رہے ہیں اور رہتے بھی وہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہیے (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتی ہے) مجھے انھیں جگا دینا چاہیے تھا، لیکن واریا کہتی ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا تھا، خبردار جو انھیں جگایا۔

(واریا داخل ہوتی ہے اس کی پیٹی سے کنجیوں کا ایک گچھا لٹکا ہوا ہے۔)

واریا۔ دونیاشا جلدی سے کوفی بنا کر لاؤ۔ ماما کوفی پینا چاہتی ہیں۔

دونیاشا۔ اچھا ابھی لاتی ہوں۔ (جاتی ہے)

واریا۔ خدا کا شکر ہے تم لوگ گھر واپس آگئے۔ (آنیا کو گلے لگاتی ہے) میری پیاری ـــــ میری عزیز بہن ـــــ واپسی مبارک ہو۔

آنیا:۔ کاش کہ میں تمہیں بتا سکتی کہ وہاں مجھ پر کیا گزری۔

واریا:۔ ہاں میں تصوّر کر سکتی ہوں۔

آنیا:۔ میں ایسٹر سے کچھ پہلے یہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ اس وقت کتنی سردی تھی۔ تمام راستے شارلوٹا کی زبان ایک منٹ کو بند نہیں ہوئی۔ راستے بھر وہ اپنے جادو کے حماقت آمیز تماشے دکھاتی چلی گئی۔ کاش تم شارلوٹا کو میرے ساتھ بھیجنے پر اتنا اصرار نہ کرتیں۔

واریا:۔ لیکن تم اکیلی کیسے جا سکتی تھیں میری جان۔ تم ابھی صرف سترہ سال کی ہو۔

آنیا:۔ جب ہم لوگ پیرس پہنچے تو بے انتہا سردی تھی اور برف پڑ رہی تھی۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ میں فرانسیسی تو بس واجبی ہی جانتی ہوں۔ ماما کا فلیٹ پانچویں منزل پر تھا اور جب ہم داخل ہوئے تو ان کے ہاں بہت سے مہمان بھرے ہوئے تھے۔ کچھ فرانسیسی عورتیں اور ایک معمر پادری مع اپنی ایک ننھی منی کتاب کے۔ اور پورے کمرے میں سگریٹ کا دھواں بھرا ہوا تھا اور ہر چیز بے ترتیبی سے پڑی تھی اور کمرہ بالکل بے آرام معلوم ہو رہا تھا۔ ایک دم مجھے ماما کی حالت پر اتنا ترس آیا۔ میں نے ان کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور بڑی دیر تک ان سے لپٹی رہی۔ بعد میں ماما بھی روئیں اور مجھ سے پیار محبت سے پیش آئیں۔

واریا:۔ بس اب اور زیادہ نہ بتاؤ۔ اب مجھ سے سُنا نہیں جاتا۔

آنیا:۔ ماما نے اپنی مینٹون والی کوٹھی پہلے ہی بیچ دی تھی اور اس وقت ان کے پاس کچھ نہیں تھا اور خود میرے پاس بھی بالکل پیسہ نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے تو میں پیرس تک پہنچی تھی، لیکن یہ بات ماما کی سمجھ میں جیسے آتی ہی نہ تھی۔ ہر اسٹیشن پر وہ ہوٹلوں میں خوب مہنگی چیزوں کی فرمائش کر دیتیں اور پھر ہر بیرے کو ایک ایک روبل انعام بھی دے دیتیں۔ شارلوٹا کے بھی وہی رنگ ڈھنگ تھے اور یاشا چاہتا تھا کہ اسے دونوں وقت دعوتی کھانا کھانے کو ملے۔ یاشا کو تو تم جانتی ہی ہو۔ وہ ماما کا خاص خدمت گار ہے۔ ہم اسے اپنے ساتھ یہاں لائے ہیں۔

واریا:۔ ہاں میں نے اس بدمعاش کو دیکھا ہے۔

آنیا:۔ اور یہاں کیا حال چال ہیں۔ کیا تم نے قرضہ پر سود ادا کر دیا؟

واریا:۔ اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آنیا ۔ ہائے اللہ!
واریا ۔ اگست میں یہ جاگیر بک جائے گی۔
آنیا ۔ اُف خدایا!
لوپاخن ۔ (دروازے میں سے جھانکتا ہے اور بکری کی سی آواز نکالتا ہے) میں ــــــ میں (اور پھر دروازے کے پیچھے غائب ہو جاتا ہے)
واریا ۔ (گھونسا دکھاتے ہوئے رونکھی آواز میں) دل چاہتا ہے اس کی اچھی طرح مرمّت کی جائے۔
آنیا ۔ (واریا کے گلے میں باہیں ڈال کر رازداری کے انداز میں) واریا انھوں نے تم سے شادی کی درخواست کی؟

(واریا نفی میں سر ہلاتی ہے)

آنیا ۔ لیکن وہ تم سے محبّت کرتے ہیں۔ تم آخر اُن سے اس سلسلے میں بات کیوں نہیں کرتیں تمہیں آخر کس بات کا انتظار ہے؟
واریا ۔ میرے خیال میں اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ انھیں اس کی فرصت ہی کہاں ہے۔ اُن کے پاس تو اتنا وقت بھی نہیں کہ وہ میرے بارے میں سوچ سکیں۔ انھیں تو میرے وجود کا بھی احساس نہیں۔ اچھا ہو کہ وہ یہاں آنا ہی چھوڑ دیں۔ مجھے انھیں دیکھ کر بڑی کوفت اور پریشانی ہوتی ہے۔ ہر ایک ہماری شادی کی باتیں کر رہا ہے، ہر شخص مجھے مبارک باد دے رہا ہے لیکن دراصل اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سب لوگ خیالی پلاؤ پکا رہے ہیں۔ (لہجہ بدلتے ہوئے) اسے تم نے نیا بروچ لگا رکھا ہے۔ یہ شہد کی مکھی بنی ہوئی ہے۔ ہے نا۔
آنیا ۔ (رنجیدہ آواز میں) ہاں ماما نے میرے لیے خریدا تھا۔ (اپنے کمرے کی طرف جاتی ہے) تمہیں پتہ ہے میں پیرس میں بیلون میں بیٹھی تھی۔

(اب اس کے لہجے میں خوشی اور بچپن ہے)

واریا ۔ میری پیاری۔ میری جان۔ واپسی مبارک ہو۔

(دونیاشا کوفی کے برتن لے کر واپس آتی ہے اور کوفی بنانا شروع کرتی ہے)

واریا۔ (جو آنیا کے کمرے کے دروازے میں کھڑی ہوئی اس سے بات کر رہی ہے) تمہیں پتہ ہے جب میں گھر میں ادھر ادھر کام کرتی پھرتی ہوں تو میں اکثر طرح طرح کے خواب دیکھا کرتی ہوں۔ میں سوچتی ہوں کہ اگر کسی بہت امیر آدمی سے تمہاری شادی کروائی جاسکے تو کتنا اچھا ہو۔ اس وقت مجھے بھی کچھ دلی سکون حاصل ہو سکے گا۔ بس پھر میں بھی یہاں سے چلی جاؤں گی۔ سب سے پہلے میں کسی درگاہ پر جاؤں گی، پھر کیو اور پھر ماسکو۔ اور اس طرح میں ایک زیارت گاہ سے دوسری تک پیدل جایا کروں گی ـــــ کتنی دلچسپ ہوگی وہ یاترا اور کتنی خوب صورت ہوگی وہ زندگی۔

آنیا۔ باغ میں چڑیاں چہک رہی ہیں ـــــ کیا وقت ہوگا؟

واریا۔ دو بج چکے ہیں۔ اب تمہیں لیٹنا چاہیے پیاری بہن (آنیا کے کمرے میں جاتی ہے) کتنی خوب صورت ہوگی وہ زندگی۔

(یاشا داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک سفری کمبل اور ایک تھیلا ہے)

یاشا۔ (اندر آتے ہوئے ایک بنی ہوئی مہذب آواز میں) کیا میں یہاں سے گزر سکتا ہوں؟

دونیاشا۔ ارے تم تو پہچانے نہیں جاتے۔ پیرس میں رہ کر کتنے بدل گئے ہو۔

یاشا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو؟

دونیاشا۔ جب تم پیرس گئے تھے تو میں بس اتنی بڑی تھی (ہاتھ کے اشارے سے بتاتی ہے) میں دونیاشا ہوں۔ فیوڈور کوسوروف کی لڑکی ـــــ تمہیں اب بھی یاد نہیں آیا۔

یاشا۔ ہوں ـــــ مزیدار بگوگوشہ ہے (چاروں طرف دیکھتا ہے۔ پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ دونیاشا چلاتی ہے۔ اور ایک پلیٹ اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے۔ یاشا تیزی سے باہر جاتا ہے۔)

واریا۔ (دروازے سے خفگی کے انداز میں) یہ کیا ہو رہا ہے؟

دونیاشا۔ (رقت بھری آواز میں) مجھ سے ایک پلیٹ ٹوٹ گئی۔

واریا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ یہ تو اچھا شگون ہے۔

آنیا:۔ (اپنے کمرے سے باہر آتے ہوئے) ہمیں ماما کو پہلے سے بتا دینا چاہیے کہ پیتیا یہاں ہے۔

واریا:۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ ابھی اسے کوئی نہ جگائے۔

آنیا:۔ (سنجیدہ انداز میں) پورے چھ سال پہلے پاپا کا انتقال ہوا تھا اور اس کے صرف ایک مہینے بعد ہمارا ننھا بھائی گریشا بھی دریا میں ڈوب کر مر گیا تھا۔ اس وقت وہ صرف سات سال کا تھا ـــــ وہ کتنا پیارا اور خوب صورت بچہ تھا۔ ماما سے یہ سب برداشت نہ ہو سکا اور وہ گھر چھوڑ کر چلی گئیں اور انہوں نے پھر کبھی مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (جھرجھری لیتے ہوئے) میں ان کی کیفیت خوب سمجھتی ہوں۔ کاش کہ انہیں اندازہ ہو تا کہ میں انہیں کتنی اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ (وقفہ) اور کیونکہ پیتیا تروفی موف گریشا کا ٹیوٹر تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسے دیکھ کر کچھ پرانی یادیں......

(فیرس داخل ہوتا ہے۔ اس نے ایک جاکٹ اور سفید واسکٹ پہن رکھی ہے۔)

فیرس:۔ (کوفی کے برتنوں کی طرف جاتے ہوئے بھولے ہوئے انداز میں) بیگم صاحبہ کوفی یہاں پئیں گی (سفید دستانے پہنتا ہے) کیا کوفی تیار ہے (دونیاشا سے سختی سے) کریم کہاں ہے؟

دونیاشا:۔ ہائے اللہ (جلدی سے باہر جاتی ہے)

فیرس:۔ (کوفی کے برتنوں کو ٹھیک کرتے ہوئے) یہ لڑکی بالکل نکمی ہے۔ (بڑبڑاتا ہے) پیرس سے.... ایک عرصہ پہلے جب ہمارے صاحب پیرس جایا کرتے تھے ـــــ گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر (ہنستا ہے)

واریا:۔ فیرس تم کس بات پر ہنس رہے ہو؟

فیرس:۔ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے بی بی؟ (خوشی سے) بیگم صاحبہ گھر واپس آگئیں خدا کا شکر ہے ـــــ اب اگر میں مر بھی جاؤں تو کوئی پرواہ نہیں (خوشی سے روتا ہے۔)

(اندریونا، لوپاخن، گادیو، سیمنوف پشک داخل ہوتے ہیں۔ سیمنوف نے ایک لمبا دہقانی کوٹ پہن رکھا ہے اور اس کی چوڑے پائنچوں کی پتلون فل بوٹوں کے اندر اڑسی ہوئی ہے۔ گادیو اس طرح اپنے ہاتھ اور بازو ہلا رہا ہے جیسے وہ بلیرڈ کھیل رہا ہو۔)

اندریونا :۔ ہاں تو پھر کیا ہو گا ـــــ اچھا میں نے لال گیند تاکی اور پھر میں نے بیچ والی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

گاویو :۔ اور میں نے کنارے والی جیب میں ہاتھ ڈالا ـــــ بہت سال پہلے تم اور میں اس کمرے میں سویا کرتے تھے۔ منی بہن اور منا بھائی ـــــ اور اب میں اکیاون سال کا ہوں۔ کتنی عجیب بات ہے۔

لوپاخن :۔ ہاں وقت کو گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔

گاویو :۔ کیا کہا ؟

لوپاخن :۔ میں کہہ رہا تھا کہ وقت کو گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔

گاویو :۔ یہاں پتشولی کی بو آ رہی ہے۔

آنیا :۔ میرا خیال ہے اب مجھے سو جانا چاہیے۔ اچھا ماما شب بخیر۔ (اُسے پیار کرتی ہے)

اندریونا :۔ میری چاند (اس کے ہاتھوں کو پیار کرتی ہے) تم گھر واپس آنے سے خوش ہو نا ـــــ میرا تو ابھی تک سر چکرا رہا ہے۔

آنیا :۔ شب بخیر ماموں جان۔

گاویو :۔ (اس کے چہرے اور ہاتھوں کو پیار کرتا ہے) خدا تمہیں خوش رکھے۔ تم اپنی ماں سے کتنا ملتی ہو۔ (اپنی بہن سے) تم بھی اس عمر میں عین مین آنیا کی طرح معلوم ہوتی تھیں لیوبیا۔

(آنیا، لوپاخن اور پشک سے ہاتھ ملاتی ہے اور پھر اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیتی ہے۔)

اندریونا :۔ بے چاری بہت تھک گئی ہے۔

پشک :۔ سفر بھی تو کتنا لمبا تھا۔

واریا :۔ (لوپاخن اور پشک سے) دیکھیے جناب دو بج چکے ہیں۔ اب ہمیں اپنے اپنے کمروں میں چلا جانا چاہیے۔

اندریونا :۔ (ہنستی ہے) تم بالکل نہیں بدلیں واریا۔ (واریا کو گلے لگاتی ہے اور پیار کرتی ہے) مجھے ذرا کوفی تو پی لینے دو۔ پھر ہم سب چلے جائیں گے۔ (فیرس اس کے پاؤں کے نیچے ایک کشن رکھتا ہے)

شکریہ عزیز دوست مجھے کوفی پینے کی بے حد عادت پڑگئی ہے۔ میں دن رات کوفی پیتی رہتی ہوں
_____ شکریہ میرے پُرانے دوست۔ (فیرس کو پیار کرتی ہے)

واریا :۔ میں ذرا جا کر دیکھتی ہوں سب سامان ٹھیک ٹھاک آگیا یا نہیں۔ (جاتی ہے)

اندریونا :۔ کیا واقعی یہ میں ہی ہوں جو یہاں بیٹھی ہوئی ہوں۔ (ہنستی ہے) میرا دل چاہتا ہے کہ خوب ناچوں اور گاؤں (اپنے ہاتھوں سے چہرہ چھپاتی ہے) کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ صرف ایک خواب ہو۔ اُف خدا مجھے اپنے وطن سے کتنی محبت ہے۔ مجھے اس سرزمین سے عشق ہے _____ جب ٹرین روسی سرحد میں داخل ہو رہی تھی تو شدتِ جذبات سے میں برابر روئے جا رہی تھی۔ میں کچھ بھی نہ دیکھ سکی۔ (آنسوؤں کے درمیان) بہر حال اب مجھے کوفی ختم کرنی چاہیے _____ شکریہ فیرس شکریہ میرے پیارے بوڑھے دوست۔ خدا کا شکر ہے کہ گھر آکر میں نے تمہیں زندہ سلامت پایا۔

فیرس :۔ جی ہاں۔ پرسوں۔

گاویو :۔ ان کو اب اچھی طرح سنائی نہیں دیتا۔

لوپاخن :۔ مجھے چار بجے کے بعد خارا کوف جانا ہے _____ میں آپ سے ذرا اچھی طرح ملنا چاہتا تھا۔ کچھ بات چیت بھی کرنا تھی _____ آپ اب بھی پہلے کی طرح حسین معلوم ہوتی ہیں۔

پشک :۔ (گہرا سانس لیتے ہوئے) یہ تو پیرس کے اس لباس میں پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت معلوم ہوتی ہیں۔ اب بھی یہ جسے چاہیں اپنے حُسن کا شکار بنا سکتی ہیں۔

لوپاخن :۔ آپ کے بھائی لیونڈ اندرے وِچ کہتے ہیں کہ میں گنوار ہوں اور ایک کنجوس کسان ہوں۔ لیکن میں ان کی باتوں کا کوئی خیال نہیں کرتا۔ انھیں جو وہ چاہیں کہنے دیجیے۔ میری بس یہی خواہش ہے کہ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ جیسا کہ آپ پہلے کرتی تھیں _____ یہ تو سب خدا کی شان کے کرشمے ہیں۔ میرے ماں باپ آپ کے والد کی رعایا میں سے تھے اور میرے دادا بھی۔ لیکن آپ مجھ پر اس قدر مہربان ہیں کہ میں یہ سب کچھ بھول چکا ہوں اور آپ کو اپنی بڑی بہن کی جگہ سمجھتا ہوں۔ مجھے آپ ایک بہن سے زیادہ عزیز ہیں۔

اندریونا :۔ میرا دل خوشی سے بیتاب ہے۔ اس وقت خاموش بیٹھنا ناممکن ہے (اچھل کر کرسی سے اٹھتی ہے اور اضطراب کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلتی ہے) یہ خوشی میری برداشت سے

باہر ہے۔ تم لوگ مجھ پر جتنا چاہو ہنسو۔ میں واقعی بے وقوف ہوں ـــــ میری پیاری ایک شلف، میری اپنی ننھی منّی میز۔

گاویو :۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پیچھے بوڑھی نینی کا بھی انتقال ہو گیا۔

اندریونا :۔ (بیٹھ کر کوفی پیتی ہے) ہاں مجھے معلوم ہے۔ ان لوگوں نے مجھے اطلاع دی تھی۔ خدا انھیں جنّت نصیب کرے۔

گاویو :۔ اناستاسیا بھی خدا کو پیاری ہوئی اور پیٹروشکا نے اب ہماری نوکری چھوڑ دی ہے۔ وہ شہر میں پولیس کی نوکری کر رہا ہے۔

(اپنی جیب سے اُبلی ہوئی مٹھائی کا ایک ڈبّہ نکالتا ہے
اور ایک ٹکڑا اپنے منھ میں رکھتا ہے۔)

پشک :۔ میری بیٹی واشنکا نے آپ کو سلام کہلوایا ہے۔

لوپاخن :۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو کوئی اچھی خبر سناؤں۔ کوئی بہت خوشگوار سی بات (گھڑی کی طرف دیکھتا ہے) لیکن اب مجھے جانا چاہیے۔ بات کرنے کا وقت کہاں ہے، لیکن خیر میں آپ کو چند الفاظ میں بتا سکتا ہوں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ آپ کا چیری کا باغ بک رہا ہے اور اسی سے آپ کے قرضے کی ادائیگی ہوگی۔ ۲۲ اگست کو اس کا نیلام ہونا ہے، لیکن آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ آپ بڑے آرام سے سو سکتی ہیں ـــــ ہر مسئلے کا ایک حل ضرور ہوتا ہے۔ میری تجویز یہ ہے ـــــ مہربانی سے اسے ذرا غور سے سنیے ـــــ آپ کی جائیداد شہر سے صرف بیس میل کے فاصلے پر ہے اور ریلوے لائن بھی اس سے زیادہ دور نہیں۔ فرض کر لیجیے کہ آپ کے چیری کے باغ اور دریا کے کنارے والی زمین کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے اور پھر انھیں گرمی کی قیام گاہوں کے لیے کرائے پر دے دیا جائے تو اس طرح آپ کو ۲۵ ہزار روبل سالانہ کی آمدنی ہو سکتی ہے۔

گاویو :۔ کیا فضول باتیں کرتے ہو۔

اندریونا :۔ معاف کرنا یرمولائی الکسی وچ میں تمہاری بات بالکل نہیں سمجھی۔

لوپاخن :۔ آپ اپنے کرائے داروں سے ایک ایکڑ زمین کا کم سے کم ۲۵ روبل سالانہ کرایہ وصول

کر سکتی ہیں۔ اور اگر آپ ابھی سے اس کے لیے اشتہار دے دیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں ـــــ بلکہ اگر آپ کہیں تو بڑی سے بڑی رقم کی شرط لگا سکتا ہوں ـــــ کہ خزاں کی آمد تک آپ کی زمین کا ایک ایک چپہ اُٹھ جائے گا۔ لوگ اس پر ٹوٹ پڑیں گے بلکہ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ کو مبارک باد دینی چاہیے۔ آپ کو تمام پریشانیوں سے نجات مل سکتی ہے۔ یہ زمین بہت ہی اچھی جگہ پر واقع ہے۔ یہاں دریا بھی کافی گہرا ہے اور غسل لینے کے لیے بہت مناسب ہے۔ ویسے خیر یہ تو ظاہر ہی ہے کہ کرائے پر دینے سے پہلے اس زمین کی صفائی ستھرائی کرانی ہوگی۔ اس کی حالت ٹھیک کرانی ہوگی۔ مثلاً یہ کہ وہ سب پرانی عمارتیں ڈھانی ہوں گی۔ اور خود یہ گھر بھی ـــــ بہرحال اب تو یہ ویسے بھی کسی کام کا نہیں رہا اور رہاں اس سے پہلے چیری کے اس پُرانے باغ کو بھی کٹوا دینا چاہیے۔

اندریونا: کٹوا دینا چاہیے! میرے پیارے دوست، معاف کرنا ـــــ معلوم ہوتا ہے تم کوئی بات سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اگر اس تمام علاقے میں کوئی حسین، دلچسپ اور غیر معمولی چیز ہے تو وہ ہمارا چیری کا باغ ہے۔

لوپاخن: اس چیری کے باغ میں غیر معمولی بات تو صرف یہ ہے کہ یہ بہت بڑا ہے۔ اب اس میں صرف تیسرے سال فصل آتی ہے اور اس وقت بھی کوئی اس فصل کا خریدنے والا نہیں ملتا۔

گاویو: انسائیکلوپیڈیا تک میں اس چیری کے باغ کا ذکر ہے۔

لوپاخن: (گھڑی دیکھتے ہوئے) اگر آپ نے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہ کیا اور ابھی سے کوئی فیصلہ نہ کیا تو بہت جلد یہ چیری کا باغ اور اس کے ساتھ باقی تمام جائیداد نیلام ہو جائے گی۔ آپ کو اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔ اس کا اور کوئی حل ممکن نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اس کا اور کوئی حل نہیں۔

فیرس: پرانے زمانے میں۔ چالیس یا پچاس سال پہلے چیریوں کو سُکھایا جاتا تھا۔ ان کے جیم اور مُربّے بنائے جاتے تھے ـــــ اور کبھی کبھی تو........

گاویو: فیرس تم خاموش رہو۔

فیرس: اور کبھی کبھی تو سوکھی چیریوں سے بھری ہوئی گاڑیاں ماسکو اور خارکوف بھیجی جاتی تھیں۔

ان کے دام کتنے اچھے لگتے تھے۔ اس زمانے میں سوکھی چیریاں رس دار، میٹھی اور مزے دار ہوتی تھیں لوگ جانتے تھے کہ انھیں کس طرح سکھانا چاہیے۔ ان کے پاس چیری سکھانے کا ایک بڑا اچھا نسخہ تھا۔

اندریونا :۔ اور اب وہ نسخہ کہاں گیا؟

فیرس :۔ اب سب اسے بھول چکے ہیں۔

پشک :۔ (اندریونا سے) کیسے پیرس میں کیسی گزری، کیا وہاں آپ لوگ مینڈک کھاتے تھے؟

اندریونا :۔ نہیں میں وہاں مگرمچھ کھاتی تھی۔

پشک :۔ کمال ہے!

لوپاخن :۔ کچھ عرصے پہلے تک اس علاقے میں صرف جاگیر دار اور کسان رہتے تھے، لیکن حال ہی میں یہاں چاروں طرف گرمی کے بنگلے بن گئے ہیں۔ تمام شہروں، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے قصبوں کے چاروں طرف بھی اب اس قسم کے بنگلے بن گئے ہیں اور غالباً اگلے بیس سال میں ان بنگلوں اور ان میں رہنے والوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اب تک تو وہ لوگ صرف اپنے برآمدوں میں بیٹھ کر چائے پیا کرتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصے بعد ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے زمین کے ٹکڑوں پر باغبانی بھی شروع کر دیں۔ اس وقت آپ کے چیری کے باغ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جائے گی اور وہ مال و دولت اور آرام و آسائش سے بھرپور ہو جائے گا۔

گاویو :۔ (حقارت سے) بالکل بکواس۔

(واریا اور یاشا داخل ہوتے ہیں)

واریا :۔ آپ کے نام دو تار آئے تھے ماما پیاری (کنجی نکال کر کتابوں کی پرانی الماری کو کھولتی ہے اسے کھولنے میں کافی آواز ہوتی ہے) لیجیے یہ رہے۔

اندریونا :۔ یہ تو پیرس سے آئے ہیں۔ (بغیر پڑھے ہی انھیں پھاڑ دیتی ہے) میں پیرس کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔

گاویو :۔ تمہیں معلوم ہے لیوبا یہ بک کیس کتنا پرانا ہے۔ ایک ہفتہ ہوا میں نے اس کی نیچے کی دراز کھولی تو مجھے اس پر کچھ ہندسے نظر آئے۔ جنھیں لکڑی کو جلا کر بنایا گیا تھا، تو دوستو یہ بک کیس پورے سو سال پہلے بنایا گیا تھا۔ اب بتائیے کیا خیال ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اس کی گولڈن جوبلی

منانی چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ فقط ایک بے جان چیز ہے، لیکن پھر بھی ـــــ آخر یہ ایک بک کیس ہے۔

پشک:۔ (تعجب سے) سو سال پہلے ـــــ کمال ہے!

گاویو:۔ ہاں یہ ایک بہت ہی قابلِ قدر چیز ہے (اس پر چاروں طرف ہاتھ پھیرتا ہے) میرے پیارے قابلِ عزت بک کیس ـــــ میں تمہارے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں۔ تم نے ایک سو سال سے زیادہ سے اپنے آپ کو اعلیٰ اقدار، نیکی اور انصاف کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ایک سو سال تک تم نے ہمارے دلوں میں اچھے اور ضروری کام کرنے کی خواہش کو جگایا ہے۔ تمہارے خاموش پیغام کے سہارے ہمارے خاندان کی کئی نسلوں کی ہمت بلند رہی ہے اور ایک بہتر مستقبل میں ان کا یقین زندہ رہا ہے۔ تم نے ہمیں سماجی احساس اور عوام کی خدمت کے جذبے سے مالا مال کیا ہے۔

(وقفہ)

لوپاخن:۔ اچھا......

اندریونا:۔ تم اب بھی ویسے ہی ہو لونیا۔

گاویو:۔ (تھوڑی سی شرمندگی کے احساس کے ساتھ) جب میں نے کنارے کی جیب میں ڈھونڈا۔ اور پھر جب میں نے بیچ کی جیب میں ڈھونڈا۔

لوپاخن:۔ (گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے) اچھا اب مجھے جانا چاہیے۔

یاشا:۔ (اندریونا کے لیے دوا لے کر آتا ہے) محترمہ کیا آپ اپنی دوا کھانا پسند فرمائیں گی؟

پشک:۔ عزیزِ من دوائیں کھانا بالکل بے کار ہے ـــــ ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ـــــ اور کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا ـــــ لاؤ میں ہی کھا لیتا ہوں۔ (دواؤں کا ڈبہ اس کے ہاتھ سے لیتا ہے اور سب گولیاں اپنی ہتھیلی پر اُلٹتا ہے۔ ان پر پھونک مارتا ہے اور پھر سب اپنے منھ میں ڈالتا ہے اور ان کو اس کے ایک گلاس کی مدد سے حلق سے نیچے اتارتا ہے) تو یہ بات ہوئی۔

اندریونا:۔ (پریشانی سے) ارے بھئی پاگل ہو گئے ہو کیا۔

پشک:۔ میں نے سب گولیاں کھالیں۔

لوپاخن ۔ بڑے غضب کا ہاضمہ ہے۔

(سب ہنستے ہیں)

فیرس ۔ عالی جناب مقدس ہنستے ہیں ہم سے ملنے آئے تھے اور پھر انھوں نے آدھی بالٹی نمکین کھیرے کھا لیے تھے۔ (کچھ بدبداتا ہے)

اندریونا ۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

واریا ۔ یہ پچھلے تین سال سے اسی طرح بدبداتے رہتے ہیں۔ اب تو ہم سب اس بات کے عادی ہو چکے ہیں۔

یاشا ۔ یہ ان کی عمر کا تقاضا ہے۔

(شارلوٹا اوانونا داخل ہوتی ہے۔ وہ بہت دُبلی پتلی ہے اور اس نے ایک تنگ سفید لباس پہن رکھا ہے اور کمر پر ایک پیٹی بندھی ہے۔ وہ اسٹیج پر سے گزر کر جا رہی ہے۔)

لوپاخن ۔ معاف کرنا شارلوٹا اوانونا میں نے اب تک تم سے سلام علیک بھی نہیں کیا۔ (اس کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہتا ہے)

شارلوٹا ۔ (اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے) اگر تمہیں ایک خاتون کے ہاتھ کا بوسہ دینے کی اجازت مل جائے تو ڈر ہے کہ تم انگلی پکڑتے پکڑتے پہونچا نہ پکڑ لو۔

لوپاخن ۔ آج میری قسمت کا ستارہ گردش میں ہے۔

(سب ہنستے ہیں)

اچھا شارلوٹا اوانونا اب ہمیں اپنا کوئی تماشہ دکھاؤ۔

شارلوٹا ۔ اس وقت اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ (چلی جاتی ہے)

لوپاخن ۔ آپ لوگوں سے تین ہفتے بعد ملاقات ہوگی۔ (اندریونا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) اس وقت تک کے لیے خدا حافظ ـــــ اب مجھے جانا چاہیے ـــــ (گائیوسے) اچھا پھر ملیں گے۔ (پشک کو گلے لگاتا ہے) اچھا خدا حافظ (واریا سے ہاتھ ملاتا ہے۔ اس کے بعد فیرس اور یاشا سے ہاتھ ملاتا ہے) ـــــ واقعی یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔ (اندریونا سے) اگر آپ گرمی کے بنگلوں والی

تجویز پر دوبارہ غور کریں۔ اور اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کریں تو مجھے اطلاع دے دیجیے گا ـــــ میں آپ کو پچاس ہزار روبل یا اس سے بھی کچھ زیادہ قرضہ دلوا سکتا ہوں مہربانی سے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیجیے۔

واریا :۔ (غصّے سے) آپ جا رہے ہیں یا نہیں؟

لوپاخن :۔ میں ابھی جاتا ہوں ـــــ میں ابھی جاتا ہوں۔ (چلا جاتا ہے)

گائیو :۔ کس قدر گنوار آدمی ہے ـــــ ارے بھائی معاف کرنا مجھے خیال نہیں رہا۔ واریا اس سے شادی کرنے والی ہے ـــــ وہ واریا کا بیش بہا منگیتر ہے۔

واریا :۔ خدا کے لیے ماموں جان اس قسم کی غیر ضروری باتیں نہ کیجیے۔

اندریونا :۔ واقعی واریا ـــــ کم سے کم مجھے تو بہت خوشی ہوگی ـــــ اچھا آدمی ہے بے چارہ۔

پشک :۔ اس میں کیا شک ہے ـــــ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ بہت قابلِ تعریف آدمی ہے میری واشنکا بھی اس کی بہت تعریف کیا کرتی ہے ـــــ اور بھی وہ طرح طرح کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ (کرسی پر سر ٹکا کر سو جاتا ہے اور خرّاٹے لینا شروع کر دیتا ہے، لیکن پھر فوراً ہی اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے) اس پر یاد آیا کہ نورِ چشمی کیا تم مجھے دو سو چالیس روبل قرض دے سکتی ہو۔ مجھے کل گروی پر سود ادا کرنا ہے۔

واریا :۔ ہمارے پاس اس وقت بالکل روپیہ نہیں ہے۔ واقعی اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

اندریونا :۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

پشک :۔ خیر کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ (ہنستا ہے) میں امید کبھی نہیں چھوڑتا۔ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز ختم ہو چکی ہے اور میں تباہ ہو گیا ہوں ـــــ اور پھر ـــــ خدا کی شان کا کرشمہ دیکھیے ـــــ ایک ریلوے لائن میری زمین پر بنائی جاتی ہے اور مجھے اس کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا ـــــ آج نہیں تو کل ـــــ ہو سکتا ہے کہ واشنکا ہی بیس ہزار روبل جیت لے۔ لاٹری کا ٹکٹ تو اس نے خرید ہی لیا ہے۔

اندریونا :۔ اچھا اب کوفی تو ختم ہوئی۔ اب میں ذرا جا کر آرام کرتی ہوں۔

فیرس :۔ (گاویو کے کپڑوں کو برش سے صاف کرتے ہوئے تنبیہی انداز میں) آج تم نے پھر غلط پتلون پہن لی ہے۔ آخر میں تم کو کس طرح سمجھاؤں۔

واریا :۔ (مدھم آواز میں) آنیا سو رہی ہے (آہستہ سے ایک کھڑکی کھولتی ہے) سورج نکل آیا ہے۔ موسم کتنا خوشگوار ہے۔ دیکھیے پیاری ماما درخت کتنے حسین معلوم ہو رہے ہیں ــــ اور ــــ اور باغ میں مینا چہک رہی ہے۔

گاویو :۔ باغ اس وقت بالکل سفید معلوم رہا ہے۔ تمہیں یاد ہے لیوبا یہ پگڈنڈی کتنی لمبی ہے اور بالکل سیدھی ہے۔ جیسے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ربن باندھ دیا گیا ہو اور چاندنی راتوں میں یہ کیسی چمکتی ہے۔ تمہیں یاد ہے نا ــــ امید ہے کہ تم بھولی نہ ہوگی۔

اندریونا :۔ آہ میرا بچپن میرا معصوم بچپن۔ میں اسی نرسری میں سویا کرتی تھی۔ اور یہیں سے باغ کا منظر دیکھا کرتی تھی۔ ہر روز صبح کو میں کیسی خوش و خرم اٹھتی تھی۔ اس وقت بھی ہمارا باغ ایسا ہی تھا کوئی چیز بھی تو نہیں بدلی (خوشی سے ہنستی ہے) تمام کا تمام سفید ہے۔ آہ میرے پیارے باغ سیاہ اور طوفانی خزاں اور برفانی سردی کے بعد تم پھر ایک نئی زندگی سے سرشار اور پُر بہار ہو۔ فرشتوں نے تمہیں فراموش نہیں کیا ــــ کاش میرے سر سے کوئی یہ بوجھ ہٹا دیتا ــــ کاش کہ میں اپنے ماضی کو بھول سکتی۔

گاویو :۔ ہاں ــــ اور اب یہ باغ بکنے والا ہے، تاکہ قرضہ ادا ہو سکے، کتنی عجیب بات ہے۔

اندریونا :۔ دیکھو دیکھو وہ ماما باغ میں سے گزر رہی ہیں سفید لباس پہنے ہوئے۔ (خوشی سے ہنستی ہے) واقعی یہ وہی ہیں۔

گاویو :۔ کہاں؟

واریا :۔ خدا آپ پر رحم کرے پیاری ماما۔

اندریونا :۔ نہیں کوئی بھی تو نہیں ہے، یہ تو صرف میرا تخیل تھا۔ وہ دیکھو وہاں سیدھے ہاتھ پر سمر ہاؤس والے موڑ کی طرف ایک چھوٹا سا سفید درخت ہے نا، جو کچھ جھکا ہوا سا ہے۔ دور سے وہ ایک عورت کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ ہے نا۔

(تروفی موف داخل ہوتا ہے۔ وہ ایک طالب علم کے

پرانے اور میلے کپڑے پہنے ہے اور اس کی آنکھوں پر عینک لگی ہے۔)

اندریونا:۔ کتنا حسین باغ ہے۔ لاکھوں سفید پھول اور سر پر نیلا آسمان!

تروفی موف:۔ لیوبو وا اندریونا (وہ اس کی طرف مڑتی ہے) میں بس آپ کو آداب عرض کرنے آیا تھا۔ ابھی واپس جا رہا ہوں۔ (اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں صبح ہونے تک انتظار کروں، لیکن میں اتنی دیر تک صبر نہ کر سکا۔

(اندریونا کھوئے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھتی ہے)

واریا:۔ (جس کی آنکھوں میں آنسو ہیں) یہ پیتیا تروفی موف ہیں۔

تروفی موف:۔ پیتیا تروفی موف۔ میں آپ کے بیٹے گریشا کو پڑھایا کرتا تھا ـــــ کیا واقعی میں اتنا بدل گیا ہوں۔

(اندریونا اسے گلے لگاتی ہے۔ اور خاموشی سے روتی ہے)

گادیو:۔ (پریشانی سے) بس بس لیوبا۔

واریا:۔ (روتی ہے) دیکھو میں نے تم سے کہا تھا نا کہ کل تک انتظار کرو۔

اندریونا:۔ میرا پیارا گریشا، میرا ننھا سا بچہ ـــــ گریشا ـــــ میرے بیٹے۔

واریا:۔ اب کیا ہو سکتا ہے ماما پیاری، یہ تو خدا کی مرضی تھی۔

تروفی موف:۔ (نرمی اور خلوص سے) صبر کیجیے، صبر کیجیے۔

اندریونا:۔ (خاموشی سے روتے ہوئے) میرے پیارے بچے تم کیوں کھو گئے ـــــ کیوں ڈوب گئے ـــــ آخر یہ سب کیوں ہوا میرے دوست (اپنے کو سنبھالتے ہوئے) آنیا اس کمرے میں سو رہی ہے اور میں نے یہاں...... رو دھو کر ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے ـــــ ہاں پیتیا ـــــ یہ تمہیں کیا ہو گیا ـــــ تم اتنے معمر کیوں لگنے لگے۔ تمہاری وہ خوب صورتی کیا ہوئی!

تروفی موف:۔ ہاں ٹرین میں ایک کسان عورت نے مجھے دیکھ کر کہا تھا "دیکھو اس آدمی کو دیکھو ـــــ معلوم ہوتا ہے اسے دیمک لگی ہوئی ہے"۔

اندریونا:۔ اس زمانے میں تو تم بالکل لڑکے سے لگتے تھے۔ بس ایک پیارے سے نوجوان طالب علم کی

طرح۔ اور اب ـــــ تمہارے بال کتنے چھدرے ہو گئے ہیں۔ اور تم عینک بھی لگانے لگے ہو۔ کیا تم ابھی تک طالب علم ہو۔

(دروازے کی طرف جاتی ہے)

تروفی موف: حالات تو یہ کہتے ہیں کہ میں آخر عمر تک طالب علم ہی رہوں گا۔

اندریونا: (پہلے اپنے بھائی اور پھر واریا کو پیار کرتی ہے) اب تم لوگ بھی جاکر سورہو۔ تم بھی اب معمر معلوم ہونے لگے ہو لیونڈ۔

پشک: (اس کے پیچھے جاتے ہوئے) اچھا تو اب آپ سونے جارہی ہیں ـــ اُف خدا ـــ یہ میری گھٹیا۔ میں سوچتا ہوں اس رات تو میں یہیں ٹھہر جاؤں اور کل صبح میری پیاری لیوبا اندریونا میں پھر آپ سے وہ دو سو چالیس روبل قرض مانگوں گا۔

گاویو: افوہ یہ شخص وہی رٹ لگائے ہوئے ہے۔

پشک: ہاں بس دو سو چالیس روبل ـــــ اب دیکھیے نا مجھے کل گروی پر سُود ادا کرنا ہے۔

اندریونا: لیکن عزیزِ من میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

پشک: میں ایک ایک پیسہ لوٹا دوں گا۔ میری عزیز خاتون یہ تو ایک بہت معمولی سی رقم ہے۔

اندریونا: اچھا تو پھر لیونڈ تمہیں دے دیں گے۔ لیونڈ تم انھیں یہ رقم دے دینا۔

گاویو: ضرور ضرور ـــ بڑی خوشی سے ـــــ اور کیا حکم ہے میرے لیے؟

اندریونا: اب بتاؤ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ انھیں اس وقت اس رقم کی ضرورت ہے اور پھر یہ کہتے ہیں کہ واپس لوٹا دیں گے۔

(اندریونا، پشک، تروفی موف اور فیرس چلے جاتے ہیں۔
اب کمرے میں گاویو، واریا اور یاشا ہیں)۔

گاویو: میری بہن کی روپیہ لٹانے کی عادت نہیں گئی۔ (یاشا سے) مہربانی سے تم یہاں سے چلے جاؤ، تمہارے اندر سے مسالے کی بو آرہی ہے۔

یاشا: (حقارت سے) لیونڈ اندرے وچ معلوم ہوتا ہے آپ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔

گاویو: کیا کہا؟ (واریا سے) یہ کیا کہہ رہا ہے؟

واریا :۔ (یاشا سے) تمہاری ماں گاؤں سے تم سے ملنے آئی ہے۔ وہ کل سے نوکروں کے بڑے کمرے میں بیٹھی ہوئی ہے اور تم سے ملنے کے لیے بے قرار ہے۔

یاشا :۔ افوہ کیا مصیبت ہے۔ آخر وہ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتیں ؟

واریا :۔ تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

یاشا :۔ آخر اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی، وہ کل آکر مجھ سے مل لیتیں

(یاشا جاتا ہے)

واریا :۔ ماما پیاری بالکل نہیں بدلیں۔ بالکل ویسی کی ویسی ہی ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو ہر چیز لٹا دیں۔

گادیو :۔ ہاں ـــــ میرا خیال ہے کہ اگر کسی مرض کے بہت سے علاج تجویز کیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرض لاعلاج ہے۔ میں اس مسئلے پر سوچ سوچ کے تھک گیا اور میرے ذہن میں اس کے طرح طرح کے حل آئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ کتنا اچھا ہو اگر کوئی امیر آدمی مرتے وقت ہمارے لیے بہت سارا روپیہ چھوڑ جائے۔ یا پھر ہم آنیا کی کسی بہت امیر آدمی سے شادی کر دیں۔ یا پھر ہم میں سے کوئی، یاروسلاول، چلا جائے اور کاونٹس کے ساتھ، جو ہماری عزیز ہیں قسمت آزمائی کرے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ وہ بہت مالدار ہیں۔

واریا :۔ (روتے ہوئے) کاش کہ خدا ہی ہماری مدد کرتا۔

گادیو :۔ یہ رونا گڑگڑانا بند کرو ـــــ کاونٹس بہت مالدار ہیں اس میں شک نہیں، لیکن وہ ہم لوگوں کو پسند نہیں کرتیں۔ جس کی سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میری بہن نے کسی خاندانی رئیس سے شادی کرنے کے بجائے ایک قانون داں سے شادی کی۔

(آنیا دروازے میں نمودار ہوتی ہے)

اس نے ایک ایسے شخص سے شادی کی جو خاندانی رئیس نہیں تھا۔ اور پھر یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ میری بہن کے طور طریق بہت زیادہ باعزت اور شریفانہ رہے ہیں۔ وہ ایک نیک، رحم دل اور بہت اچھی عورت ہے، اس میں شک نہیں۔ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ اور ویسے تو حالات کو دیکھتے ہوئے ان کی کمزوریوں کا بھی کوئی نہ کوئی جواز پیش کیا جاسکتا ہے،

لیکن یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ ان کا اخلاقی تصور ذرا ڈھیلا ڈھالا ہے۔ اس کی بات چیت رچال ڈھال ہر چیز سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

واریا :۔ (آہستہ سے) آنیا دروازے میں کھڑی ہے۔

گادیو :۔ کیا؟ (وقفہ) عجیب بات ہے۔ میری آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے اور میں اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا ــــ اور جمعرات کے روز جب میں کچہری گیا تو......

(آنیا داخل ہوتی ہے)

واریا :۔ کیوں آنیا کیا بات ہے۔ تم ابھی تک نہیں سوئیں؟

آنیا :۔ مجھے نیند نہیں آئی۔ مجھے کسی طرح نیند نہیں آرہی ہے۔

گادیو :۔ میری پیاری بچی (اس کے چہرے اور ہاتھوں کو پیار کرتا ہے) میری پیاری بیٹی (آنکھوں میں آنسو ہیں) تم میرے لیے صرف ایک بھانجی ہی نہیں بلکہ رحمت کا فرشتہ بھی ہو ــــ تم میرے لیے سب کچھ ہو۔ میری بات کا یقین کرو۔ خدا کے لیے میرا یقین کرو۔

آنیا :۔ مجھے آپ کی بات پر پورا یقین ہے ماموں جان ــــ ہر شخص آپ سے محبت کرتا ہے، لیکن پیارے ماموں، آپ کو اتنا بولنا نہیں چاہیے۔ آپ خاموش رہنے کی کوشش کیجیے۔ ابھی ابھی آپ میری اماں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟ ــــ اپنی سگی بہن کے بارے میں! آپ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں؟

گادیو :۔ ہاں ــــ ہاں ــــ (اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھتا ہے) تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ کس قدر بیہودہ بات ہے ــــ اُف میرے خدا ــــ اف خدا۔ اور آج میں نے بک کیس کے سامنے جو تقریر کی وہ کس قدر حماقت آمیز تھی اور جب میں پوری تقریر ختم کر چکا اس وقت مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ کتنی احمقانہ تھی۔

واریا :۔ یہ بالکل ٹھیک بات ہے پیارے ماموں، آپ کو خاموش رہنے کی کوشش کرنی چاہیے بس آپ زیادہ بات نہ کریں۔ یہ بہت ضروری ہے۔

آنیا :۔ اگر آپ خاموش رہیں تو آپ کو خوشی اور سکون حاصل ہو سکتا ہے۔

گادیو :۔ میں خاموش رہوں گا ــــ (آنیا اور واریا کے ہاتھوں کو پیار کرتا ہے) میں خاموش

رہوں گا، لیکن میں تم لوگوں کو بہت ضروری بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ جمعرات کے روز میں کچہری گیا تھا۔ وہاں کچھ دوستوں سے بات چیت شروع ہوئی، جس سے اندازہ ہوا کہ پرومزری نوٹوں پر قرضہ لیا جا سکتا ہے اور اس طرح بینک کے قرضے کا سود تو ادا ہو ہی سکتا ہے۔

واریا :۔ اگر خدا کی مدد شاملِ حال ہو۔

گاویو :۔ میں منگل کے دن پھر جاؤں گا اور اس سلسلے میں اور بات چیت کروں گا۔ (واریا سے) رونا بند کرو۔ (آنیا سے) تمہاری ماں اس سلسلے میں لوپاخن سے بات کریں گی۔ ظاہر ہے کہ وہ انکار نہیں کر سکتا اور کچھ عرصے تم یہاں آرام کر لو تو پھر تم یاراسلاول چلی جانا۔ اور وہاں جا کر کاؤنٹس یعنی اپنی نانی سے ملنا۔ اور اس طرح ہم تینوں مختلف طریقوں سے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ کامیابی یقینی ہے اور اس طرح ہم قرضے کا سود ادا کر سکیں گے۔ مجھے اس کا یقین ہے۔ (منھ میں مٹھائی کا ایک ٹکڑا ڈالتا ہے) میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں یا جس چیز کی بھی تم کہو کہ ہمیں اپنی جاگیر بیچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ (جوش سے) میں اپنی خوشی کی بازی لگاتا ہوں۔ لو یہ میرا ہاتھ ہے۔ اگر میں اس جائیداد کا نیلام ہونے دوں تو تم مجھے جو چاہے کہہ لینا۔ تم مجھے ایک بے مصرف اور جھوٹا آدمی کہہ سکتی ہو۔ میں اپنی روح کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔

آنیا :۔ (سکون اور خوشی کے لہجے میں) ماموں جان آپ کتنے اچھے اور سمجھدار ہیں۔ (اس کے گلے میں باہیں ڈالتی ہے) مجھے اب کچھ سکون ہو رہا ہے۔ میں کتنی خوش اور مطمئن ہوں۔

(فیرس داخل ہوتا ہے)

فیرس :۔ لیونداندرے وچ تمہیں شرم نہیں آتی۔ آخر تم سونے کے لیے کب جاؤ گے۔

گاویو :۔ بس ابھی جاتا ہوں، ایک منٹ میں۔ ہاں تم یہاں سے جاؤ۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ اچھا میری بچیو! خدا حافظ ــــ کل باقی سب باتیں ہوں گی۔ اس وقت تم بھی جا کر سو رہو۔ (آنیا اور واریا کو پیار کرتا ہے) تمہیں معلوم ہے میں انیسویں صدی کا آدمی ہوں۔ اب لوگ اس دور کی قدر نہیں کرتے، لیکن پھر بھی میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے عقیدے کی خاطر اس زندگی میں کافی غم سہے ہیں۔ اسی لیے کسان مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔ یہ کوئی آسان بات نہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے تو کسانوں سے گہری واقفیت ہونا ضروری ہے اور پھر یہ بھی

کر وہ کس خیال.....

آنیا:۔ آپ نے پھر اسی طرح کی باتیں شروع کر دیں ماموں جان۔

واریا:۔ میرے خیال میں آپ خاموش ہی رہیں تو بہتر ہو پیارے ماموں۔

فیرس:۔ لیونِد اندرے وچ۔

گاویو:۔ آتا ہوں ــــ آتا ہوں۔

(جاتا ہے اس کے پیچھے فیرس بھی لنگڑاتا ہوا جاتا ہے)

آنیا:۔ اب مجھے کچھ سکون محسوس ہو رہا ہے۔ میں یاراسلاول تو نہیں جانا چاہتی، کیونکہ مجھے کاؤنٹس نانی ہالکل پسند نہیں۔ لیکن پھر بھی مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے ذہن پر سے کوئی بار اٹھا لیا گیا ہو اور اس کے لیے میں ماموں جان کی شکر گزار ہوں۔ (بیٹھ جاتی ہے)

واریا:۔ اب مجھے بھی سونا چاہیے۔ میں چلتی ہوں...... ہاں اس پر یاد آیا کہ تمہارے پیچھے ایک بڑی ناخوشگوار سی بات ہو گئی۔ تمہیں معلوم ہے کہ اب شاگرد پیشہ میں بہت کم نوکر رہ گئے ہیں۔ یعنی صرف یفِی موٹسکا، پولیا، پادستی گن اور کارپ۔ خیر تو ہوا یہ کہ انھوں نے کچھ لفنگوں کو وہاں سُلانا شروع کر دیا۔ اور اب اس وقت تو میں نے بھی کوئی خاص روک ٹوک نہیں کی، لیکن کچھ عرصے بعد اس سلسلے میں کچھ کانا پھوسی شروع ہو گئی۔ سنا ہے لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ میں نے انھیں صرف سوکھے ہوئے مٹر کھانے کو دیے، کیوں کہ میں بہت کنجوس ہوں۔ پھر مجھے معلوم ہوا اس سارے فساد کی جڑ پادستی گن تھا۔ "اچھا تو یہ قصہ ہے۔" میں نے اپنے دل میں کہا۔ "تو میں بھی تمہیں ذرا اچھی طرح مزا چکھاؤں گی۔" اور یہ سوچ کر میں نے اسے بلا بھیجا۔ (جمائی لیتی ہے) پادستی گن صاحب تشریف لائے۔ "یہ سب کیا معاملہ ہے پادستی گن؟"، میں نے کہا "تم سے بڑا گدھا میں نے آج تک نہیں دیکھا" (آنیا کے قریب جاتی ہے) ارے یہ تو سو گئی۔ (اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتی ہے) چلو چل کر اپنے بستر پر لیٹو۔ (ہاتھ پکڑ کر لے جاتی ہے) ہائے میری پیاری بہن بیٹھے بیٹھے سو گئی۔

(وہ لوگ دروازے تک جاتی ہیں۔ بہت دور سے کسی چرواہے کی بانسری کی آواز آتی ہے ــــ تروفی موف اسٹیج پر سے گزرتا ہے اور واریا اور آنیا کو دیکھ کر ٹھٹھکتا ہے)

واریا:۔ شش شش۔ یہ سو رہی ہے۔ سو گئی ہے ــــ چلو میری پیاری۔

آنیا:۔ (نرم آواز میں) میں کتنی تھک گئی ہوں ــــ مجھے برابر گھنٹیوں کی آواز آرہی ہے ــــ **ماموں** جان پیارے ــــ ماموں جان اور ماما۔

واریا:۔ چلو پیاری ــــ چلو۔ (وہ دونوں آنیا کے کمرے میں چلی جاتی ہیں)۔

تروفی موف:۔ (جو بہت متأثر ہے) آنیا ــــ میرے واحد تابندہ ستارے! میرے پیار کے پھول!

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا ایکٹ

(ایک سڑک جس کے کنارے ایک متبرک مزار ہے، جو ایک طرف کو جھکا ہوا ہے اور غالباً بہت عرصے سے کس مپرسی کے عالم میں پڑا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک کنواں ہے، کچھ دور پر ایک پرانی سیٹ اور پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے، جو غالباً کبھی قبروں کے کتبے تھے، اِدھر اُدھر پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں سے ایک سڑک گاویو کی جاگیر کی طرف جاتی ہے، جس کے ایک طرف کچھ دور تک سفیدے کے درختوں کی قطار ہے اور اس کے بعد چیری کا باغ شروع ہوتا ہے۔ اس کے آگے ٹیلی گراف کے تاروں کی لائن نظر آ رہی ہے اس کے بعد دور افق کے قریب جب مطلع صاف ہوتا ہے تو ایک بڑے شہر کی عمارتیں دُھندلی دُھندلی سی نظر آتی ہیں)۔

(سورج غروب ہونے والا ہے۔ شارلوٹا، یاشا اور دونیاشا سیٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یاپی ہودوف قریب کھڑا ہے۔ سب کسی سوچ میں غرق معلوم ہوتے ہیں۔ شارلوٹا ایک نوکیلی مردانی ٹوپی اوڑھے ہوئے ہے۔ اس نے اپنے شانے پر سے ابھی ایک چھوٹی بندوق اتاری ہے اور وہ اسی کا تسمہ ٹھیک کر رہی ہے)۔

شارلوٹا۔ (سوچتے ہوئے) مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری عمر کیا ہے۔ میرے پاس اپنی پیدائش کا سرٹیفکٹ نہیں ہے۔ اس لیے میں اپنے آپ کو یقین دلاتی رہتی ہوں کہ میں اب تک جوان ہوں۔ جب میں چھوٹی سی تھی تو میرے ماں باپ میلوں میں گھومتے رہتے تھے اور ہر جگہ اپنے تماشے دکھاتے تھے۔ وہ بڑے اچھے جادو کے تماشے ہوتے تھے۔ میں ایک پتلی سی رسّی پر کودا کرتی تھی اور طرح طرح کے تماشے دکھایا کرتی تھی۔ جب میرے ماں باپ مر گئے تو ایک جرمن خاتون نے مجھے لے کر پال لیا۔ اور مجھے پڑھانا شروع کیا اور اس طرح میں بڑی ہو کر گورنس بن گئی۔ لیکن میں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں کون ہوں، میرا وطن کہاں ہے اور نہ یہ کہ میرے ماں باپ کون تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی کبھی باقاعدہ شادی بھی نہ ہوئی ہو۔ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ (اپنی جیب سے ایک کھیرا نکال کر کھانا شروع کرتی ہے) بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔ (وقفہ) میں کسی سے بات کرنے کے لیے بے چین ہوں۔ لیکن کوئی بھی تو ایسا نہیں جس سے میں بات کر سکوں۔ میرا کوئی بھی تو نہیں۔

یاپی ہودوف۔ (گٹار بجاتا ہے اور گاتا ہے)

مجھے اس شور ہنگامے سے کیا مطلب
مجھے اپنوں سے کیا مطلب
مجھے غیروں سے کیا مطلب
کہ یہ بربط بجانا میرا جیون ہے

دونیاشا۔ یہ بربط تو نہیں، یہ تو ایک گٹار ہے۔ (بٹوے میں سے ایک چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنا چہرہ دیکھتی ہے اور چہرے پر پاؤڈر لگاتی ہے)۔

یاپی ہودوف۔ ایک بے قرار عاشق کے لیے تو یہ ایک بربط ہی ہے۔ (آہستہ آہستہ گاتا ہے)

اے میری جان تجھے میری محبت کی قسم
دیکھ ہاں میری طرف
میری دنیا ہے تری اک عنایت کی نظر

(یاشا اس کے ساتھ گاتا ہے)

شارلوٹا۔ کتنے بھدّے طریقے سے گا رہے ہیں یہ لوگ۔ معلوم ہوتا ہے گیدڑ رو رہے ہیں۔

دونیاشا:۔ (یاشا سے) تم واقعی کتنے خوش قسمت ہو کہ دوسرے ملکوں کی سیر کر آئے ہو۔

یاشا:۔ اس میں کیا شک ہے۔ مجھے تم سے پورا اتفاق ہے۔

(جمائی لیتا ہے اور ایک سگار سلگاتا ہے)

یاپی ہودوف:۔ بالکل ٹھیک بات ہے۔ دوسرے ملکوں میں ہر کام تیزی سے چلتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ہر چیز عرصے سے چل رہی ہے۔

یاشا:۔ اس میں کیا شک ہے۔

یاپی ہودوف:۔ ذاتی طور پر میں ایک مہذّب قسم کا انسان ہوں۔ میں ہمیشہ طرح طرح کی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات ہے کہ مجھے کبھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ میں کس طرف جارہا ہوں اور میں واقعی کیا چاہتا ہوں۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں کہہ نہیں سکتا کہ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یا اپنے آپ کو شوٹ کر لینا چاہتا ہوں، لیکن پھر بھی میں ایک چھوٹی سی بندوق ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ یہ ہے وہ بندوق!

(بندوق دکھاتا ہے)

شارلوٹا:۔ اچھا یہ کام تو ختم ہوا۔ اب میں چلتی ہوں۔ (بندوق کا تسمہ اپنے کندھے پر ڈالتی ہے) تم کافی ہوشیار آدمی ہو یاپی ہودوف، میرے خیال میں عورتیں تمہیں دیکھتے ہی تم پر عاشق ہو جاتی ہوں گی ——— آخ تھو ——— (جانے لگتی ہے) تمام ہوشیار لوگ کس قدر بے وقوف ہوتے ہیں۔ میں کس سے بات کروں۔ میں کس قدر اکیلی ہوں ——— میں ہمیشہ تنہا رہی ہوں ——— میرا اپنا کوئی بھی نہیں ہے۔ اور میں کون ہوں؟ ——— میں کس لیے پیدا ہوئی ——— یہ کوئی نہیں جانتا

(آہستہ آہستہ چلی جاتی ہے)

یاپی ہودوف:۔ میں صرف خدا لگتی اور نپی تُلی بات کہنا چاہتا ہوں، ادھر اُدھر بھٹکنا نہیں چاہتا۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے آپ لوگوں کو اب یہ بتا ہی دینا چاہیے کہ قسمت نے مجھ سے ہمیشہ بڑی بے رحمی کا سلوک کیا ہے، جیسا کہ ایک طوفان چھوٹے جہازوں کے ساتھ کرتا ہے ——— میرا کہنے کا یہ مطلب ہے ——— ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ہو ——— لیکن اب آپ ہی بتائیے کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ آج صبح جب میں سو کر اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑی سی

مکڑی میرے سینے پر بیٹھی ہوئی ہے ـــــ بالکل اس طرح ـــــ (اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتا ہے)، یا فرض کر لیجیے میں نے کواس کا ایک جگ اٹھا کر کواس پینے کا ارادہ کیا تو یقین مانیے کہ اس کے اندر سے کوئی عجیب و غریب چیز نکل آئے گی۔ مثلاً ایک برساتی کیڑا۔ (وقفہ) کیا تم نے کبھی بکل کی کوئی کتاب پڑھی ہے۔ (وقفہ) او دونیا فیودرنا تم سے ایک منٹ بات کرنا چاہتا تھا، اگر تمہیں تکلیف نہ ہو تو۔

دونیاشا :۔ ہاں ہاں کیا بات ہے۔

یاپی ہودوف :۔ میں تم سے ذرا تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ (آہ بھرتا ہے)۔

دونیاشا :۔ (ذرا گھبرائی ہوئی ہے) بہت اچھا۔ لیکن تم مجھے میرا وہ چھوٹا کیپ لا دو۔ کپڑوں کی الماری کے قریب لٹکا ہوا ہے ـــــ یہاں کافی سردی ہوگئی ہے۔

یاپی ہودوف :۔ بہت اچھا میں ابھی لاتا ہوں ـــــ اب مجھے معلوم ہوگیا کہ ریوالور سے کیا کام لوں ؟

(اپنا گٹار اٹھاتا ہے اور اسے ہلاتا ہوا چلا جاتا ہے)

یاشا :۔ گیارہ دونی بائیس مصیبتیں ـــــ بڑا ہی احمق آدمی ہے ـــــ بات باہر نہ جانے پائے۔ (جماہی لیتا ہے)

دونیاشا :۔ خدا کرے یہ اپنے کو شوٹ نہ کرے (وقفہ) مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے، میں ہر وقت کسی نہ کسی بات پر پریشان رہتی ہوں۔ جب میں یہاں صاحب اور بیگم صاحبہ کے پاس آئی تھی تو میں ایک چھوٹی سی بچی تھی اور اس وقت سے میں یہاں ہوں اور اب مجھے سیدھی سادی زندگی گزارنے کی عادت نہیں رہی ہے۔ دیکھو میرے ہاتھ کتنے سفید ہیں۔ عین مین رئیس زادیوں کے ہاتھوں کی طرح۔ اب میں بہت حساس اور نازک ہوگئی ہوں بالکل رئیس زادیوں کی طرح اور مجھے ہر چیز سے خوف محسوس ہوتا ہے ـــــ عجیب طرح کا خوف ـــــ اگر تم نے مجھے دھوکا دیا یاشا تو معلوم نہیں میرے دل کا کیا حال ہو جائے گا۔

یاشا :۔ (اسے پیار کرتا ہے) ننھے بگو گوشے ـــــ یاد رکھو ایک لڑکی کو اپنے اوپر پورا کنٹرول رکھنا چاہیے۔ ذاتی طور پر مجھے کوئی بات اتنی ناپسند نہیں جتنا کسی لڑکی کا ایک نامناسب حرکت کرنا۔

دونیاشا :۔ مجھے تم سے بے حد محبت ہے ـــــ بے انتہا ـــــ تم کتنے قابل ہو ـــــ تم ہر بات کو کتنی

اچھی طرح سمجھتے ہو تم ہر بات ثابت کرسکتے ہو۔

یاشا :۔ ہا۔ آآں ـــــ میرے نقطۂ نظر سے یہ بات اس طرح ہے ـــ اگر ایک لڑکی کسی مرد سے محبت کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اخلاقی طور پر گری ہوئی ہے۔ (وقفہ) کھلی ہوا میں سگار پینے میں کتنا لطف آتا ہے۔ (کان لگا کر سنتا ہے) کوئی اس طرف آرہا ہے ـــ گھر کی بیگمات اور حضرات۔ (دونیاشا محبت سے اس کے گلے میں باہیں ڈالتی ہے) ـــ اچھا اب گھر جاؤ ـــ اور یہ ظاہر کرو کہ تم دریا میں نہانے آئی تھیں ـــ دیکھو اس راستے سے جاؤ، ورنہ وہ لوگ تمہیں راستے میں مل جائیں گے۔ اور سوچیں گے کہ میں تم سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا ـــ میں اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا۔

دونیاشا :۔ (ہلکے سے کھانستی ہے) سگار کی بو سے میرے سر میں درد ہو گیا۔

(جاتی ہے)

(یاشا مزار پر بیٹھا رہتا ہے۔ اندریونا، گادیو اور لوپاخن داخل ہوتے ہیں)

لوپاخن :۔ اب ہمیں بہت جلد آخری فیصلہ کرنا ہو گا۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ دیکھیے میرا سوال بہت سیدھا سادا ہے۔ آپ کو بنگلے بنانے کے لیے اپنی زمین کرائے پر دینی منظور ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب آپ ایک لفظ میں دے سکتے ہیں ـــ "ہاں" ـــ یا ـــ "نہیں" ـــ صرف ایک لفظ میں

اندریونا :۔ یہ بدبودار سگار کون پی رہا تھا یہاں؟ ـــ (بیٹھ جاتی ہے)

گادیو :۔ ریلوے لائن قریب ہونے سے کتنی آسانی ہو گئی ہے ـــ (بیٹھ جاتا ہے) اب دیکھیے ہم یہاں موجود ہیں ـــ دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے ہم شہر گئے اور اب شام ہونے سے پہلے واپس گھر آگئے ـــ اور پھر میں نے بیچ کی جیب میں سُرخ گیند ڈھونڈی ـــ اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ گھر کے اندر جا کر بس ایک بازی اور کھیلوں۔

اندریونا :۔ ابھی تو بہت وقت باقی ہے۔

لوپاخن :۔ ایک منٹ ٹھہریے (منت سے) مہربانی سے میرے سوال کا جواب دے دیجیے۔

گادیو :۔ (جماہی لیتا ہے) کیا کہا تم نے؟

اندریونا :۔ (اپنے بٹوے کو دیکھتے ہوئے) کل تک میرے پاس کافی پیسے تھے ـــ لیکن اب قریب قریب سب ختم ہو چکے ہیں۔ بے چاری واریا کھانے پینے میں ہر ممکن کفایت کر رہی ہے۔ ہم لوگوں کو روز

دودھ کا سوپ کھانے کو ملتا ہے اور باورچی خانے کے سب نوکروں کو صرف سوکھے مٹر کھانا پڑتے ہیں ـــــ اور مجھے دیکھیے ـــــ بالکل بے وجہ روپیہ لٹا رہی ہو۔ معلوم نہیں کیوں؟ (اس کے ہاتھ سے بٹوہ گر جاتا ہے اور سونے کے سکّے چاروں طرف بکھر جاتے ہیں) اور اب میں نے یہ روبل چاروں طرف پھیلا دیے۔

(بہت پریشان اور الجھی ہوئی ہے)۔

یاشا :۔ محترمہ مجھے اجازت دیجیے۔ میں ابھی انھیں اٹھائے دیتا ہوں۔

(سکّے جمع کرتا ہے)

اندریونا :۔ شکریہ یاشا ـــــ معلوم نہیں میں باہر کھانا کھانے کیوں گئی تھی ـــــ تمہارا وہ ریسٹوران بھی کافی بیہودہ تھا، کس قدر خوفناک بینڈ تھا اور میز پوشوں میں سے صابن کی بو آرہی تھی۔ اور پھر اس قدر شراب پینے کی کیا ضرورت تھی لیونا ـــــ اس قدر کھانے کی ـــــ اور اتنا زیادہ بولنے کی ـــــ آج ریسٹوراں میں پھر تم نے بے تحاشا بولنا شروع کر دیا ـــــ اور وہ بھی بالکل بے کار اور غیر ضروری باتیں۔ اٹھارہ سو ستّر کے حالات اور انحطاط پذیر لوگوں کی باتیں ـــــ اور پھر وہ بھی کس سے ـــــ ہوٹل کے بیروں سے ـــــ ذرا سوچو، ان سے انحطاط پذیر طبقے کے بارے میں تبادلۂ خیالات کرنے کا کیا تُک تھا؟۔

لوپاخن :۔ ہاں واقعی کچھ عجیب سی بات تھی۔

گائیو :۔ (ہاتھ ہلاتے ہوئے) واقعی میرا مرض لاعلاج ہے۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہے۔ (یاشا سے الجھے ہوئے انداز میں) آخر تم کیوں ہر وقت میرے سامنے منڈلاتے رہتے ہو؟

یاشا :۔ (ہنستا ہے) آپ کی باتیں سن کر ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

گائیو :۔ (اپنی بہن سے) یا تو اسے یہاں سے دفع کرو ـــــ ورنہ پھر میں جاتا ہوں۔

اندریونا :۔ یاشا تم یہاں سے چلے جاؤ ـــــ جلدی کرو۔

یاشا :۔ (اندریونا کا بٹوہ اسے دیتا ہے) بس میں جاتا ہوں (ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرتا ہے) بس ابھی ابھی ـــــ (جاتا ہے)۔

لوپاخن :۔ آپ دریگانوف کو تو جانتے ہوں گے۔ بڑا مالدار آدمی ہے۔ سنا ہے کہ وہ آپ کی جائداد

خریدنا چاہتا ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہ نیلام کے وقت خود یہاں آئے گا۔

اندریونا :۔ تم نے یہ خبر کہاں سنی؟

لوپاخن :۔ شہر میں یہ بات چیت ہو رہی تھی۔

گاویو :۔ یاروسلاول سے ہماری پھوپی نے کچھ رقم بھیجنے کا وعدہ کیا ہے، لیکن وہ کب اور کتنی رقم بھیجیں گی یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔

لوپاخن :۔ وہ آپ کو کتنی رقم بھیجیں گی؟ — ایک لاکھ — یا شاید دو لاکھ۔

اندریونا :۔ نہیں اس کا تو کوئی سوال نہیں۔ شاید دس بارہ ہزار بھیج دیں۔ وہ بھی ان کا بڑا احسان ہوگا۔

لوپاخن :۔ اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے اس قدر کمزور، غیر کاروباری اور عجیب وغریب قسم کے لوگ زندگی بھر کہیں نہیں دیکھے۔ آپ کو بہت صاف الفاظ میں بتایا جا چکا ہے کہ آپ کی جائداد کا نیلام ہو رہا ہے، لیکن یہ چھوٹی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اندریونا :۔ لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ تم ہی بتاؤ — ہم کیا کریں؟

لوپاخن :۔ میں آپ کو یہ بات کئی بار بتا چکا ہوں۔ ہر روز یہی بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ اب آپ کو اپنا چیری کا باغ اور اس کے ساتھ والی زمین گرمی کے بنگلوں کے لیے کرائے پر دے دینی چاہیے۔ اور یہ کام آپ کو فوراً کرنا چاہیے۔ جتنی بھی جلدی ممکن ہو سکے کیوں کہ نیلام بہت جلد ہونے والا ہے۔ مہربانی سے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اگر ایک بار آپ اس زمین پر بنگلے بنوانے کا فیصلہ کر لیں تو پھر آپ جتنی رقم چاہیں قرض لے سکتے ہیں — پھر آپ بالکل آزاد ہوں گے۔

اندریونا :۔ گرمی کے بنگلے — اور ان کے مکین — معاف کرنا یہ تو بڑی غیر شائستہ سی بات ہے۔

گاویو :۔ مجھے تم سے پورا اتفاق ہے۔

لوپاخن :۔ بخدا مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں ابھی رو پڑوں گا یا چلّانے لگوں گا یا زمین پر گر کر بے ہوش ہو جاؤں گا۔ یہ سب اب میری برداشت سے باہر ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے تھکا کر چور کر دیا۔ (گاویو سے) بوڑھی عورت! — تم بالکل ایک بوڑھی عورت جیسے ہو۔

گاویو :- کیا کہا ؟

لوپاخن :- بوڑھی عورت !

اندریونا :- (گھبرا کر) نہیں نہیں خدا کے لیے ابھی نہ جاؤ عزیز من ۔ ذرا ٹھہرو ۔ ہو سکتا ہے کہ ہم کوئی ترکیب نکال سکیں ۔

لوپاخن :- اب اس کی کوئی امّید نظر نہیں آتی ۔

اندریونا :- نہیں نہیں تم ابھی نہ جاؤ ــــ عجیب بات ہے ، جب تم یہاں رہتے ہو تو فضا خوشگوار سی معلوم ہوتی ہے ۔ (وقفہ) مجھے ہر وقت کسی نامعلوم اور خوفناک حادثے کا کھٹکا لگا رہتا ہے ، مثلاً یہ کہ جیسے ہمارا گھر ہم پر گرنے والا ہے ۔

گاویو :- اور پھر میں نے پیچ کی جیب میں ڈھونڈا ــــ اور پھر .....

اندریونا :- ہم بہت گناہگار ہیں ۔

لوپاخن :- گناہگار ــــ واقعی ــــ لیکن آپ نے کیا گناہ کیے ہیں ؟

گاویو :- (مٹھائی کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے) لوگ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی دولت مٹھائی میں اڑا دی ۔ (ہنستا ہے) ۔

اندریونا :- آہ میرے گناہ ــــ ذرا دیکھو میں کس طرح ہر وقت روپے کو پانی کی طرح بہاتی رہتی ہوں ۔ اسے پاگل پن کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ۔ اور پھر میں نے ایک ایسے آدمی سے شادی کی جو صرف قرض لینا جانتا تھا اور جسے شراب پینے کی لت تھی ۔ شیمپین نے اس کا خاتمہ کیا ــــ اور پھر بدقسمتی دیکھیے کہ مجھے ایک اور شخص سے محبت ہو گئی اور جس وقت میرا اور اس کا معاشقہ چل رہا تھا عین اسی زمانے میں ــــ اور یہ میری پہلی سزا تھی جس نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیے ــــ عین اسی وقت میرا بچّہ اسی دریا میں ڈوب کر مر گیا اور پھر میں پردیس چلی گئی ۔ میرا خیال تھا کہ میں ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں اور کبھی واپس نہیں آؤں گی ــــ کبھی اس دریا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں گی ۔ میں نے اپنی آنکھوں پر جیسے پٹّی باندھ لی اور صدمے کی شدّت سے بیتاب ہو کر بہت دور نکل گئی ، لیکن وہ شخص میرے پیچھے پیچھے فرانس پہنچ گیا ۔ یہ اس کی بڑی ظالمانہ اور وحشیانہ حرکت تھی اور پھر مجھے مینٹون میں ایک بنگلہ خریدنا پڑا کیونکہ وہ وہاں جا کر بیمار پڑ گیا تھا اور پھر تین سال تک مجھے ایک منٹ کے لیے بھی چین

نہ مل سکا۔ وہ خود تو تھا ہی دائمی مریض۔ اس نے میری قوت بھی بالکل نچوڑ لی اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میری روح کے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔ اور پچھلے سال جب قرضہ چکانے کے لیے اس بنگلے کو بیچنا پڑا تو میں پیرس چلی آئی۔ وہاں اس نے میرا تمام روپیہ ہتھیا لیا اور پھر جا کر ایک اور عورت کے ساتھ رہنے لگا ـــــ اس کے بعد میں نے زہر کھانے کی کوشش کی۔ یہ سب باتیں کتنی حماقت آمیز اور شرمناک تھیں ـــــ اور پھر یکایک میرے دل میں روس واپس آنے کی شدید خواہش جاگ اٹھی۔ اپنے پیارے وطن اور اپنی پیاری بچی کے پاس آنے کی۔ (آنسو پونچھتی ہے) اے خدا ـــــ اے میرے خدا مجھ پر رحم کر ـــــ میرے گناہوں کو معاف کر ـــــ اور مجھے اور زیادہ سزا نہ دے (اپنی جیب سے ایک ٹیلی گرام نکالتی ہے) یہ آج ہی پیرس سے آیا ہے ـــــ اور وہ مجھ سے معافی مانگ رہا ہے اور مجھ سے واپس آنے کی درخواست کر رہا ہے۔ (ٹیلی گرام کو پھاڑ دیتی ہے) ـــــ معلوم ہوتا ہے کہیں دور سے گانے بجانے کی آواز آ رہی ہے۔ (سنتی ہے)۔

گاویو :- یہ ہمارا یہودیوں والا مشہور بینڈ ہے تمہیں یاد ہے نا جس میں چار وائلن، ایک فلوٹ اور ایک دف ہے۔

اندریونا :- اچھا تو یہ بینڈ اب تک موجود ہے تو پھر کیوں نہ انھیں کسی دن اپنے ہاں بلایا جائے۔ اچھا خیال ہے نا۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی ڈانس پارٹی کا بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔

لوپاخن :- (غور سے سنتا ہے) مجھے تو کوئی آواز نہیں آ رہی۔ (گاتا ہے)

لوگ کہتے ہیں کہ اہلِ جرمنی
روسیوں کو بھی بنا سکتے ہیں جب چاہیں فرینچ
ہاں مگر یہ شرط ہے اس کے لیے
آپ ان کو دیں کوئی اچھی رقم

(ہنستا ہے)

کل میں نے تھیٹر میں ایک بہت اچھا ڈرامہ دیکھا تھا۔ بہت دلچسپ تھا۔

اندریونا :- مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خاص دلچسپ نہیں ہوگا ـــــ میرا تو یہ خیال ہے کہ ڈرامے وغیرہ دیکھنے کے بجائے تمہیں چاہیے کہ اب اپنے آپ کو ذرا اچھی طرح دیکھو اور یہ سوچو کہ تم کس قسم کی

بے رنگ زندگی گزارتے ہو۔ کس قسم کی بیکار باتیں کرتے ہو۔

لوپاخن :۔ آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ ہم لوگ بڑی احمقانہ زندگی گزارتے ہیں۔ (وقفہ) میرے باپ ایک ٹھوٹ کسان تھے اور وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور انھوں نے مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ وہ تو بس شراب کے نشے میں دُھت ہو کر مجھے مارنا جانتے تھے اور وہ بھی ایک چھڑی سے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں خود بھی کافی بے وقوف اور ٹھوٹ قسم کا آدمی ہوں۔ کسی نے کبھی مجھے کچھ نہیں سکھایا۔ میری لکھائی تک بے حد خراب ہے ـــــ اور مجھے اپنی لکھی ہوئی کوئی چیز لوگوں کو دکھاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بندر[1] نے لکیریں کھینچ دی ہیں۔

اندریونا :۔ عزیز من! تمھیں اب شادی کر لینی چاہیے۔

لوپاخن :۔ جی ہاں ـــــ اس میں کوئی شک نہیں۔

اندریونا :۔ تمھیں ہماری واریا سے شادی کر لینی چاہیے۔ وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔

لوپاخن :۔ جی ہاں۔

اندریونا :۔ اس کے ماں باپ معمولی حیثیت کے لوگ تھے اور وہ بہت جفاکش لڑکی ہے۔ وہ تمام دن ان تھک کام کر سکتی ہے، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے اور تم بھی کافی عرصے سے اسے چاہتے ہو۔

لوپاخن :۔ ہاں ـــــ مجھے کوئی اعتراض نہیں ـــــ وہ کافی اچھی لڑکی ہے۔

گادیو :۔ مجھے بینک میں ایک نوکری مل رہی ہے۔ تنخواہ چھ ہزار روبل سالانہ ہے۔ تم نے یہ خبر سنی۔

اندریونا :۔ ہاں سنی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ تم جہاں ہو وہیں ٹھیک ہو۔

(فیرس ایک لمبا کوٹ لیے داخل ہوتا ہے)

فیرس :۔ (گادیو سے) مہربانی سے یہ کوٹ پہن لیجیے جناب۔ یہاں کافی سردی ہے۔

گادیو :۔ (کوٹ پہنتا ہے) تم کہیں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

---

[1] اصل ڈرامے میں یہاں سور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن چونکہ اردو میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس لیے یہاں بندر کا لفظ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فیرس ۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج آپ باہر گئے اور مجھے بتایا تک نہیں۔

(اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا ہے)

اندریونا ۔ تم کس قدر ضعیف ہوگئے ہو فیرس۔

فیرس ۔ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے بیگم صاحبہ؟

لوپاخن ۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ تم بہت ضعیف ہوگئے ہو۔

فیرس ۔ ہاں میں بہت عرصے زندہ رہ چکا ہوں۔ جس وقت میری شادی کی بات چلی تھی، اُس وقت تک آپ کے باپ پیدا نہیں ہوئے تھے اور جس وقت لوگوں کو آزادی ملی تو میں یہاں خاص خدمت گار بن چکا تھا، لیکن میں نے آزاد ہونے کے مقابلے میں اپنے صاحب اور بیگم صاحبہ کے ساتھ ٹھہرنا پسند کیا۔ (وقفہ) ـــــ مجھے یاد ہے کہ اس وقت ہر ایک خوش تھا ـــــ لیکن وہ سب لوگ خوش کس بات پر تھے یہ تو صرف خدا ہی جانتا ہے۔

لوپاخن ۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ بہت اچھا زمانہ تھا۔ اور لوگوں کی پٹائی بھی خوب ہوتی تھی۔

فیرس ۔ (اس کی بات سنے بغیر) اس وقت کسان جاگیرداروں سے بہت قریب تھے اور جاگیردار کسانوں سے، لیکن اب سب الگ الگ ہیں اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔

گادیو ۔ فیرس اب تم چپ رہو۔ کل مجھے شہر جانا ہے۔ مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ کسی جنرل سے میرا تعارف کرایا جائے گا، جو اقرارنامے کی بنیاد پر ہمیں کچھ روپیہ قرض دے دے گا۔

لوپاخن ۔ میرے خیال میں تو یہ وعدہ پورا ہی نہیں ہوگا اور اگر ہو بھی گیا تو بھی آپ اُس روپے سے سود کی رقم ہرگز ادا نہ کرسکیں گے۔

اندریونا ۔ یہ سب تو ان کا تخیل ہے۔ کسی ایسے جنرل کا وجود ہی نہیں ہے۔

(تروفی موف، آنیا اور واریا داخل ہوتے ہیں)

گادیو ۔ دیکھو وہ بچے آرہے ہیں۔

آنیا ۔ اچھا ممی آپ یہاں ہیں۔

اندریونا ۔ آؤ، آؤ میرے پیارے بچو! (آنیا اور واریا کو گلے لگاتی ہے) کاش کہ تم جان سکتیں کہ میں تم دونوں کو کتنا چاہتی ہوں۔ آؤ یہاں میرے پاس بیٹھو۔

(سب بیٹھ جاتے ہیں)

لوپاخن :۔ ہمارے دائمی طالب علم ہمیشہ نوجوان خواتین کے ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔

تروفی موف :۔ بہر حال تمہیں دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔

لوپاخن :۔ بہت جلد یہ پچاس سال کے ہوجائیں گے، لیکن ہیں ابھی یہ طالب علم ہی۔

تروفی موف :۔ مہربانی سے اپنے احمقانہ مذاق بند کرو۔

لوپاخن :۔ لیکن اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا بات ہے۔ تم واقعی عجیب آدمی ہو۔

تروفی موف :۔ تم کیوں ہر وقت میرے پیچھے پڑے رہتے ہو۔

لوپاخن :۔ (ہنستا ہے) بس میرے ایک سوال کا جواب دو — تمہاری میرے بارے میں کیا رائے ہے۔؟

تروفی موف :۔ یرمولائی الکسی ورچ میری تمہارے بارے میں یہ رائے ہے کہ تم ایک مالدار آدمی ہو اور بہت جلد کروڑ پتی بننے والے ہو اور جس طرح وہ خونخوار درندہ ضروری ہوتا ہے جو چھوٹے چھوٹے جانوروں کو نگل جاتا ہے اور ایک قسم کے مادّے کو دوسری قسم کے مادّے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح تم بھی ضروری ہو۔

(سب ہنستے ہیں)

واریا :۔ اب تم ہمیں سیّاروں کی باتیں سناؤ پیتیا۔

اندریونا :۔ نہیں نہیں کل کی بات چیت کو جاری رکھا جائے۔

تروفی موف :۔ کل ہم کس موضوع پر باتیں کر رہے تھے؟

اندریونا :۔ "غرور" کے موضوع پر۔

تروفی موف :۔ اس مسئلے پر کل ہماری کافی بحث ہوئی لیکن ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے اور ایک دوسرے سے اتفاق نہ کر سکے۔ آپ کے نقطۂ نظر سے تو "غرور" میں بھی ایک روحانیت اور گہرے معنی پنہاں ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی خاص علمی نقطۂ نظر سے آپ کی بات ٹھیک ہو۔ لیکن اگر ہم اس مسئلے کو دقیق اور دور افتادہ بنائے بغیر ایک سیدھے سادے طریقے سے اس پر غور کریں تو یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ آخر انسان کو مغرور ہونے کا کیا حق ہے؟

جب کہ نسلِ انسانی جسمانی طور پر کافی کمزور اور لاچار ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ انسانوں کی اکثریت بیوقوف، ناشائستہ، غیر مطمئن اور الم رسیدہ ہے ـــــ ہمیں اب خود تعریفی کا یہ سلسلہ ختم کر دینا چاہیے ـــــ اور صرف کام کرنا چاہیے۔

گاویو :- جو شخص کام نہیں کرتا وہ بھی مرتا ہے اور جو کام کرتا ہے وہ بھی مر جاتا ہے۔

تروفی موف :- کون کہہ سکتا ہے ـــــ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ موت کی نوعیت کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان ایک سو حسوں کا مالک ہو، جن میں سے پانچ حسیں، جن سے ہم واقف ہیں موت سے ختم ہو جاتی ہوں لیکن باقی پچانوے حسیں باقی رہتی ہوں۔

اندریونا :- تم کتنے ذہین اور ہوشیار ہو بھتیا!

لوپاخن :- (طنز سے) واقعی ـــــ اس میں کیا شک ہے؟

تروفی موف :- نسلِ انسانی ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہی ہے۔ اور اپنی صلاحیتوں کی تکمیل کی کوشش کرتی رہی ہے اور ایک ایسا دن آئے گا۔ جب انسان ہر بات سمجھنے لگے گا اور ہر اس چیز کو حاصل کر سکے گا جو آج اس کی پہنچ سے باہر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے ہمیں دل و جان سے کام کرنا ہو گا اور ان لوگوں کی مدد کرنی ہو گی جنھوں نے اپنی زندگی سچائی کی تلاش کے لیے وقف کر دی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جنھوں نے اصل معنوں میں کام کرنا شروع کیا ہو۔ نام نہاد تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ ـــــ جہاں تک میں جانتا ہوں ـــــ کوئی کام نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں کام کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ ان کے سامنے کوئی اعلیٰ مقاصد ہیں۔ وہ اپنے کو تعلیم یافتہ ضرور کہتے ہیں، لیکن وہ اپنے نوکروں سے نفرت سے بات کرتے ہیں۔ کسانوں سے جانوروں جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ کبھی کچھ پڑھتے بھی ہیں تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ وہ کبھی کوئی سنجیدہ کتاب نہیں پڑھتے۔ مختصر یہ کہ وہ کچھ نہیں کرتے۔ جہاں تک سائنس کا سوال ہے تو وہ صرف اس کے بارے میں بات کرتے ہیں اور ادب اور فنونِ لطیفہ کے بارے میں ان کی واقفیت اور بھی زیادہ واجبی ہے۔ دیکھنے میں وہ سب بڑے سنجیدہ اور گہرے معلوم ہوتے ہیں۔ ہر وقت وہ کسی "اہم مسئلے" پر گفتگو کرتے ہوئے یا فلسفہ چھانٹتے ہوئے

پائے جاتے ہیں۔ دوسری طرف ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے عوام کا کیا حال ہے۔ مزدوروں کو نہ کچھ کھانے کو ملتا ہے اور نہ ان کے رہنے اور سونے کا کوئی معقول انتظام ہے۔ بعض مرتبہ تو تیس یا چالیس آدمیوں کو ایک کمرے میں سونا پڑتا ہے اور پھر اس کھٹمل، سیلن اور بدبو ____ نتیجے کے طور پر ہر طرف بدکاری کا دَور دورہ ہے۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ حسین و دل فریب باتوں کا مقصد دوسروں کو اور خود اپنے کو دھوکا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اگر آپ کا خیال ہے کہ میں مبالغے سے کام لے رہا ہوں تو یہ بتائیے کہ وہ سب بالک گھر، کتب خانے اور دارالمطالعے کہاں ہیں جن کے بارے میں ہم ہر وقت باتیں کرتے رہتے ہیں، صرف ہمارے ناول ان سے بھرے پڑے ہیں، لیکن حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ حقیقت پر نظر کیجیے تو آپ کو صرف گندگی، درندگی اور فرسودہ ایشیائی روایات ملیں گی ____ مجھے تو ان سنجیدہ مُردنی چھائے ہوئے چہروں سے وحشت ہونے لگی ہے۔ میں انھیں بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ مجھے سنجیدہ گفتگو سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ ہم لوگ خاموش رہا کریں۔

لوپاخن:۔ دوستو! میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں ہر روز صبح ساڑھے چار بجے اٹھتا ہوں اور رات تک کام کرتا رہتا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ہمیشہ کافی پیسہ رہتا ہے ____ اپنا بھی ____ اور دوسروں کا بھی ____ اور مجھے اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو جاننے اور سمجھنے کے کافی موقعے ملتے رہتے ہیں۔ آپ کوئی بھی کام شروع کریں اس بات کا احساس بہت جلد ہو جاتا ہے کہ یہاں معقول اور ایماندار لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ بعض دفعہ جب میری نیند اڑ جاتی ہے تو میں سوچنا شروع کر دیتا ہوں کہ خدا نے ہمیں اتنے بڑے بڑے جنگل اور طویل و عریض کھیت دیے ہیں۔ امکانات کی ایک دنیا ____ اور سر پر وسیع نیلا آسمان جس کے کنارے ہماری دھرتی سے مل گئے ہیں۔ ہم لوگوں کو تو جنوں کی طرح طاقت ور ہونا چاہیے تھا ایسے ملک میں رہتے ہوئے بھی اگر ....

اندریونا:۔ آخر اس زندگی میں جنوں کی کیا ضرورت ہے؟ انھیں تو بس پریوں کی کہانیوں تک ہی محدود رہنے دو۔ اصل زندگی میں تو ایسے لوگوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

(یاپی ہودوف اسٹیج کے پچھلے حصے سے گٹار بجاتا ہوا گزرتا ہے)

اندریونا :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) اور یہ ہیں ہمارے یاپی ہودوف۔

آنیا :۔ (سوچتے ہوئے) اور یہ ہیں ہمارے یاپی ہودوف۔

گاویو :۔ خواتین و حضرات سورج غروب ہوچکا ہے۔

تروفی موف :۔ ہاں۔

گاویو :۔ (نرم آواز میں جیسے کوئی نظم پڑھ رہا ہو) اے حسین فطرت، تو کہ ایک ازلی روشنی سے جگمگا رہی ہے، لیکن تو انسان کی قسمت کی طرف سے کس قدر بے نیاز ہے ـــــ تو جسے ہم ماں کہتے ہیں، تو جس میں زندگی اور موت کے دھارے آکر ملتے ہیں۔ تو زندہ بھی ہے اور تخریب کی طرف مائل بھی۔

واریا :۔ (تنبیہی انداز میں) پیارے ماموں!

آنیا :۔ دیکھیے ماموں جان! آپ نے پھر وہی باتیں شروع کردیں۔

تروفی موف :۔ میرے خیال میں آپ لال ہری گیندیں ڈھونڈنے کا کھیل پھر شروع کردیجیے۔

گاویو :۔ میں اب خاموش رہوں گا ـــــ میں اب خاموش رہوں گا۔

(اب سب لوگ کسی گہری سوچ میں گم ہیں۔ صرف فیرس کے آہستہ آہستہ بدبدانے کی آواز اس خاموشی کو توڑ رہی ہے۔ یکایک دور سے ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے یہ آواز آسمان سے آئی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یکایک کسی تار کے ٹوٹ جانے کی آواز ہے، جو آہستہ آہستہ ایک الم انگیز انداز میں فضا میں گم ہوجاتی ہے)۔

اندریونا :۔ یہ کیسی آواز تھی؟

لوپاخن :۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ کہیں بہت دور کسی کان میں شاید بجلی کا کوئی تار ٹوٹا ہے ـــــ لیکن کہیں بہت دور۔

گاویو :۔ یا شاید کوئی پرندہ ہو ـــــ شاید کوئی بگلا ہو۔

تروفی موف :۔ یا کوئی اُلّو۔

اندریونا :۔ (کانپتے ہوئے) بڑی پریشان کن آواز تھی۔

فیرس :۔ مصیبت نازل ہونے سے پہلے بھی یہی ہوا تھا۔ اسی طرح اُلّو بولا تھا اور سماوار میں چائے کا پانی گنگناتا رہا تھا۔

گاویو :۔ کون سی مصیبت ؟

فیرس :۔ جب ہمیں آزادی ملی تھی۔ (وقفہ)

اندریونا :۔ چلو عزیزو اور دوستو! اب گھر چلتے ہیں۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔ (آنیا سے) کیا بات ہے میری پیاری بچّی ــــــ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں؟ (اس کو گلے لگاتی ہے)

آنیا :۔ کوئی بات نہیں ماما، آپ پریشان نہ ہوں۔

تروفی موف :۔ کوئی اِدھر آ رہا ہے۔

(ایک آوارہ گرد داخل ہوتا ہے جس نے ایک پھٹی پرانی سفید ٹوپی اور لمبا کوٹ پہن رکھا ہے اور جو کچھ نشے میں مست معلوم ہوتا ہے)

آوارہ گرد :۔ معاف کیجیے گا، کیا میں اس طرف سے سیدھا اسٹیشن جا سکتا ہوں۔

گاویو :۔ ہاں بس اسی سڑک پر سیدھے اسٹیشن چلے جاؤ۔

آوارہ گرد :۔ آپ کا بہت بہت شکریہ جناب (کھانستا ہے) کتنا اچھا موسم ہے۔ (نظم پڑھتا ہے) میرے بھائی ــــــ میرے الم نصیب بھائی ــــــ آؤ ــــــ اور اپنی ماں "وولگا" کے دامن میں پناہ لو ــــــ جس کی آہیں ــــــ (واریا سے) نوجوان خاتون کیا آپ ایک بھوکے روسی کو چند سکّے دینے کی تکلیف گوارا کریں گی ؟

(واریا خوف سے چلّاتی ہے)

لوپاخن :۔ (غصّے سے) واقعی ہر چیز کی ایک حد ہونی چاہیے۔

اندریونا :۔ (پریشانی کے عالم میں) اچھا بھئی لو ــــــ یہ لو ــــــ (اپنے بٹوے میں ڈھونڈتی ہے) ــــــ اس وقت میرے پاس چاندی کا کوئی سکّہ نہیں ہے ــــــ خیر کوئی بات نہیں ــــــ

لو یہ ایک سونے کا سکّہ۔

آوارہ گرد :۔ میں تہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں۔ (جاتا ہے)

(سب ہنستے ہیں)

واریا :۔ (ڈری ہوئی ہے) میں جا رہی ہوں ——— میں جا رہی ہوں ——— آہ پیاری ماما آپ کو معلوم ہے اس وقت گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے اور آپ نے اسے ایک سونے کا سکّہ دے دیا۔

اندریونا :۔ مجھ جیسی بیوقوف عورت سے تم اور کیا امید کر سکتی تھیں ——— خیر کوئی بات نہیں۔ گھر جا کر میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ میں تمہیں دے دوں گی ——— یرمولائی الکسی وچ تم مجھے کچھ اور روپیہ قرض دے سکتے ہو؟ امید ہے کہ تم انکار نہیں کرو گے۔

لوپاخن :۔ جی ہاں ضرور۔

اندریونا :۔ چلو اب چلتے ہیں۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔ ہاں اس پر یاد آیا واریا کہ ہم نے تمہاری شادی کی بات تقریباً پکّی کر لی ہے۔ میں تمہیں مبارک باد دیتی ہوں۔

واریا :۔ (جس کی آنکھوں میں آنسو ہیں) یہ تو کوئی مذاق کی بات نہیں ماما۔

لوپاخن :۔ "اودھ ملیا تم کسی خانقاہ میں چلی جاؤ"[1]

گاویو :۔ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ میں نے ایک مدّت سے بلیرڈ نہیں کھیلا۔

لوپاخن :۔ "اودھ ملیا ——— اے حسِین پری ——— اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھنا"

اندریونا :۔ چلو بھئی اب جلدی چلنا چاہیے ——— شام کے کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔

واریا :۔ اس شخص نے مجھے بالکل ڈرا دیا۔ اب تک میرا دل دھڑک رہا ہے۔

لوپاخن :۔ دوستو! ایک بات سن لیجیے ——— صرف ایک بات۔ ۲۲ اگست کو چیری کا باغ نیلام ہونے والا ہے۔ اس مسئلے پر غور کیجیے ——— خدا کے لیے اس مسئلے پر غور کیجیے۔

---

[1] نوٹ: لوپاخن کا اشارہ شیکسپیر کے ڈرامے "ہملیٹ" کے ایک مکالمے کی طرف ہے لیکن اس کی ہیروئن کا نام اوفیلیا ہے۔ لوپاخن اس کا نام غلط لیتا ہے کیوں کہ وہ زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہے۔

(تروفی موف اور آنیا کے علاوہ سب لوگ چلے جاتے ہیں)

آنیا: (ہنستی ہے) ہمیں اس آوارہ گرد کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے واریا کو سہما دیا۔ اب ہم لوگ تنہا ہیں۔

تروفی موف: واریا ڈرتی ہے۔ اسے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہم دونوں یکا یک ایک دوسرے سے عشق نہ کرنے لگیں۔ اس لیے وہ ہر جگہ ہمارا پیچھا کرتی ہے ـــــ وہ کس قدر تنگ نظر ہے۔ وہ یہ بات بالکل نہیں سمجھ سکتی کہ ہم لوگ ذاتی عشق سے بالاتر ہیں۔ ہمارا نصب العین تو مکمل آزادی اور حقیقی خوشی ہے جس کے لیے ہمیں اتھلی اور بے حقیقت چیزوں سے دامن بچانا ہوگا اور اپنے کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھنا ہوگا۔ چلو ہم اس تابناک ستارے کی طرف قدم سے قدم ملا کر چلیں، جو بہت دور اُفق پر چمک رہا ہے ـــــ ہاں بڑھے چلو ـــــ راستے کی کاوشوں سے ہمت نہ ہارو۔

آنیا: (ہاتھ اوپر اٹھاتی ہے) تم اپنی بات کتنے حسین انداز میں کہتے ہو۔ (وقفہ) اس وقت فضا کتنی خوشگوار ہے۔

تروفی موف: ہاں موسم بے حد خوشگوار ہے۔

آنیا: تم نے مجھے کتنا بدل دیا ہے پیتیا ـــــ آخر کیوں اب میں چیری کے باغ سے اتنی محبت نہیں کرتی ـــــ پہلے مجھے اس سے کتنی محبت تھی، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ اس چیری کے باغ سے بہتر دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

تروفی موف: تمام روس ہمارا باغ ہے۔ دنیا کتنی عظیم اور حسین ہے اور اس میں کیسے کیسے حسین اور حیرت ناک مناظر اور مقامات ہیں۔ (وقفہ) ـــــ ذرا سوچو تو آنیا، تمہارے نانا، پرنانا سب تعلقہ دار تھے اور کھیتوں میں کام کرنے والے ان کے غلام تھے ـــــ ذرا سوچو وہ زندہ لوگوں کی روحوں کے مالک تھے۔ کیا تمہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس باغ کے ہر درخت سے انسانی آنکھیں تمہیں تک رہی ہیں ـــــ ہر تنے اور ہر پتی سے ـــــ کیا تمہیں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی ـــــ وہ زندہ روحوں کے مالک تھے۔ اور اس حقیقت نے تم سب کی شخصیتوں کو مسخ کر دیا ہے۔ ان سب کی بھی جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور

ان لوگوں کی بھی جو اس وقت زندہ ہیں ــــ دیکھو تمہاری ماں ــــ ماموں ــــ اور خود تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ تم لوگ اس وقت قرضے پر زندگی گزار رہے ہو اور دوسروں کے وسائل پر زندہ ہو۔ ایسے لوگوں کے وسائل پر جنھیں تم باورچی خانے سے آگے آنے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔ ہم لوگ کم سے کم وقت سے دو سو سال پیچھے ہیں۔ ہمارا کوئی معقول پس منظر نہیں ہے اور ہم اپنے ماضی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم صرف فلسفہ چھانٹتے رہتے ہیں، اپنی پریشانیوں کا رونا روتے رہتے ہیں۔ یا پھر ووڈکا پیتے رہتے ہیں ــــ لیکن یہ بات صاف ہے کہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم حال کی حقیقت میں زندہ رہیں تو اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں اپنے ماضی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور اسے ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہنا ہوگا، لیکن صرف گہرے درد وغم اور اَن تھک محنت ہی سے ان گناہوں کا کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے ــــ آنیا تمہیں یہ سب سمجھنا چاہیے۔

آنیا:۔ ہم جس گھر میں رہتے ہیں اس پر ایک مدت سے ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں اب اس گھر کو چھوڑ دوں گی ــــ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں۔

تروفی موف:۔ ہاں اس گھر کو چھوڑ دو۔ اور اگر تمہارے پاس اس کی چابیاں ہوں تو انھیں کسی گہرے کنویں میں ڈال دو۔ تمہیں بادِ صبا کی طرح آزاد ہونا چاہیے۔

آنیا:۔ (سر دھنتے ہوئے) تم کتنی خوب صورتی سے ہر بات کہتے ہو۔

تروفی موف:۔ آنیا تمہیں میری بات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے ــــ میری عمر ابھی تیس سال سے کم ہے۔ میں ابھی جوان ہوں اور ابھی تک طالبِ علم ہوں، لیکن میں نے اپنی اس مختصر زندگی میں بہت سے درد وغم سہے ہیں۔ سردی شروع ہوتے ہی میں نیم فاقہ کشی کی وجہ سے بیمار پڑ جاتا ہوں اور طرح طرح کی پریشانیاں مجھے گھیر لیتی ہیں۔ قسمت مجھے کہاں کہاں کھینچ کر لے گئی ہے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہمیشہ دن اور رات کے ہر لمحے میں میری رُوح نے حسین خواب دیکھے ہیں اور حیرت انگیز امیدوں کے دیپ جلائے ہیں ــــ مجھے اب بھی مسرت اپنے سامنے نظر آرہی ہے ــــ وہ دیکھو ــــ میں اسے اپنی طرف آتے دیکھ سکتا ہوں۔

آنیا :۔ (سوچ میں غرق ہے) چاند نکل رہا ہے۔

(یا پی ہودوف کے گٹار بجانے کی آواز آتی ہے۔ وہ ایک اداس دھن بجا رہا ہے۔ جو اس نے پہلے بجائی تھی۔ چاند نکل آیا ہے سفیدے درختوں کی قطار کے قریب واریا، آنیا کو ڈھونڈ رہی ہے۔ وہ پکار رہی ہے۔ "آنیا تم کہاں ہو؟")

تروفی موف :۔ ہاں چاند نکل رہا ہے۔ (وقفہ) دیکھو مسرت وہ ہے۔ وہ ہر لمحے ہم سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہے ــــــ اور اگر ہم اسے نہ بھی دیکھ سکیں اور یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ وہ کب ہماری دنیا پر چھا جائے گی۔ تو بھی کیا پرواہ ہے اور لوگ تو اس سے ہمکنار ہوں گے۔

واریا کی آواز :۔ آنیا تم کہاں ہو؟

تروفی موف :۔ افوہ یہ واریا پھر آگئی (غصے سے) کس قدر قابل نفرت حرکت ہے۔

آنیا :۔ کیا ــــ چلو دریا کی طرف چلیں ــــ وہاں فضا زیادہ خوشگوار ہے۔

(تروفی موف اور آنیا چلے جاتے ہیں)

واریا کی آواز :۔ آنیا ــــ آنیا۔

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ

رانوسکایا کے گھر کا ڈرائنگ روم اس سے ملا ہوا ایک بال روم ہے۔ دونوں کے درمیان ایک محراب ہے۔ یہودیوں کا وہ بینڈ جس کا ذکر دوسرے ایکٹ آیا تھا۔ ہال میں گرینڈ راؤنڈ ناچ کی دھن بجا رہا ہے۔ بال روم میں لوگ ڈانس کر رہے ہیں۔ شام کا وقت ہے۔ فانوسوں میں شمعیں روشن ہیں۔ سمینوف پشک کی آواز آتی ہے۔ PROMENADE A UNE PATRE اور اس کے ساتھ ہی وہ سب لوگ ناچتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آتے ہیں۔ سب سے آگے سمینوف پشک اور شارلوٹا کا جوڑا ہے۔ اس کے بعد اندریونا اور تروفی موف۔ آنیا پوسٹ آفس کے ایک کلرک کے ساتھ آتی ہے اور واریا اسٹیشن ماسٹر کے ساتھ ہے اور اسی طرح باقی جوڑے بھی آتے ہیں۔ واریا خاموشی سے رو رہی ہے اور ناچتے ہوئے آنسو پونچھتی جاتی ہے۔ دونیاشا آخری جوڑے میں ہے۔ وہ ڈرائنگ روم کا ایک چکر لگاتے ہیں۔ پشک بلند آواز میں کہتا ہے۔ GRAND 2ES CAVALICRS اور اس کے بعد ROND BLACEZ!۔

A GENOUXET REMERCIEZ VOSDANCES'

اس کے بعد سب جوڑے ناچتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر
چلے جاتے ہیں۔
فیرس داخل ہوتا ہے۔ اس نے ایک ٹیل کوٹ پہن رکھا ہے
وہ ایک کشتی پر سوڈے کی بوتلیں رکھے ہوئے ڈرائنگ روم سے
گزرتا ہے ـــــ پشک اور تروفی موف دوبارہ ڈرائنگ
روم میں داخل ہوتے ہیں)۔

پشک :- مجھے ہائی بلڈ پریشر کی شکایت رہتی ہے اور تمھیں معلوم ہی ہوگا کہ دو بار فالج کے حملے بھی ہو چکے ہیں۔ اس لیے میرے لیے ناچنا کافی مشکل ہے، لیکن اگر کتوں کے غول کے ساتھ چلنا پڑے تو دم تو ہلانا ہی پڑتا ہے۔ اگر آپ بھونک نہ سکیں تو دوسری بات ہے۔ ویسے تو میں ایک گھوڑے کی طرح مضبوط ہوں۔ والد مرحوم کو خدا انھیں جنت نصیب کرے ـــــ یہ مذاق بہت پسند تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے اس قدیم خاندان کا جدِ اعلیٰ اصل میں وہ گھوڑا تھا جس پر بیٹھ کر ”کالی گلا“ دریا میں داخل ہوا تھا۔ (بیٹھ جاتا ہے) لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم لوگوں کے پاس روپیہ بالکل نہیں ہے اور ایک بھوکا کتا بس کھانے ہی کی فکر کر سکتا ہے۔ (سو جاتا ہے اور خراٹے لینا شروع کر دیتا ہے لیکن پھر فوراً ہی جاگ جاتا ہے) بس یہ سمجھ لیجیے کہ بالکل میری طرح سوائے روپے کے میں اور کوئی بات نہیں سوچ سکتا۔

تروفی موف :- اس میں شک نہیں ـــــ تمھاری ساخت بھی کچھ کچھ گھوڑے سے ملتی جلتی ہے۔

پشک :- بہر حال گھوڑا بڑا اچھا جانور ہے۔ تم ایک گھوڑے کو بیچ سکتے ہو۔
(برابر کے کمرے سے کسی کے بلیرڈ کھیلنے کی آواز آ رہی ہے۔
واریا بال روم کے دروازے کے قریب نظر آتی ہے)

تروفی موف :- (اسے چڑاتے ہوئے) بیگم لوپاخن ـــــ بیگم لوپاخن۔

واریا :- (غصے سے) دیمک لگے ہوئے آدمی۔

تروفی موف :- ہاں میں دیمک لگا ہوا آدمی ہوں اور مجھے اس پر ناز ہے۔

واریا :- (پریشانی کے انداز میں) ہم نے اس بینڈ کو کرائے پر بلا تو لیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ

اس رقم کی ادائیگی کیسے ہوگی۔

تروفی موف :۔ وہ تمام قوت جو تم نے سود کی ادائیگی کے لیے روپیہ جمع کرنے میں صرف کی ہے اگر وہی محنت کسی اور کام کے لیے استعمال ہوتی تو شاید تم اب تک تمام دنیا کو بدل چکے ہوتے۔

پشک :۔ نطشے نے، جو دنیا کا سب سے عظیم اور مشہور فلسفی ہے اور جو ذہنی طور پر عظیم ترین انسان تھا ـــــ ایک جگہ کہا ہے کہ جعلی بینک نوٹ بنانا جائز ہے۔

تروفی موف :۔ اچھا تو تم نے نطشے کا مطالعہ کیا ہے۔

پشک :۔ نہیں میں نے خود تو اس کی کتابیں نہیں پڑھیں، واشنکا نے مجھے بتایا تھا، لیکن اس وقت میں اس قدر مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں کہ جعلی نوٹ بنانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ پرسوں تک مجھے تین سو بتیس روبل ادا کرنے ہیں، جن میں سے ایک سو تیس تو میں قرض لے چکا ہوں ـــــ (اپنی جیب ٹٹولتا ہے) ارے جیب میں تو وہ نہیں ہے۔ ہائے وہ روپیہ کھو گیا۔ (آنسو بھر کر) ارے وہ روپیہ کہاں ہے (خوشی بھرے لہجے میں) ارے وہ تو یہاں ہے، استر کی تہہ میں ـــــ افوہ خوف سے مجھے پسینہ آ گیا۔

(اندریونا اور شارلوٹا داخل ہوتی ہیں۔ اندریونا آہستہ آہستہ ناچ کی ایک دھن گنگنا رہی ہے)۔

اندریونا :۔ لیونڈ اب تک کیوں نہیں آئے۔ آخر وہ شہر میں کیا کر رہے ہیں؟ (دونیاشا سے) دونیاشا بینڈ بجانے والوں کو چائے پیش کرو۔

تروفی موف :۔ میرا خیال ہے کہ آج نیلام نہیں ہوا۔

اندریونا :۔ بینڈ غلط وقت پر پہنچا ـــــ اور پارٹی غلط وقت پر شروع ہوئی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ (بیٹھ کر آہستہ آہستہ گنگناتی ہے)۔

شارلوٹا :۔ (پشک کو ایک تاشوں کی گڈی دیتی ہے) لو یہ تاش کی گڈی ہے۔ اب تم اپنے دل میں ایک کارڈ سوچ لو۔

پشک :۔ میں نے سوچ لیا۔

شارلوٹا :۔ اب پتوں کو اچھی طرح پھینٹ لو۔ بس ٹھیک ہے لاؤ اب یہ مجھے دے دو ـــــ

چھومنتر ـــــ چھومنتر ـــــ میرے عزیز اور محترم پشک۔ اچھا اب اپنا کارڈ دیکھو ـــــ وہ اس وقت تمھارے کوٹ کی جیب میں ہے۔

پشک:۔ (کوٹ کی جیب سے کارڈ باہر نکالتا ہے) حکم کا اٹھا ـــــ بالکل ٹھیک۔ (حیرت سے) واقعی کمال ہے۔

شارلوٹا:۔ (اپنے ہاتھ پر تاشوں کی گڈی رکھ کر تروفی موف سے) اچھا اب جلدی سے بتاؤ کہ سب سے اوپر کون سا کارڈ ہے؟

تروفی موف:۔ ہیں ـــــ اچھا یوں سمجھ لو کہ حکم کی بیگم ہے۔

شارلوٹا:۔ لو یہ رہی ـــــ (اپنا دوسرا ہاتھ گڈی پر مارتی ہے، گڈی غائب ہو جاتی ہے) آج موسم کتنا سہانا ہے۔

(ایک عورت کی آواز آتی ہے جو معلوم ہوتا ہے زمین کے
نیچے سے بول رہی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے" واقعی محترمہ موسم
بے حد خوشگوار ہے")

شارلوٹا:۔ (اس آواز کو مخاطب کرتے ہوئے) تم کتنی اچھی اور من موہنی ہو۔

آواز:۔ "مجھے بھی آپ بہت پسند ہیں محترمہ"

اسٹیشن ماسٹر:۔ (تالی بجاتے ہوئے) محترمہ ـــــ بہترین ـــــ بہت خوب۔

پشک:۔ (حیرت سے) واقعی کمال ہے۔ شارلوٹا اوانونا۔ تم واقعی دلربا ہو مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تم سے عشق کرنے لگا ہوں۔

شارلوٹا:۔ (شانے ہلا کر) تمھیں معلوم بھی ہے کہ عشق کس چڑیا کا نام ہے؟

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکل ہا

تروفی موف:۔ (پشک کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے) واہ رے میرے گھوڑے۔

شارلوٹا:۔ خواتین وحضرات! توجہ فرمائیے، بس ایک تماشہ اور ہے۔ (کرسی پر سے ایک چھوٹا سا قالین اٹھاتی ہے) یہ بڑا اچھا قالین بکاؤ ہے۔ (اس کو ہلاتی ہے) کوئی خریدنا چاہتا ہے؟

پشک:۔ (حیرت سے) واقعی کمال ہے!

شارلوٹا:۔ چھو منتر ـــــ چھو منتر۔

(قالین ہٹاتی ہے۔ اس کے پیچھے سے آنیا برآمد ہوتی ہے۔ آنیا کورنش بجالاتی ہے اور پھر دوڑ کر اپنی ماں کے گلے سے لپٹ جاتی ہے اور پھر بال روم کی طرف بھاگ جاتی ہے۔ ہر شخص بہت خوش نظر آرہا ہے)۔

اندریونا:۔ زندہ باد ـــــ زندہ باد۔

شارلوٹا:۔ بس ایک اور۔ چھو منتر ـــــ چھو منتر۔

(قالین اٹھاتی ہے۔ اس کے پیچھے واریا کھڑی ہے جو جھک کر سلام کرتی ہے)۔

پشک:۔ (حیرت سے) واقعی کمال ہے!

شارلوٹا:۔ بس تماشہ ختم۔

(قالین پشک کی طرف پھینکتی ہے۔ جھک کر سب کو سلام کرتی ہے اور بال روم کی طرف بھاگ جاتی ہے)۔

پشک:۔ (اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے) شیطان کہیں کی ـــــ حد ہے ـــــ کیا آپ نے کبھی کوئی ایسی بات دیکھی ـــــ انتہا ہے (باہر جاتا ہے)

اندریونا:۔ اب تک لیونڈ کا پتہ نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اب تک شہر میں کیا کر رہے ہیں۔ اس وقت تو بہرحال کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ یا تو جاگیر بک چکی ہوگی۔ یا پھر نیلام ہی نہیں ہوا ہوگا۔ آخر اتنی دیر تک ہم لوگوں کو اس الجھن میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

واریا:۔ (اسے تسلی دیتے ہوئے) مجھے یقین ہے کہ ماموں جان نے ـــــ ہمارے پیارے ماموں جان ہی نے جاگیر کو خرید لیا ہوگا۔

تروفی موف:۔ (طنز سے) اس میں کیا شک ہے۔

واریا:۔ کاونٹس نانی نے انھیں ان کے نام پر جائیداد خریدنے اور رہن ان کی طرف منتقل کرنے کے

اختیارات دے دیے ہیں۔ انھوں نے آنیا کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے۔ خدا انھیں اس کا اجر دے
مجھے یقین ہے کہ ماموں جان ہی اس جائیداد کو خرید سکیں گے۔

اندریونا :۔ کاونٹس نانی نے جائیداد خریدنے کے لیے صرف پندرہ ہزار روبل بھیجے ہیں ــــ کیونکہ انھیں ہم پر اعتبار نہیں ہے ــــ لیکن اس روپے سے تو قرضے کا سود بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ (اپنے ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیتی ہے) ــــ آج میری قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے میری قسمت

تروفی موف :۔ (واریا کو چڑاتے ہوئے) بیگم لوپاخن۔

واریا :۔ (غصے میں) دائمی طالب علم ــــ ہر ایک جانتا ہے کہ تمھیں دو بار یونیورسٹی سے نکالا جا چکا ہے۔

اندریونا :۔ اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے واریا۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب لوگ تمھیں لوپاخن کے سلسلے میں چڑاتے رہتے ہیں۔ لیکن اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ اگر وہ تمھیں پسند ہے تو تم اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں ــــ وہ کافی دلچسپ قسم کا اور اچھا آدمی ہے۔ ویسے اگر تمھارا دل نہیں چاہتا تو نہ کرو۔ کوئی تمھیں مجبور نہیں کر رہا ہے پیاری بیٹی۔

واریا :۔ پیاری ماما میں اس معاملے میں بہت سنجیدہ ہوں ــــ اور میں کوئی بات آپ سے چھپانا نہیں چاہتی ــــ ہاں وہ اچھے آدمی ہیں اور میں انھیں پسند کرتی ہوں۔

اندریونا :۔ تو پھر تم اس سے شادی کر لو ــــ آخر تمھیں کس بات کا انتظار ہے۔ میں تمھیں بالکل نہیں سمجھ سکتی۔

واریا :۔ ماما پیاری میں خود تو انھیں شادی کا پیغام دے نہیں سکتی ــــ آپ ہی بتائیے میں یہ کیسے کر سکتی ہوں ــــ دو سال پہلے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا اور اب تک لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں ــــ لیکن وہ یا تو مجھ سے کچھ بات ہی نہیں کرتے، یا پھر مذاق اڑانے کے انداز میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگتے ہیں ــــ مجھے معلوم ہے یہ سب کیوں ہے ــــ وہ ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں ــــ وہ روز بروز زیادہ مالدار ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے پاس میرے لیے کوئی وقت نہیں ہے ــــ اگر میرے پاس کچھ روپیہ ہوتا ــــ بس ایک سو روبل ــــ تو میں یہ سب چھوڑ چھاڑ کر کہیں چلی جاتی ــــ اور جتنی دور جا سکتی اتنا ہی اچھا ہوتا ــــ میں کسی خانقاہ میں چلی جاتی۔

تروفی موف:۔ واہ وہ کتنی حسین زندگی ہوتی۔

واریا:۔ ہاں یہی کہو ــــ کیونکہ تم طالبِ علم ہو اور تمھارے لیے ہر وقت اپنی ذہانت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ (نرم لہجے اور رونی آواز میں) واقعی پیتیا تم کتنے سمجھدار اور کم رُو لگنے لگے ہو۔

(اندریونا سے اب اس کی آواز ذرا کراری ہے) جس چیز کو میں بالکل برداشت نہیں کرسکتی پیاری ماما، وہ ہے بیکاری ــــ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہوں۔

(یاشا داخل ہوتا ہے)

یاشا:۔ (بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکتے ہوئے) یاپی ہودوف نے بلیرڈ کی ایک چھڑی توڑ دی۔

(باہر جاتا ہے)

واریا:۔ لیکن یاپی ہودوف آخر یہاں کیا کر رہا ہے اور اسے بلیرڈ کھیلنے کی اجازت کس نے دی۔ میری سمجھ میں ان لوگوں کی باتیں بالکل نہیں آتیں۔ (باہر جاتی ہے)۔

اندریونا:۔ دیکھو پیتیا اسے ستایا نہ کرو۔ تم دیکھتے نہیں وہ خود کتنی پریشان ہے۔

تروفی موف:۔ پریشان تو وہ اس لیے بھی ہے کہ اسے خواہ مخواہ ہر چیز میں ٹانگ اڑانے اور دوسروں کی زندگی میں دخل اندازی کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ تمام گرمی وہ ہم لوگوں کے پیچھے لگی رہی۔ میرے اور آنیا کے! اسے ڈر تھا کہ کہیں ہم دونوں ایک دوسرے سے محبّت نہ کرنے لگیں ــــ لیکن اس بات سے اس کا کیا واسطہ ــــ اور پھر میری تو کسی بات سے اس کا اظہار نہیں ہوتا۔ میں اس قسم کی چھچھوری باتوں سے بہت آگے جا چکا ہوں۔ ہم دونوں محبّت سے بلند تر ہیں۔

اندریونا:۔ اور میں شاید اب اس کی اہل نہیں رہی۔ (سخت پریشانی کے عالم میں) آخر لیونڈ اب تک کیوں نہیں آئے ــــ آخر اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے ــــ میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتی ــــ دماغ بالکل معطّل ہو گیا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میں ابھی چیخ پڑوں گی، یا کوئی اور بیوقوفی کی حرکت کر بیٹھوں گی ــــ پیتیا خدا کے لیے میری مدد کرو ــــ کچھ بات کرو ــــ کچھ تو کہو۔

تروفی موف:۔ آج اس جاگیر کا نیلام ہو، یا نہ ہو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت میں تو وہ بہت پہلے ہی ختم ہو چکی ہے اور آپ اب لوٹ کر واپس نہیں جاسکتیں، کیونکہ سب پُل جلائے جا چکے ہیں ــــ اب آپ کو یہ سب سکون سے برداشت کرنا چاہیے ــــ اپنے آپ کو دھوکا

دینے کی ضرورت نہیں ـــــ کم سے کم اس وقت تو آپ کو بہادری سے حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔

اندریونا :۔ کون سی حقیقت ـــــ تم شاید سب کچھ دیکھ سکتے ہو ـــــ لیکن میں تو اپنی بینائی کھو چکی ہوں ـــــ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا ـــــ یہ ٹھیک ہے کہ تم قوتِ ارادی کی مدد سے اپنے سب مسائل کا حل پا لیتے ہو۔ لیکن میرے لڑکے یہ بتاؤ کہ کیا یہ سب اس لیے نہیں کہ تم ابھی نوجوان ہو، کیونکہ تم نے ابھی ان مسائل کا سامنا نہیں کیا۔ اتنی مصیبتیں نہیں اٹھائیں ـــــ تم سر اٹھا کر بہادری سے اپنے سامنے دیکھتے ہو، لیکن کیا یہ صرف اس لیے نہیں کہ تمھاری نوعمر آنکھوں سے ابھی زندگی کے تلخ حقائق پوشیدہ ہیں۔ اور اس لیے تم سر پر منڈلاتی ہوئی خوفناک مصیبتوں کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے اور نہ اس کے خیال سے پریشان ہو سکتے ہو ـــــ یہ بھی ٹھیک ہے کہ تم فطری طور پر بھی ہم لوگوں سے زیادہ سنجیدہ، ایماندار اور باہمّت ہو، لیکن ذرا ہم لوگوں کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور ہمدردی اور رحم دلی سے کام لو اور مجھے مجبور سمجھو ـــــ تمھیں معلوم ہے میں اسی مکان میں پیدا ہوئی تھی اور میرے باپ نے اپنی ساری زندگی یہیں گزاری اور میرے دادا نے بھی ـــــ مجھے اس مکان سے عشق ہے اور اس چیری کے باغ کے بغیر تو میں زندگی کا تصوّر ہی نہیں کر سکتی ـــــ اور اگر اسے بیچنا اتنا ہی ضروری ہے تو پھر مجھے بھی اسی کے ساتھ بیچ دو ـــــ (تروفی موف کو گلے لگاتی ہے اور اس کی پیشانی کو پیار کرتی ہے) تمھیں معلوم ہے میرا بیٹا یہیں ڈوب کر مرا تھا۔ (روتی ہے) مجھ پر رحم کرو میرے پیارے دوست!

تروفی موف :۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔

اندریونا :۔ تو پھر اس کا اظہار کسی اور طرح کرو۔ (بٹوے میں سے رومال نکالتی ہے۔ ایک تار کا لفافہ بٹوے میں سے نکل کر گر پڑتا ہے) تم اندازہ نہیں لگا سکتے اس وقت میرے ذہن پر کتنا بھاری بوجھ ہے ـــــ یہاں کس قدر شور اور ہنگامہ ہے ـــــ ہر آواز پر میری روح کانپ جاتی ہے۔ میں سر سے پاؤں تک کانپ رہی ہوں، لیکن اپنے کمرے میں جانے کی میری ہمّت نہیں ـــــ وہاں تنہائی اور خاموشی کاٹنے کو دوڑتی ہے ـــــ مجھے الزام نہ دو پیتیا ـــــ میں تمھیں اپنے بچوں کی طرح چاہتی ہوں ـــــ میں بڑی خوشی سے آنیا کو تم سے شادی کرنے کی اجازت

دے دوں گی ـــــ بخدا مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، لیکن میرے پیارے لڑکے تمھیں زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اپنی تعلیم مکمل کر لینی چاہیے۔ تم معلوم نہیں کیا کرتے رہتے ہو قسمت تمھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ دھکّے دیتی رہتی ہے ـــــ کس قدر عجیب بات ہے ـــــ میں ٹھیک کہتی ہوں اور ہاں تمھیں اپنی داڑھی کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہیے ـــــ اس کے اُگانے کی کوئی ترکیب کرو۔

تروفی موف :۔ (تار کا لفافہ اٹھاتا ہے) میں چھیلا نہیں بننا چاہتا۔

اندریونا :۔ یہ تار پیرس سے آیا ہے۔ وہاں سے میرے پاس ہر روز ایک تار آتا ہے۔ ایک کل آیا تھا اور ایک آج آیا ہے۔ وہ وحشی انسان اب پھر بیمار ہے۔ اس کے حالات بہت خراب ہیں۔ اس نے مجھ سے معافی مانگی ہے اور پیرس واپس آنے کی التجا کی ہے ـــــ اور خود میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب مجھے پیرس واپس چلا جانا چاہیے اور کچھ عرصے اس کے پاس رہنا چاہیے ـــــ میری طرف اتنی سختی سے کیوں دیکھ رہے ہو ـــــ اب میں کیا کر سکتی ہوں ـــــ میرے پیارے لڑکے تم ہی بتاؤ میں کیا کروں ـــــ وہ بیمار ہے ـــــ تنہا ہے اور غم زدہ ہے ـــــ وہاں اس کا کون ہے جو اس کی دیکھ بھال کرے۔ اسے طرح طرح کی حماقتوں سے بچائے ـــــ اور اسے وقت پر دوا دے ـــــ اور ہاں میں اسے چاہتی ہوں ـــــ اس بات کو چھپانے سے فائدہ! یہ ٹھیک ہے کہ وہ میرے گلے میں بندھے ہوئے ایک پتھر کی مانند ہے جو اپنے ساتھ مجھے بھی لے کر ڈوب رہا ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے اس سے عشق ہے اور میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ (تروفی موف کا ہاتھ دباتی ہے) پیٹیا دیکھو مجھے الزام نہ دو میں مجبور ہوں ـــــ اور ہاں کسی سے اس بات کا ذکر نہ کرنا۔

تروفی موف :۔ (شدید جذبات کے ساتھ) دیکھیے بُرا نہ مانیے گا، لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ شخص آپ کو لوٹ رہا ہے۔

اندریونا :۔ (کانوں پر ہاتھ رکھ لیتی ہے) نہیں نہیں اس قسم کی باتیں نہ کرو ـــــ میں یہ سب سننا نہیں چاہتی۔

تروفی موف :۔ وہ ایک کمینی طبیعت کا آدمی ہے۔ آپ کے سوا ہر شخص یہ بات اچھی طرح جانتا

ہے وہ بالکل نکما، فضول اور کمینہ شخص ہے۔

اندریونا ۔ (غصے پر قابو پاتے ہوئے) چھبیس ستائیس سال کی عمر ہو گئی لیکن تم خود اسکول کے لونڈوں سے کس بات میں بہتر ہو۔

تروفی موف ۔ خیر میری بات چھوڑیے۔

اندریونا ۔ تم ایک سمجھدار آدمی کی طرح کیوں نہیں سوچتے۔ کم سے کم اس عمر میں تو تمھیں ان لوگوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے جو محبت کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ کاش کہ تم میں خود بھی کسی سے عشق کرنے کی صلاحیت ہوتی۔ (غصے سے) اور تم خود ہی کون سے پاک و پاکیزہ ہو ــــــ تم صرف معصومیت اور پاکیزگی کا ڈھونگ رچاتے رہتے ہو۔ میرے خیال میں تو تم ایک غیر فطری قسم کے جھکی انسان ہو۔

تروفی موف ۔ (خفگی سے) کیا مطلب ہے آپ کا۔

اندریونا ۔ میں محبت سے بلند تر ہوں یہ تم بالکل محبت سے بلند تر نہیں ہو۔ خیر ـــ کے الفاظ میں تم ایک نکمّے انسان ہو ــــــ اس سے زیادہ بے تکی بات کیا ہو سکتی ہے کہ اس عمر کے آدمی کی کوئی معشوقہ نہ ہو۔

تروفی موف ۔ (گھبرا کر) آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟ ــــــ خدا کے لیے چپ رہیے۔ (دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بال روم کی طرف جاتا ہے) اُف خدایا یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ میں جاتا ہوں (باہر جاتا ہے لیکن پھر فوراً ہی واپس آجاتا ہے) آج سے میرا اور آپ کا تعلق ختم ہوا ــــــ

(دروازے سے بال روم میں جاتا ہے)

اندریونا ۔ پیتیا، ٹھہرو ــــ ارے بھئی کہاں چل دیے، عجیب انسان ہو۔ میں تو صرف مذاق کر رہی تھی۔

(ہال سے کسی کے تیزی سے اوپر چڑھنے کی اور پھر ایک دھماکے کے ساتھ گرنے کی آواز آتی ہے۔ آنیا اور واریا کی چیخیں سنائی دیتی ہیں، لیکن جلد ہی وہ قہقہوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔)

اندریونا ۔ ارے یہ کیا ہوا؟

(آنیا دوڑتی ہوئی اندر آتی ہے)

آنیا ۔ (ہنستے ہوئے) پیتیا گر پڑا۔ (باہر بھاگ جاتی ہے)

اندریونا:۔ عجیب و غریب انسان ہے۔

(بال روم کے وسط میں کھڑے ہو کر اسٹیشن ماسٹر الکسی وچ تالستائی کی لکھی ہوئی نظم "گناہگار" بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے باقی سب لوگ اسے سنتے ہیں۔ لیکن اس نے ابھی چند شعر ہی پڑھے ہیں کہ برابر کے کمرے سے ناچ کی مدھم دھن (WALT.Z) سنائی دیتی ہے اور بلند ہو جاتی ہے۔ سب لوگ ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ بال روم کی طرف سے تروفی موف، واریا اور آنیا داخل ہوتے ہیں۔)

اندریونا:۔ آؤ بیٹیا ـــــ پیارے لڑکے، میں تم سے معافی مانگتی ہوں ـــــ آؤ ہم دونوں ساتھ ڈانس کریں۔

(دونوں ساتھ ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ واریا اور آنیا ایک دوسرے کے ساتھ ناچتی ہیں۔)

(فیرس اور یاشا داخل ہوتے ہیں۔ فیرس اپنی چھڑی دروازے کے قریب رکھتا ہے ـــــ یاشا ڈرائنگ روم میں کھڑے ہو کر ناچتے ہوئے لوگوں کو دیکھتا ہے۔)

یاشا:۔ کیوں کیا حال ہے بڑے میاں؟

فیرس:۔ آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے ـــ ایک زمانے میں یہاں ناچ کی پارٹیوں میں بڑے بڑے افسر، نواب اور رئیس لوگ آیا کرتے تھے۔ لیکن اب ہم ان پارٹیوں میں پوسٹ آفس کے کلرکوں اور اسٹیشن ماسٹروں کو بلاتے ہیں ـــــ اور وہ لوگ بھی بڑے ناز نخرے کے بعد آتے ہیں ـــــ میری قوت روز بروز جواب دیتی جا رہی ہے ـــــ میرے پرانے آقا یعنی ہماری بیگم صاحبہ کے دادا ہر ایک کو پاؤڈر چھڑکا ہوا مہر لگنے کا موم دوا کے طور پر دیا کرتے تھے ـــــ خواہ بیماری کچھ بھی ہو ـــــ پچھلے بیس یا شاید پچیس سال سے میں ہر روز اس کی ایک خوراک کھاتا ہوں ـــــ اور شاید اسی لیے میں ابھی تک زندہ بھی ہوں۔

یاشا :۔ افوہ کس قدر اکتا دینے والی باتیں کرتے ہو۔ بڑے میاں (جمائی لیتا ہے) میرے خیال میں
تو اب تمھیں جلد ہی کہیں جا کر مرنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

فیرس :۔ کس قدر نکما چھوکرا ہے۔

(تروفی موفا اور اندریونا جو بال روم میں ناچ رہے ہیں۔ ناچتے
ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف آتے ہیں۔)

اندریونا :۔ شکریہ۔ اب میں ذرا بیٹھنا چاہتی ہوں۔ (بیٹھتی ہے) بہت تھک گئی ہوں۔

(آنیا داخل ہوتی ہے)

آنیا :۔ (گھبرائے ہوئے انداز میں) باورچی خانے میں ایک شخص کہہ رہا ہے کہ چیری کا باغ بک گیا ہے۔

اندریونا :۔ بک گیا؟ ـــــ کس نے خریدا؟

آنیا :۔ یہ اس نے نہیں بتایا ـــــ اور اب وہ جا چکا ہے۔

یاشا :۔ ایک بوڑھا سا آدمی آیا ہوا تھا۔ اور بیٹھا ہوا گپ مار رہا تھا ـــــ میں تو اسے نہیں جانتا۔

فیرس :۔ لیونڈ اندرے وچ اب تک واپس نہیں آئے۔ اور وہ اپنا ہلکا کوٹ پہن کر گئے ہیں۔

اندریونا :۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری جان نکلی جا رہی ہو۔ یاشا ذرا جاؤ اور معلوم کر کے
آؤ کہ چیری باغ کس نے خریدا ہے؟

یاشا :۔ لیکن وہ بڈھا تو کب کا جا چکا ہے۔ (ہنستا ہے)

اندریونا :۔ (ذرا غصے سے) ٹھیک ہے، لیکن تم ہنس کس بات پر رہے ہو؟ آخر اس خوشی کی کیا
وجہ ہے؟

یاشا :۔ یاپی ہو دوف کس قدر مضحکہ خیز آدمی ہے ـــــ بڑا احمق آدمی ہے ـــــ گیارہ دونی بائیس مصیبتیں

اندریونا :۔ فیرس اگر یہ جائداد بک گئی تو تم کہاں جاؤ گے؟

فیرس :۔ جہاں آپ کا حکم ہوگا بیگم صاحبہ۔

اندریونا :۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو۔ کیا تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ـــــ میرا خیال ہے
کہ اب تمھیں جا کر آرام کرنا چاہیے۔

فیرس :۔ ہاں ـــــ (کمزور آواز میں) لیکن اگر میں لیٹ گیا تو مہمانوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔

یہ کاروبار کون چلائے گا ـــــ یہاں میرے سوا اور کون ہے ؟

یاشا :۔ (اندریونا سے) لیوبو اندریونا۔ میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ پیرس واپس جائیں تو مجھے بھی اپنے ساتھ لیتی جائیے گا۔ میں یہاں بالکل نہیں رہ سکتا (چاروں طرف دیکھتے ہوئے نیچی آواز میں) مجھے اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود دیکھ سکتی ہیں۔ یہاں سب لوگ کس قدر جاہل اور اخلاقی طور پر گرے ہوئے ہیں۔ اور پھر کس قدر اکتا دینے والی فضا ہے۔ اور مطبخ میں جو کھانا ملتا ہے وہ بالکل ناقابلِ برداشت ہے اور پھر یہ بڈھا فیرس ہر طرف بڑبڑاتا ہوا پھرتا رہتا ہے ـــــ خدا کے لیے مجھے اپنے ساتھ پیرس لے چلیے۔

(پشک داخل ہوتا ہے)

پشک :۔ میری حسین و جمیل خاتون کیا میں آپ سے ناچنے کی درخواست کر سکتا ہوں۔ (اندریونا اٹھ کر اس کے ساتھ ناچنا شروع کرتی ہے) میں وہ ایک سو اسّی روبل تو کسی نہ کسی طرح آپ سے حاصل کروں گا ہی میری حسین خاتون ـــــ ہاں ہاں وہ تو مجھے ملنے ہی چاہئیں (ناچتا ہے) بس ایک سو اسّی روبل کی بات ہے۔

(وہ دونوں ڈانس کرتے ہوئے بال روم کی طرف جاتے ہیں)

یاشا :۔ (آہستہ آہستہ گاتا ہے) "کون جانے کہ دلِ زار پہ کیا گزری ہے"

(بال روم میں چار خانے کا پاجامہ پہنے ہوئے اور سر پر اونچا سُرمئی ہیٹ لگائے ہوئے ایک عورت زور زور سے اور بہت اونچا اُچکنا شروع کر دیتی ہے۔ "واہ واہ شارلوٹا اوانونا۔ واہ ـــ واہ" کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔)

دونیاشا :۔ (اپنے چہرے پر پاؤڈر لگانے کے لیے رُکتی ہے) چھوٹی بی بی نے مجھ سے ڈانس کرنے کے لیے کہا تھا۔ یہاں اتنے سارے مرد ہیں اور صرف چند عورتیں ہیں، لیکن مجھے ڈانس کرنے سے چکّر آنے لگتے ہیں۔ اور میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے ـــــ فیرس نکولائی ابھی ابھی پوسٹ آفس کے کلرک نے مجھ سے ایسی بات کہی کہ میں دم بخود رہ گئی۔

(موسیقی بند ہو جاتی ہے)

فیرس ۔ اس نے کیا بات کہی؟

دونیاشا ۔ اس نے کہا کہ تم ایک پھول کی مانند ہو۔

یاشا ۔ (جمائی لیتا ہے) جہالت کی حد ہے ـــــ (باہر جاتا ہے)

دونیاشا ۔ ایک پھول کی مانند، میں بے حد حساس ہوں ـــــ جب لوگ اچھی اچھی باتیں کہتے ہیں تو مجھ پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔

فیرس ۔ بہت جلد اس طرح تمہارا دماغ خراب ہو جائے گا۔

(یاپی ہودوف داخل ہوتا ہے)

یاپی ہودوف ۔ دونیاشا تم میری طرف دیکھنے کی بھی تکلیف گوارا نہیں کرتیں۔ گویا میں کسی قسم کا کیڑا ہوں۔ (آہ بھرتا ہے) آہ کیا زندگی ہے۔

دونیاشا ۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟

یاپی ہودوف ۔ شاید تم ٹھیک کہتی ہو ـــــ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ (آہ بھرتا ہے) لیکن اس بات کو اگر ایک خاص نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے ـــــ میرا مطلب ہے ـــــ گستاخی معاف کرنا ـــــ تمہاری وجہ سے میری کیا حالت ہو گئی ہے ـــــ مجھے معلوم ہے میری قسمت ہی خراب ہے ـــــ ہر روز کوئی نہ کوئی مصیبت مجھ پر ضرور ٹوٹتی ہے ـــــ لیکن اب مجھے اس کی عادت پڑ چکی ہے ـــــ اور میں مسکرا کر زندگی کا سامنا کرتا ہوں ـــــ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا ـــــ اور اگرچہ میں ـــــ

دونیاشا ۔ خدا کے لیے چپ رہو ـــــ میں اس سلسلے میں پھر کبھی تم سے بات کروں گی۔ اس وقت مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں اس وقت اپنے خوابوں میں کھوئی ہوئی ہوں ـــــ (اپنے پنکھے سے کھیلتی ہے)

یاپی ہودوف ۔ ہر روز مجھ پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے ـــــ لیکن پھر بھی ـــــ اگر اجازت دو تو کہوں ـــــ میں مسکراتا رہتا ہوں ـــــ اور کبھی کبھی تو ہنستا بھی ہوں۔

(بال روم کی طرف سے واریا داخل ہوتی ہے)

واریا ۔ (یاپی ہودوف سے) تم ابھی تک یہاں موجود ہو ـــــ واقعی تم کس قدر بدتمیز آدمی ہو ـــــ (دونیاشا سے) اب تم بھی یہاں سے جاؤ دونیاشا۔ (یاپی ہودوف سے) پہلے تو بغیر کہے سنے تم نے جا کر بلیرڈ کھیلنا شروع کیا۔ اور میز کا ایک کونہ توڑ دیا ـــــ اور اب تم ڈرائنگ روم میں اس طرح

گھوم رہے ہو، گویا سب سے بڑے مہمان تم ہی ہو۔

یاپی ہودوف ۔ معاف کرنا تمھیں مجھے اس طرح سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

واریا ۔ میں تمھیں سزا نہیں دے رہی ہوں۔۔۔ میں صرف بتا رہی ہوں ۔۔۔ اپنے کام سے کام رکھنے کے بجائے تم ہر وقت یہاں وہاں گھومتے رہتے ہو۔ جہاں تک کام کا سوال ہے تمھارا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

یاپی ہودوف ۔ میں کام کروں یا نہ کروں، گھوموں یا نہ گھوموں، بلیرڈ کھیلوں یا نہ کھیلوں۔ تمھیں اس سے کیا مطلب؟ ۔۔۔ مجھ پر اعتراض کرنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور سوچ سمجھ کر بات کر سکتے ہیں۔

واریا ۔ اچھا تمھاری یہ ہمت (غصّے سے) تمھارا مطلب ہے کہ میں سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتی۔ جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ ۔۔۔ فوراً اسی منٹ۔

یاپی ہودوف ۔ (سہمے ہوئے انداز میں) تمہیں ذرا نرمی اور تہذیب سے بات کرنی چاہیے۔

واریا ۔ (غصّے سے بے قابو ہے) میں کہتی ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ۔۔۔ ابھی دفع ہو جاؤ (وہ دروازے کی طرف جاتا ہے۔ واریا اس کے پیچھے جاتی ہے) گیارہ دونی بائیس مصیبتیں میں تمھاری صورت نہیں دیکھنا چاہتی، دفع ہو جاؤ۔

(یاپی ہودوف چلا جاتا ہے ۔۔۔ دروازے کے باہر سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے: "میں تمھاری شکایت کروں گا۔")

واریا ۔ اچھا تو تم پھر آرہے ہو، تمھاری یہ ہمت (وہ چھڑی اٹھاتی ہے جو فیرس وہاں چھوڑ گیا ہے) ۔۔۔ آؤ ۔۔۔ آؤ ۔۔۔ میں ابھی بتاتی ہوں ۔۔۔ تمھاری یہ ہمت ۔۔۔ اچھا تو یہ لو ۔۔۔ (چھڑی گھما کر دروازے کی طرف پھینکتی ہے۔ اسی لمحے لوپاخن داخل ہوتا ہے)

لوپاخن ۔ (جس کو چھڑی نہیں لگی ہے) بہت بہت شکریہ۔

واریا ۔ (طنز اور غصّے سے) معافی چاہتی ہوں۔

لوپاخن ۔ اس کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔ اس غیر متوقع ملاقات کا شکریہ۔

واریا ۔ اس کے لیے میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (ایک طرف ہٹتی ہے ۔۔۔ پھر چاروں طرف

دیکھتی ہے اور نرمی سے کہتی ہے) آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔

لوپاخن:۔ نہیں بالکل نہیں ــــــ ویسے ایک بڑا سا گولا تو پڑ گیا ہے۔

(بال روم سے آوازیں آتی ہیں ــــــ لوپاخن آ گئے۔ یرمولائی

الکسی وچ آ گئے)

پشک:۔ وہ دیکھو، وہ کھڑا ہے اور آواز بھی آ رہی ہے۔ (آ کر لوپاخن کو گلے لگاتا ہے۔ تمہارے اندر سے تو برانڈی کی بو آ رہی ہے۔ عزیز من میرے جوان رعنا ــــــ ہم لوگ بھی یہاں خوش باشی میں وقت گزار رہے ہیں۔

(اندریونا داخل ہوتی ہے)

اندریونا:۔ اچھا تو یہ تم ہو یرمولائی الکسی وچ۔ تم اتنی دیر تک کہاں رہے اور لیونڈ کہاں ہیں؟

لوپاخن:۔ لیونڈ اندرے وچ میرے ساتھ ہی واپس آئے ہیں۔ ابھی یہاں آ رہے ہیں۔

اندریونا:۔ (گھبرائی ہوئی ہے) اچھا تو جلدی بتاؤ کیا ہوا ــــــ کیا نیلام ہوا تھا؟ ہاں تو جلدی کہو۔

لوپاخن:۔ (شرمندہ سا ہے، اسے ڈر ہے کہ شاید وہ اپنی خوشی نہ چھپا سکے) نیلام تو چار بجے ہی ختم ہو گیا تھا ــــــ مگر ہم لوگوں کی گاڑی نکل گئی اور پھر دوسری گاڑی کے لیے ہمیں ساڑھے نو بجے تک انتظار کرنا پڑا (گہری آہ کے ساتھ) اُف میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔

(گادیو داخل ہوتا ہے۔ اس کے دائیں ہاتھ میں کچھ پارسل ہیں۔

اور بائیں ہاتھ سے وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا ہے)

اندریونا:۔ لیونا خدا کے لیے مجھے بتاؤ کیا ہوا۔ ہاں بتاؤ ــــــ (بے صبری سے) جلدی بتاؤ ــــــ خدا کے لیے۔

گادیو:۔ (رو رہا ہے اس کی بات کا جواب نہیں دیتا۔ صرف اس کی طرف ہاتھ ہلاتا ہے۔ فیرس سے) یہ لو جھینگا مچھلی اور یہ چھوٹی مچھلیاں۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ــــــ اُف خدا ــــــ کیا کیا گزری۔

(کھلے ہوئے دروازے میں سے لوگوں کے بلیرڈ کھیلنے کی آوازیں

آتی ہیں۔ یاشا کہہ رہا ہے۔ سترہ اور اٹھارہ ــــــ گادیو رونا

بند کرتا ہے اور بدلے ہوئے انداز میں فیرس سے کہتا ہے)

میں بہت تھک گیا ہوں۔ آؤ فیرس میرے ساتھ آؤ ــــ میں لباس تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔

(بال روم کی طرف سے باہر جاتا ہے۔ فیرس اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے)

پشک :۔ نیلام کا کیا نتیجہ نکلا۔ کیا چیری کا باغ بک گیا؟

لوپاخن :۔ ہاں بک گیا۔

اندریونا :۔ کس نے خریدا؟

لوپاخن :۔ میں نے۔

(وقفہ)

(اندریونا بہت متأثر ہے اور اس کے لیے اپنے غم پر قابو پانا
مشکل ہے۔ اگر وہ کرسی اور میز کے سہارے کھڑی نہ ہوتی تو گر جاتی۔
واریا اپنی پیٹی کے پاس سے ایک کنجیوں کا گچھا نکالتی ہے اور
اسے ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ زمین پر پھینکتی ہے اور تیزی
سے باہر چلی جاتی ہے۔)

لوپاخن :۔ ہاں اسے میں نے ہی خریدا۔ خواتین اور حضرات مہربانی سے ایک منٹ صبر کیجیے۔ میں اس وقت کچھ سوچ نہیں سکتا اور مجھے اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ (ہنستا ہے) جب ہم نیلام کے وقت وہاں پہنچے تو درگانوف وہاں پہلے سے موجود تھا۔ لیونڈ اندریے وچ کے پاس تو صرف پندرہ ہزار روبل تھے ــــ اور درگانوف نے گروی کی رقم سے ۳۰ ہزار زیادہ کی بولی لگائی ــــ مجھے حالات کا کچھ اندازہ ہوا اور میں نے فوراً چالیس ہزار کی رقم کی بولی دی پھر اس نے پینتالیس ہزار اور میں نے پچپن ہزار۔ وہ ہر بار پانچ ہزار بڑھا دیتا تھا اور میں دس ہزار۔ اور آخر کار جب میں نے گروی کی رقم سے نوّے ہزار روبل زیادہ رقم پیش کی تو خدا خدا کر کے نیلام ختم ہوا۔ اور جائداد میری ملکیت قرار پائی ــــ ہاں چیری کا باغ اب میرا ہے۔ میرا ہے (ہنستا ہے) اُف میرے خدا ــــ میں کیسے یقین کروں ــــ چیری کا باغ اب میرا ہے ــــ آپ لوگوں میں سے کوئی مجھے کیوں نہیں بتاتا کہ میں شراب کے نشے میں دُھت ہوں۔ یا پھر میرا دماغ چل گیا ہے۔ یا پھر یہ سب میرا تخیل ہے۔ (اپنا پاؤں پٹختا ہے) مہربانی سے میرا مذاق نہ اڑائیے۔ کاش کہ میرے باپ

اور میرے دادا آج اپنی اپنی قبروں سے نکل کر یہاں آ سکتے اور دیکھتے کہ آج کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ وہ دیکھتے کہ ان کا یرمولائی۔ ان کا روز پٹنے والا نیم جاہل بیٹا یرمولائی، جو جاڑے کے زمانے میں ننگے پاؤں ادھر اُدھر دوڑتا پھرتا تھا ـــــ آج اس جائداد کا مالک ہے جو دنیا کا سب سے حسین گوشہ ہے۔ ہاں میں نے وہی جائداد خریدی ہے جس پر میرے باپ دادا رعایا کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور جہاں انھیں باورچی خانے تک میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی ـــــ یقیناً میں سو رہا ہوں ـــــ یقیناً یہ کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ یہ صرف میرا تخیل ہے۔ میری نظر کا دھوکا ہے (فرش پر سے کنجیوں کا گچھا اٹھاتا ہے اور نرمی سے مسکراتا ہے) اس نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کنجیاں یہاں پھینک دیں کہ اب وہ اس گھر کی مالک نہیں ہے۔ (کنجیوں کو ہلاتا ہے) خیر کوئی بات نہیں (بینڈ اب کوئی نئی دُھن الاپ رہا ہے) ـــــ آؤ بینڈ بجانے والو! کوئی اچھی چیز بجاؤ۔ میں موسیقی سننا چاہتا ہوں ـــــ ہاں تو آپ سب لوگ سنیے۔ اور بہت جلد آپ دیکھیں گے کہ یرمولائی لوپاخن ہاتھ میں کلہاڑی لیے چیری کے باغ میں داخل ہوگا اور ایک ایک کرکے سب درخت گرا دیے جائیں گے اور ان کی جگہ یہاں سے لے کر وہاں تک نئے بنگلے تعمیر کیے جائیں گے اور ہمارے بچے اور ہمارے بچوں کے بچے دیکھیں گے کہ یہاں ایک نئی زندگی جنم لے رہی ہے۔ ہاں آئیے اب کچھ موسیقی سنی جائے۔

(بینڈ ایک دُھن بجاتا ہے۔ اندریونا کرسی میں دھنس گئی ہے
اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے)

لوپاخن :۔ شکایت کے انداز میں) آپ نے پہلے میری بات پر توجہ کیوں نہیں دی ـــــ میری عزیز بدنصیب خاتون ـــــ اب کیا ہو سکتا ہے ـــــ کاش کہ کسی طرح یہ مصیبتیں ٹل سکتیں ـــــ کاش کہ ہم اس غمزدہ اور بدوضع زندگی کو کسی طرح بدل سکتے۔

پشک :۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے مدھم آواز میں) یہ رو رہی ہیں۔ انھیں کچھ دیر کے لیے ان کے حال پر چھوڑ دو۔ آؤ ہم بال روم میں چلتے ہیں ـــــ آؤ بس چلو۔

(اس کو لے کر بال روم کی طرف جاتا ہے)

لوپاخن :۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہاں تو بینڈ بجانے والو! ـــــ بجاؤ ـــــ اور بجاؤ ـــــ اب ہر

بات میری خواہش کے مطابق ہونی چاہیے۔ (طنز سے) تو یہ ہیں آپ کے نئے جاگیردار ـــــ تو یہ ہیں چیری کے باغ کے نئے مالک۔ (اتفاق سے ایک چھوٹی میز اس کی ٹھوکر سے گر جاتی ہے اور کچھ شمعدان گرنے سے بال بال بچتے ہیں۔) خیر کوئی بات نہیں میں ہر چیز کی قیمت ادا کر سکتا ہوں۔ (لپشک کے ساتھ جاتا ہے۔)

(اب ڈرائنگ روم میں صرف اندریونا ہے، جو کرسی پر بیٹھی ہوئی
پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ بینڈ آہستہ آہستہ بج رہا ہے۔
آنیا اور تروفی موف تیزی سے داخل ہوتے ہیں۔ آنیا اپنی ماں
کے پاس جاتی ہے اور اس کے قریب زمین پر دوزانو بیٹھ جاتی
ہے اور اسے تسلّی دینے کی کوشش کرتی ہے ـــــ تروفی موف
بال روم کے دروازے کے پاس کھڑا رہتا ہے۔)

آنیا: ماما ـــــ ماما ـــــ آپ رو رہی ہیں؟ میری پیاری، نیک اور نرم دل ماما ـــــ میری عزیز اور بیش بہا ماما ـــــ خدا آپ پر اپنی رحمت کے پھول برسائے ـــــ ہاں چیری کا باغ بک چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اب چیری کے باغ کا کوئی وجود نہیں ـــــ یہ سچ ہے ـــــ لیکن اس طرح نہ روئیے ماما ـــــ ابھی آپ کی زندگی آپ کے سامنے پھیلی ہوئی ہے ـــــ اور آپ کا پیارا معصوم دل آپ کے پاس ہے ـــــ چلیے میرے ساتھ چلیے میری بہت پیاری ماما ـــــ ہمیں اب یہاں سے چلا جانا چاہیے ـــــ ہم ایک نیا باغ لگائیں گے، جو اس سے بھی زیادہ حسین ہوگا ـــــ اور جب آپ اسے دیکھیں گی تو خود بخود سب باتیں آپ کی سمجھ میں آجائیں گی اور آپ کا دل خوشی سے مالا مال ہو جائے گا ـــــ ڈوبتے ہوئے سورج کی طرح ـــــ اور آپ ایک بار پھر مسکرا اٹھیں گی ـــــ میری پیاری ماما ـــــ چلیے میرے ساتھ چلیے ـــــ چلیے ہم ساتھ چلیں۔

(پردہ گرتا ہے)

چوتھا ایکٹ

وہی کمرہ جو پہلے ایکٹ میں تھا لیکن اب دیواروں پر سے
تصویریں اور دروازوں سے پردے ہٹا دیے گئے ہیں۔ صرف بچی
کچی میز کرسیاں ایک کونے میں اوپر نیچے رکھی ہیں۔ کمرہ بہت
اجاڑ اور بھیانک سا معلوم ہو رہا ہے۔ پیچھے کے حصے میں دروازے
کے قریب اوپر نیچے بہت سے سوٹ کیس اور دوسرا سامان
رکھا ہے، جو معلوم ہوتا ہے سفر کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ بائیں
دروازے سے جو کھلا ہوا ہے آنیا اور واریا کی آوازیں آ رہی ہیں۔
لوپاخن کمرے میں کھڑا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے
لوگوں کے آنے کا منتظر ہے۔ یاشا ایک کشتی لیے کھڑا ہے جس پر
شیمپین کے گلاس رکھے ہوئے ہیں۔ ہال میں یاپی ہو دوف ایک
ایک بڑے صندوق کو بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ باہر
کسی طرف سے مدھم آوازوں کی گونج سنائی دے رہی ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ کسان خدا حافظ کہنے آئے ہیں ——
گاویو کی آواز سنائی دیتی ہے —— "شکریہ دوستو شکریہ"

یاشا: گاؤں کے لوگ خدا حافظ کہنے آئے ہیں۔ پر مولائی الکسی وچ میرے خیال میں یہ لوگ نیک دل

تو ضرور ہیں، لیکن ان میں عقل اور سمجھ کی بہت کمی ہے۔

(آوازیں بند ہو جاتی ہیں۔ اندریونا اور گاویو ہال کی طرف سے
اندر آتے ہیں۔ اندریونا رو تو نہیں رہی ہے لیکن اس کا چہرہ
پیلا پڑ گیا ہے۔ شدّتِ جذبات سے اس کے ہونٹ دبے ہیں۔
اور وہ بول نہیں سکتی۔)

گاویو۔ تم نے اپنا بٹوہ مع روپوں کے ان لوگوں کے حوالے کر دیا ـــــ اس کی کیا ضرورت تھی ـــــ اس کی کیا ضرورت تھی؟

اندریونا۔ میں اور کیا کرتی ـــــ میں اور کیا کر سکتی تھی؟

(دونوں باہر جاتے ہیں)

لوپاخن۔ (دروازے کے قریب جا کر انھیں آواز دیتا ہے) آیئے تھوڑی سی شیمپین پی لیجیے ـــ مہربانی سے ـــ بس ایک گلاس جانے سے پہلے ـــ شہر میں مجھے شیمپین خریدنے کا خیال نہیں آیا اور اسٹیشن پر بس ایک بوتل مل سکی ـــ آیئے کچھ لے لیجیے ـــ (وقفہ) کیوں کیا آپ نہیں پئیں گے۔ خواتین اور حضرات ـــ (دروازے سے واپس آتا ہے) اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں یہ کیوں لاتا ـــ خیر ـــ میں بھی نہیں پیوں گا۔

(یاشا احتیاط سے کشتی کو ایک کرسی پر رکھ دیتا ہے۔)

لوپاخن۔ یاشا اور کوئی تو شیمپین پینا نہیں چاہتا ـــ تم ہی ایک جام پی لو۔

یاشا۔ رخصت ہونے والوں کا جامِ صحت۔ اور یہ آپ کا جو ٹھہر رہے ہیں۔ (پیتا ہے) میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ اصلی شیمپین نہیں ہے۔

لوپاخن۔ اصلی نہیں ہے؟ ـــ آٹھ روبل کی ایک بوتل اصلی نہیں ہے!۔ (وقفہ) کس قدر شدید سردی ہے۔

یاشا۔ آج کسی نے آتش دان میں آگ نہیں جلائی ـــ خیر کوئی بات نہیں آج تو ہم رخصت ہو رہے ہیں۔ (ہنستا ہے)

لوپاخن۔ تم ہنس کیوں رہے ہو؟

یاشا :۔ کیوں کہ میں خوش ہوں۔

لوپاخن :۔ اکتوبر کا مہینہ شروع ہو چکا ہے، لیکن موسم ابھی تک پُرسکون ہے اور دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ گویا ابھی گرمی ختم نہ ہوئی ہو ـــــ عمارتیں بنانے کے لیے یہ موسم خاص طور سے مناسب ہے (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہے اور پھر دروازے کی طرف دیکھتا ہے) خواتین اور حضرات یاد رکھیے کہ ٹرین کے روانہ ہونے میں صرف چھیالیس منٹ باقی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیس منٹ میں ہم لوگوں کو یہاں سے روانہ ہونا چاہیے ـــــ آپ لوگ جلدی کیجیے۔

(تروفی موف ایک لمبا کوٹ پہنے ہوئے باہر سے آتا ہے)

تروفی موف :۔ میرے خیال میں اب روانہ ہونا چاہیے۔ دروازے پر گھوڑے تیار ہیں۔ نہ جانے میرے برف کے جوتے کیا ہوئے۔ پتہ نہیں کہاں گئے؟ ـــــ (دروازے سے آواز دیتا ہے) آنیا تم نے میرے برف کے جوتے دیکھے ہیں؟ کہیں نہیں مل رہے ہیں۔

لوپاخن :۔ اب مجھے بھی خارا کوف کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے ـــــ میں بھی اسی ٹرین سے جا رہا ہوں جس سے آپ لوگ جا رہے ہیں ـــــ سردی کے ختم تک وہیں رہوں گا۔ یہاں کافی وقت ضائع ہو چکا ہے۔ اور پھر بیکاری ویسے بھی میرے لیے ایک اذیت ہے۔ میں کام کیے بغیر نہیں رہ سکتا ـــــ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے ہاتھوں کا کیا کروں ـــــ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل بے جان ہو گئے ہیں ـــــ یا پھر کسی اور کے ہاتھ ہیں۔

تروفی موف :۔ ہم لوگ تو رخصت ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تم اپنے ضروری اور مفید کام دل بھر کر کر سکتے ہو۔

لوپاخن :۔ لو ـــــ تھوڑی سی شراب لو۔

تروفی موف :۔ نہیں شکریہ۔

لوپاخن :۔ تو تم ماسکو جا رہے ہو۔

تروفی موف :۔ ہاں میں آج ان لوگوں کے ساتھ شہر تک جاؤں گا ـــــ اور پھر کل ماسکو روانہ ہو جاؤں گا۔

لوپاخن :۔ ہاں ضرور ـــــ میرے خیال میں وہاں سب پروفیسر تمہارے منتظر ہوں گے اور ابھی تک انھوں نے لکچر دینے شروع نہیں کیے ہوں گے۔

تروفی موف: اس سے تمھیں کیا مطلب؟

لوپاخن: تقریباً کتنے سال سے تم یونیورسٹی میں پڑھ رہے ہو؟

تروفی موف: اگر مذاق کرنے کا شوق ہے تو کوئی نئی بات سوچو ـــــ یہ تو بہت پٹا ہوا مذاق ہے (اپنے جوتے تلاش کرتا ہے) اور ہاں ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ خدا کے لیے یہ تقریری انداز اور اس طرح اپنے ہاتھوں کو ہلانا اب بند کرو اور ہاں یہ طمطراق اور یہ ہوائی باتیں بھی اب تمھیں چھوڑنا چاہئیں ـــــ گرمی کے بنگلے بنانے کی باتیں ـــــ ان لوگوں کی تعداد جو یہاں آکر ٹھہریں گے اور پھر یہیں سکونت اختیار کرلیں گے۔ یہ سب بہت بڑی بڑی، لیکن بے معنی باتیں ہیں ـــــ خیر جو کچھ بھی ہو مجھے تم پسند ہو۔ تمھاری انگلیاں کسی فن کار کی انگلیوں کی طرح نرم و نازک ہیں ـــــ اور تمھارا دل حساس ہے۔

لوپاخن: خدا حافظ میرے دوست ـــــ بہت بہت شکریہ ـــــ اگر تمھیں ضرورت ہو تو میں تمھیں سفر خرچ کے لیے کچھ روپے دے سکتا ہوں۔

تروفی موف: کس خوشی میں؟ ـــــ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

لوپاخن: لیکن تم اس وقت خالی ہاتھ ہو۔

تروفی موف: نہیں میرے پاس کچھ روپے ہیں ـــــ مجھے ابھی ایک ترجمے کا معاوضہ ملا ہے۔ یہ دیکھو میری جیب بھری ہوئی ہے۔ (پریشانی سے) لیکن آخر میرے ربڑ کے جوتے کیا ہوئے؟

واریا: (دوسرے کمرے میں) یہ لو اپنے ہیبت ناک جوتے۔ (دروازے سے ربڑ کے بنے ہوئے برف کے جوتے پھینکتی ہے)

تروفی موف: لیکن تم اس قدر خفا کیوں ہو واریا؟ ـــــ ہوں ـــــ ارے بھئی یہ میرے برف کے جوتے نہیں ہیں۔

لوپاخن: پچھلے سال میں نے ایک ہزار ایکڑ زمین پر گل لالہ کی فصل بوئی تھی۔ اس پر مجھے چالیس ہزار روبل کا منافع ہوا ہے۔ جس وقت پھول کھلے ہوئے تھے تو وہ منظر قابلِ دید تھا ـــــ میں اصل میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے ابھی چالیس ہزار روپے کا منافع ہوا ہے اور میں تمھیں روپیہ پیش کرنے کے لیے تیار ہوں، کیوں کہ اس وقت میرے پاس اس کی کوئی کمی نہیں

ہے۔ تم اتنے مغرور کیوں ہو ــــ میں تو ایک سیدھا سادا کسان آدمی ہوں۔ تکلف کا قائل نہیں۔

تروفی موف:۔ تمہارے والد کسان تھے اور میرے والد دواؤں کی دکان کرتے تھے ــــ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ (لوپاخن اپنا بٹوہ نکالتا ہے)۔ بس رہنے دو۔ تم اگر مجھے دولاکھ روبل کی بھی رقم پیش کرو تو میں قبول نہیں کروں گا۔ میں ایک آزاد انسان ہوں۔ جس دولت کی تم امیر لوگ اتنی قدر کرتے ہو اور جسے تم جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہو ــــ تم امیر لوگ جو فقیر بھی ہو ــــ وہ دولت میرے لیے دھنکی ہوئی روئی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ــــ میں مضبوط ہوں ــــ اور ہاں میں مغرور بھی ہوں ــــ کیوں کہ میں تم لوگوں کی مدد اور عنایتوں سے بے نیاز ہوں ــــ اس وقت نسل انسانی ایک عظیم سچائی کی سب سے بلند منزل کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ جہاں گہری اور سچی مسرت ہماری منتظر ہے ــــ اور میں اس سفر میں پیش پیش ہوں۔

لوپاخن:۔ کیا تم اس منزل تک پہنچ سکو گے ؟

تروفی موف:۔ ہاں (وقفہ) یا میں خود وہاں پہنچوں گا یا کم سے کم دوسروں کو وہاں تک پہنچنے کا راستہ دکھا جاؤں گا۔

(دور سے کلہاڑی سے درخت کاٹنے کی آواز آتی ہے)

لوپاخن:۔ اچھا عزیز دوست خدا حافظ ــــ جانے کا وقت ہو چکا ہے۔ اور یہاں ہم لوگ ایک دوسرے پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں ــــ اور زندگی تیزی سے ہمارے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے ــــ جب میں بہت دیر تک آرام کیے بغیر کام کرتا رہتا ہوں تو مجھے دلی خوشی محسوس ہوتی ہے اور یہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی با معنی ہے ــــ دیکھو روس میں کتنے لوگ بالکل بے مقصد زندگی گزارتے ہیں ــــ خیر اسے چھوڑو ــــ ہو سکتا ہے یہ کوئی بڑی بات نہ ہو ــــ سنا ہے لیونڈ آندرے وچ نے بینک میں نوکری کر لی ہے اور ان کی سالانہ تنخواہ چھ ہزار روبل ہو گی ــــ مجھے تو امید نہیں کہ ان سے یہ گاڑی چل سکے گی۔ وہ تو بہت ہی کاہل آدمی ہیں۔

آنیا:۔ (دروازے سے) ماما کہہ رہی ہیں کہ ان کے روانہ ہونے تک درخت کاٹنے کا کام شروع نہ کرایا جائے۔

تروفی موف ۔ واقعی یہ نامناسب ہے۔ اتنا خیال تو تم خود بھی کر سکتے تھے۔

(ہال کی طرف جاتا ہے)

لوپاخن ۔ بہت اچھا ـــ بہت اچھا ـــ اُف یہ لوگ (تروفی موف کے پیچھے جاتا ہے)

آنیا ۔ کیا فیرس کو ہسپتال بھیج دیا گیا ہے؟

یاشا ۔ ہاں میں نے صبح ان لوگوں سے کہا تھا۔ میرے خیال میں تو وہ جا چکا ہے۔

آنیا ۔ (یاپی ہودوف سے جو ہال روم کی طرف سے آرہا ہے) سمینوف پیتلی وِچ ذرا جا کر معلوم کیجیے کہ فیرس کو ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے یا نہیں؟

یاشا ۔ (خفگی سے) میں نے صبح لوگی سے کہہ دیا تھا۔ اب سو بار معلوم کرانے کی کیا ضرورت ہے؟

یاپی ہودوف ۔ یہ فیرس تو ایک پرانی عمارت کے کھنڈر کی طرح ہے میرا مطلب ہے کہ اب اس کی مرمت ممکن نہیں سچی بات تو یہ ہے کہ اسے اب اپنے باپ دادا کے پاس پہنچ جانا چاہیے ـــ اور جہاں تک میرا سوال ہے تو میں اس پر رشک کرتا ہوں۔ (ایک سوٹ کیس اٹھا کر گتے کے ہیٹ کیس پر رکھ دیتا ہے ڈبہ پچک جاتا ہے) لاحول ولا قوت ـــ یہ مجھے پہلے سے سوچنا چاہیے تھا (جاتا ہے)

یاشا ۔ (نفرت سے) گیارہ دونی بائیس مصیبتیں۔

واریا ۔ (دروازے کے پیچھے سے) کیا فیرس کو ہسپتال بھیج دیا گیا ہے؟

آنیا ۔ ہاں۔

واریا ۔ تو پھر وہ لوگ ڈاکٹر کے نام کا خط یہاں کیوں چھوڑ گئے؟

آنیا ۔ میں ابھی کسی کو وہ خط دے کر بھیجتی ہوں۔ (جاتی ہے)

واریا ۔ (برابر کے کمرے سے) یاشا کہاں ہے؟ اس سے کہنا کہ اس کی ماں اس سے رخصت ہونے کے لیے آئی ہے۔

یاشا ۔ (ہاتھ ہلاتے ہوئے) افوہ ان لوگوں کی وجہ سے ناک میں دم ہے۔ (اس دوران میں دونیاشا آگئی ہے اور پیچھے سامان کے قریب مصروف نظر آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اب جب کہ یاشا تنہا ہے وہ اس کے قریب آتی ہے)

دونیاشا ۔ کم سے کم ایک بار میری طرف نظر اٹھا کر تو دیکھ لو یاشا تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو میں تمہارے

بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔ (روتی ہے اور اس کی گردن میں باہیں ڈال دیتی ہے)

یاشا:۔ رونے دھونے سے کیا فائدہ؟ (شیمپین پیتا ہے) ایک ہفتے کے اندر اندر میں پیرس پہنچ جاؤں گا۔ بس کل ہم لوگ ٹرین میں سوار ہو کر ہوا ہو جائیں گے اور پھر ڈھونڈے سے بھی ہاتھ نہ آئیں گے۔ زندہ باد فرانس ـــــ مجھے یہ جگہ بالکل پسند نہیں ـــــ میں یہاں بالکل نہیں رہ سکتا ـــــ یہاں کچھ بھی تو نہیں ہوتا ـــــ میں نے اس قسم کی جہالت بہت دیکھ لی بس اب اور برداشت کرنا نہیں چاہتا (پیتا ہے) آخر اس آہ وزاری کا کیا مطلب ہے؟ شریف لڑکیوں کی طرح رہو تو رونے دھونے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

دونیاشا:۔ (ایک چھوٹے سے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھتی ہے اور پاؤڈر لگاتی ہے) پیرس جا کر مجھے خط لکھنا ـــــ بھول نہ جانا ـــــ تمھیں معلوم ہے میں نے تم سے کتنی محبت کی ہے ـــــ میں نے تم سے بے حد محبت کی ہے ـــــ میرا دل بہت ہی نرم و نازک ہے یاشا!

یاشا:۔ کوئی اس طرف آرہا ہے (سوٹ کیس ٹھیک کرنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ گاتا ہے)

(اندریونا، گادیو، آنیا اور شارلوٹا داخل ہوتے ہیں)

اندریونا:۔ دس منٹ کے اندر اندر ہم لوگوں کو سوار ہو جانا چاہیے۔ (چاروں طرف دیکھتی ہے) خدا حافظ پیارے گھر۔ میرے عزیز خاندانی گھر۔ کچھ عرصے میں موسم سرما ختم ہو جائے گا اور بہار شروع ہو جائے گی اور اس وقت یہاں تمھارا وجود بھی نہیں ہو گا۔ تمھیں ڈھا دیا جائے گا ـــــ ان دیواروں نے اپنی آنکھوں سے کیا کیا دیکھا ہے! (آنیا کو محبت سے پیار کرتی ہے) تم اس وقت کتنی شگفتہ معلوم ہو رہی ہو ـــــ میری متاع عزیز ـــــ تمھاری آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی ہیں کیا تم خوش ہو ـــــ بہت خوش ہو؟

آنیا:۔ ہاں بہت، آج ہماری نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے ماما۔

گادیو:۔ (خوشی کے لہجے میں) اس میں کیا شک ہے؟ ـــــ ہر بات بخیر و خوبی طے ہو چکی ہے۔ جب تک چیری کے باغ کے بکنے کا سلسلہ چل رہا تھا۔ ہر ایک پریشان اور فکرمند تھا۔ لیکن اب جب کہ وہ معاملہ طے ہو چکا ہے ہر شخص مطمئن ہے اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہے ـــــ اب میں نے بینک میں نوکری کر لی ہے ـــــ اب میں روپے کا کاروبار کروں گا ـــــ پھر میں نے سرخ گیند ڈھونڈ لی۔

اور لیوبا تم بھی پہلے سے بہتر معلوم ہو رہی ہو ــــــ اس میں کوئی شک نہیں۔

اندریونا :- ہاں میرے اعصاب کا حال اب کچھ بہتر ہے اور نیند بھی بہتر آ رہی ہے۔ اچھا یاشا اب میری چیزیں باہر لے جاؤ۔ وقت ہو گیا ہے۔ اس وقت تو میں پیرس جا رہی ہوں ــــــ اور فی الحال میرا گزارا اس رقم پر ہوگا جو تمھاری نانی نے جائداد خریدنے کے لیے یاراسلاول سے بھیجی تھی ــــــ خدا انھیں خوش رکھے ــــــ ویسے وہ روپیہ زیادہ عرصے تک تو کیا چلے گا؟

آنیا :- آپ جلدی واپس آجائیں گی نا ماما ــــــ دیکھیے بہت جلد آئیے گا۔ اب میں بہت جلد ہائی اسکول پاس کر لوں گی اور پھر میں کام کروں گی اور آپ کی مدد کروں گی ــــــ اور پھر ہم ساتھ مل کر بہت ساری اچھی اچھی کتابیں پڑھا کریں گے ــــــ ہیں نا ماما! (ماں کے ہاتھ کو پیار کرتی ہے) ہم خزاں کی طویل راتوں میں طرح طرح کی دل چسپ کتابیں پڑھا کریں گے اور ہمارے سامنے ایک نئی اور حیرت انگیز زندگی کے دروازے کھل جائیں گے۔ (کھوئے ہوئے انداز میں) ماما ضرور واپس آجائیے گا۔

اندریونا :- ہاں میں ضرور واپس آؤں گی میری جان (اسے گلے لگاتی ہے)

(لوپاخن داخل ہوتا ہے۔ شارلوٹا آہستہ آہستہ گاتی ہے)

گاویو :- شارلوٹا کتنی خوش ہے!

شارلوٹا :- (ایک پیکٹ اٹھاتی ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے بچے کی طرح معلوم ہو رہا ہے) خدا حافظ پیارے بچے (بچے کے رونے کی آواز آتی ہے) چپ ہو جاؤ میرے لاڈلے۔ مت رو (رونے کی آواز آتی رہتی ہے) میرا دل تمھارے لیے بے چین ہے ــــــ (بنڈل کو پھینک دیتی ہے) مہربانی سے میرے لیے کوئی اور نوکری تلاش کیجیے۔ میں نوکری کے بغیر کیسے رہ سکتی ہوں۔

لوپاخن :- ہم تمھارے لیے کوئی اور نوکری تلاش کر دیں گے۔ شارلوٹا ایوانونا تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

گاویو :- ہر شخص ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ واریا بھی جا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یکایک کسی کو ہماری ضرورت نہیں رہی۔

شارلوٹا :- میں یہاں شہر میں کہاں رہ سکتی ہوں، اس لیے مجھے تو جانا ہی پڑے گا۔ (گنگناتی ہے) خیر کوئی

بات نہیں۔

(پشک داخل ہوتا ہے)

لوپاخن :- ارے یہ کہاں سے وارد ہو گئے۔

پشک :- (جس کا سانس پھولا ہوا ہے) آہ ۔۔۔ ذرا سانس سما جائے تو بات کروں ۔۔۔ ارے بھئی کوئی ذرا سا پانی تو پلاؤ ۔۔۔ میرے دوستو۔

گاویو :- میرے خیال میں تم اس وقت روپیہ قرض مانگنے آئے ہو۔ بھئی مجھے تو معاف کرو۔ میں تو چلا۔ (باہر جاتا ہے)

پشک :- بہت دن سے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی تھی میری حسین خاتون ۔۔۔ (لوپاخن سے) اچھا تو تم بھی یہیں ہو۔ تمھیں دیکھ کر خوشی ہوئی ۔۔۔ بہت ذہین آدمی ہو۔ اچھا تو یہ لو چار سو روبل۔ (لوپاخن کو روپیہ دیتا ہے) ابھی آٹھ سو چالیس روبل کی ادائیگی باقی ہے۔

لوپاخن :- (حیرت سے کندھے ہلاتا ہے) کیا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ روپیہ تمھارے پاس کہاں سے آیا؟

پشک :- ایک منٹ ٹھہرو ۔۔۔ ذرا سانس سما جائے۔ ہاں تو ابھی چند دن ہوئے بڑی عجیب بات ہوئی۔ کچھ انگریز لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ انھوں نے میری زمین میں ایک خاص قسم کی سفید مٹی دریافت کی تھی۔ (اندریونا سے) یہ آپ کے لیے ہے میری حسین خاتون (روپیہ دیتا ہے) باقی قرضہ پھر کبھی ادا کروں گا۔ (پانی پیتا ہے) ابھی تھوڑی دیر ہوئی ٹرین میں ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ کسی بہت بڑے فلسفی نے کہا ہے کہ زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ چھت سے کود پڑو ۔۔۔ سب مسائل ایک دم حل ہو جائیں گے۔ (حیرت سے) ذرا سوچیے کتنی عجیب بات ہے ۔۔۔ مجھے ذرا سا پانی اور دینا۔

لوپاخن :- یہ کون انگریز لوگ تھے؟

پشک :- میں نے یہ سفید مٹی والی زمین انھیں چوبیس سال کے لیے دے دی ہے ۔۔۔ اچھا اب آپ لوگ مجھے معاف کیجیے ۔۔۔ میں ذرا جلدی میں ہوں ۔۔۔ ابھی اور بہت سے کام کرنے ہیں زنوئی کوف کو روپیہ دینا ہے ۔۔۔ اور پھر کروا مونوف کا قرضہ چکانا ہے ۔۔۔

میں ان سب کا قرض دار ہوں۔ (پانی پیتا ہے) اچھا خدا آپ سب کو خوش رکھے۔ میں جمعرات کے روز پھر آؤں گا۔

اندریونا :۔ ہم لوگ ابھی ابھی شہر جا رہے ہیں اور کل میں فرانس روانہ ہو جاؤں گا۔

لپشک :۔ ہیں کیا کہا؟ (پریشانی سے) آپ لوگ شہر کیوں جا رہے ہیں؟ ـــــ اچھا اب سمجھ میں آیا کہ یہ فرنیچر کیوں ایک طرف پڑا ہوا ہے۔ اور یہ سب سوٹ کیس یہاں کیوں جمع ہیں؟ ـــــ ہاں تو یہ انگریز لوگ واقعی بڑے ذہین ہوتے ہیں ـــــ خیر کوئی بات نہیں ـــــ ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے ـــــ ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔ (اندریونا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) اور جب آپ کو اطلاع ملے کہ میری زندگی بھی ختم ہو گئی تو بس کسی گھوڑے کا تصور کیجیے گا اور اپنے آپ سے کہیے گا کہ کبھی اس قسم کا ایک آدمی تھا جس کا نام سمینوف لپشک تھا۔ خدا اس کی مغفرت کرے ـــــ موسم کتنا خوشگوار ہے ـــــ ہاں (شرمندگی اور پریشانی کے احساس کے ساتھ باہر جاتا ہے۔ لیکن پھر فوراً ہی واپس آجاتا ہے اور دروازے میں کھڑے ہو کر کہتا ہے) واشنکا نے آپ سب کو سلام کہلوایا تھا۔ (باہر جاتا ہے)۔

اندریونا :۔ اچھا تو اب ہم لوگوں کو بھی چلنا چاہیے ـــــ میرے ذہن پر اس وقت دو باتوں کا بوجھ ہے، ایک تو فیرس، وہ بے چارہ بیمار ہے۔ (گھڑی دیکھتی ہے) ابھی ہم لوگ پانچ منٹ اور ٹھہر سکتے ہیں۔

آنیا :۔ فیرس کو تو ہسپتال بھیج دیا گیا ہے۔ صبح یاشا نے اسے ہسپتال بھیجا تھا۔

اندریونا :۔ اور دوسری فکر واریا کی طرف سے ہے۔ اسے بچپن سے کام کرنے کی عادت ہے۔ صبح اٹھتے ہی وہ کام کرنا شروع کر دیتی ہے اور پھر شام تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ بغیر کام کیے وہ کیسے زندہ رہے گی، پریشانی سے وہ اتنی دُبلی اور پیلی ہو گئی ہے اور اکثر روتی بھی رہتی ہے بے چاری (وقفہ) تمھیں اچھی طرح معلوم ہے یرمولائی الکسی وچ کہ میں اس امید میں تھی کہ اس کی شادی تمھارے ساتھ ہو جائے گی۔ اور سب باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمھارا بھی یہی خیال ہے ـــــ (آنیا کے کان میں کچھ کہتی ہے۔ آنیا شارلوٹا

کو اشارہ کرتی ہے اور وہ دونوں باہر جاتی ہیں) ـــــ وہ تم سے محبت کرتی ہے اور غالباً تم بھی اسے پسند کرتے ہو، اب اس کے بعد یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تم دونوں کیوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے ہو ـــــ میں واقعی کچھ نہیں سمجھ سکتی۔

لوپاخن:۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا، کچھ عجیب بات ہے۔ اگر اب بھی کچھ وقت باقی ہو تو میں تیار ہوں ـــــ اچھا ہے فوراً اس بات کا فیصلہ ہو جائے اور پھر یہ سلسلہ ختم ہو ـــــ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں سے جانے کے بعد تو میں پھر اس قسم کی کوئی بات نہ کر سکوں گا۔

اندریونا:۔ یہ بہت اچھا خیال ہے۔ بس تمھیں اس سے بات کرنے میں ایک منٹ لگے گا اور یہ ابھی ہو سکتا ہے۔ میں اسے فوراً بلاتی ہوں۔

لوپاخن:۔ یہاں اس وقت شیمپین بھی موجود ہے جو اس موقع کے لیے بہت مناسب ہے۔ (گلاسوں کی طرف دیکھتا ہے) ارے یہ تو خالی ہیں۔ کسی نے سب شیمپین پی لی ـــــ بلکہ شاید چاٹ لی (یاشا کھانستا ہے)

اندریونا:۔ (خوشی سے) میں بہت خوش ہوں۔ ہم لوگ باہر چلے جاتے ہیں۔ یاشا چلو۔ میں ابھی اسے بلاتی ہوں (دروازے سے) واریا ایک منٹ کے لیے یہاں آؤ ـــــ اگر کچھ کام کر رہی ہو تو ایک منٹ کے لیے اسے چھوڑ کر ذرا یہاں آجاؤ، واریا ـــــ

(یاشا کے ساتھ باہر جاتی ہے)

لوپاخن:۔ (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہے) ہاں ـــــ تو ـــــ

(وقفہ)

(دروازے کے قریب سے دبی دبی ہنسی اور کانا پھونسی کی آواز آتی ہے اور آخر کار واریا داخل ہوتی ہے اور سامان کا معائنہ شروع کر دیتی ہے۔ چند لمحے بعد وہ کہتی ہے)

واریا:۔ عجیب بات ہے، معلوم نہیں وہ کہاں رکھی ہے؟

لوپاخن :۔ کیا چیز ڈھونڈ رہی ہو؟

واریا :۔ میں نے خود ہی سب سامان تیار کیا، سمجھ میں نہیں آتا کیسے غائب ہوگئی۔

لوپاخن :۔ واریا جہا ئیلونا تم یہاں سے کہاں جارہی ہو؟

واریا :۔ میں؟ رگولین کے ہاں ــــ مجھے وہاں کام مل گیا ہے۔ میں اُن لوگوں کے گھر کی دیکھ بھال کیا کروں گی ــــ یا اسی قسم کا کوئی کام ــــ

لوپاخن :۔ کیا وہ یاشنیوو میں ہیں؟ ــــ ہیں نا ــــ یہاں سے قریب ستر میل کے فاصلے پر (وقفہ) اچھا تو اس گھر میں تو اب زندگی ختم ہو رہی ہے۔

واریا :۔ (سامان کا معائنہ کرتے ہوئے) لیکن وہ گئی کہاں؟ ــــ یا ہوسکتا ہے کہ میں نے اسے صندوق میں بند کردیا ہو ــــ ہاں اس گھر میں اب زندگی ختم ہو رہی ہے ــــ یہاں اب اور کیا رکھا ہے۔

لوپاخن :۔ میں بہت جلد خارا کوف روانہ ہو جاؤں گا ــــ وہاں مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ یہاں یاپی ہودوف کو چھوڑ جاؤں گا۔ اسے میں نے اس کام پر نوکر رکھ لیا ہے۔

واریا :۔ ہاں۔

لوپاخن :۔ تمھیں یاد ہوگا کہ پچھلے سال اس زمانے میں برف پڑ رہی تھی ــــ لیکن اس سال موسم پُرسکون ہے۔ اور دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ ویسے سردی تو بڑھتی جارہی ہے۔ تین ڈگری پالا پڑا ہے۔

واریا :۔ اچھا ــــ میں نے غور نہیں کیا تھا۔ (وقفہ) ویسے ہمارا تھرما میٹر بھی ٹوٹ گیا ہے۔ (وقفہ)

(باہر سے آواز آتی ہے "یرمولائی الکسی وچ")

لوپاخن :۔ (گویا بہت دیر سے اسی آواز کے انتظار میں ہو) ابھی آتا ہوں ایک منٹ میں۔

(تیزی سے باہر جاتا ہے)

(واریا جو اب کپڑوں کے بنڈل پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے اور زمین پر بیٹھی ہے، آہستہ آہستہ رو رہی ہے ــ دروازہ کھلتا ہے اور اندر لیوبا خاموشی سے داخل ہوتی ہے)

اندریونا ۔ کیوں ـــــ ؟ ـــــ اچھا اب ہمیں چلنا چاہیے ۔

واریا ۔ (رونا بند کرتی ہے اور آنسو پونچھتی ہے) ہاں وقت ہو چکا ہے پیاری ماما ـــــ اگر گاڑی نہ نکلی تو میں آج کسی نہ کسی طرح رگولین کے ہاں پہنچ جاؤں گی ۔

(دروازے سے آواز دیتی ہے ۔ آنیا داخل ہوتی ہے ۔ اس کے ساتھ گاویو اور شارلوٹا بھی آتے ہیں ۔ گاویو نے ایک لمبا گرم کوٹ پہن رکھا ہے ، جس کے ساتھ ٹوپی بھی ہے ۔ نوکر اور گاڑی بان بھی کمرے میں داخل ہوتے ہیں ۔ یاپی ہودوف سامان کے قریب مصروف نظر آرہا ہے ۔)

اندریونا ۔ اب ہم سفر شروع کر سکتے ہیں ۔

آنیا ۔ ہاں اب ہمارا سفر شروع ہو رہا ہے ۔

گاویو ۔ میرے دوستو ـــــ میرے پیارے دوستو ـــــ اب جب کہ میں ہمیشہ کے لیے یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس وقت خاموش رہوں اور آپ کے سامنے ان خیالات اور جذبات کا اظہار نہ کروں جو اس وقت میرے دل میں اُمڈ رہے ہیں ۔

آنیا ۔ (تنبیہی انداز میں) ماموں جان !

واریا ۔ پیارے ماموں جان ـــــ اب ختم کیجیے ۔

گاویو ۔ "میں نے سُرخ گیند نکالی اور آگے چل دیا" ـــــ اچھا میں خاموش ہوا جاتا ہوں ۔

(لوپاخن اور تروفی موف داخل ہوتے ہیں)

تروفی موف ۔ خواتین اور حضرات روانگی کا وقت ہو چکا ہے ۔

لوپاخن ۔ یاپی ہودوف میرا کوٹ دینا

اندریونا ۔ میں یہاں ایک منٹ اور بیٹھنا چاہتی ہوں ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے اس گھر کے در و دیوار کو صحیح معنوں میں پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا ـــــ اور اب جب دیکھ رہی ہوں تو میرے دل میں محبت اور تمناؤں کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا ہے ۔

گاویو ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار جب میں چھ سال کا تھا ۔ اور وہ روحانی تثلیث

کا دن تھا، تو میں یہاں اس کھڑکی میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنے ابا کو دیکھ رہا تھا ـــــ جو اس وقت گرجا جا رہے تھے۔

اندریونا :۔ کیا ان لوگوں نے سب سامان باہر نکال لیا۔

لوپاخن :۔ ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ (یاپی ہودوف، جو اسے کوٹ پہنا رہا ہے) ذرا جا کر دیکھنا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے یا نہیں؟

یاپی ہودوف :۔ (بیٹھی ہوئی آواز میں) پریشان ہونے کی ہونے کی ضرورت نہیں یرمولائی الکسی وچ۔

لوپاخن :۔ تم اس طرح کیوں بول رہے ہو؟

یاپی ہودوف :۔ میں نے ابھی ابھی پانی پیا تھا، اس کے ساتھ شاید کوئی چیز حلق کے اندر چلی گئی ہے۔

یاشا :۔ (نفرت سے) جہالت کی بھی حد ہوتی ہے۔

اندریونا :۔ ہمارے جانے کے بعد یہاں کوئی بھی ذی روح نہیں رہے گا۔

لوپاخن :۔ اگلی بہار کی آمد تک۔

واریا :۔ (کپڑوں کے بنڈل میں سے ایک چھتری گھسیٹ کر نکالتی ہے۔ لوپاخن بن کر پیچھے ہٹتا ہے گویا ڈر گیا ہے) آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔ میرا ایسا تو کوئی ارادہ نہیں تھا۔

تروفی موف :۔ خواتین اور حضرات آئیے اب گاڑی میں سوار ہو جائیے۔ وقت ہو چکا ہے۔ ٹرین آنے والی ہوگی۔

واریا :۔ پیتیا لو یہ ہیں تمہارے برف کے جوتے۔ سوٹ کیس کے قریب ـــــ اُف کس قدر گندے اور پھٹے پرانے ہیں۔

تروفی موف :۔ (جوتے پہنتے ہوئے) بس اب چلیے خواتین اور حضرات۔

گادیو :۔ (بہت گھبرایا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب رو پڑے گا) ٹرین ـــــ اسٹیشن ـــــ میں نے بیچ کی جیب میں ڈھونڈا ـــــ اور پھر نکال کر ـــــ

اندریونا :۔ چلو چلتے ہیں۔

لوپاخن :۔ یہاں کوئی نہیں ہے ـــــ (بائیں طرف کا دروازہ بند کرتا ہے) یہاں پر کچھ سامان پڑا ہے اسے بھی تالا لگا دینا چاہیے ـــــ چلیے چلتے ہیں۔

آنیا:۔ خدا حافظ پرانے گھر ـــــ خدا حافظ پرانی زندگی۔

تروفی موف:۔ نئی زندگی ـــــ خوش آمدید! (آنیا کے ساتھ باہر جاتا ہے)

(واریا کمرے میں چاروں طرف ایک نظر ڈالتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ باہر جاتی ہے۔ یاشا اور شارلوٹا اپنے کتے کے ساتھ باہر جاتے ہیں۔)

لوپاخن:۔ ہاں تو اگلی بہار کی آمد تک ـــــ خواتین اور حضرات چلیے ـــــ خدا حافظ ـــــ (باہر جاتا ہے) ـــــ

(اب صرف اندریونا اور گاویو کمرے میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی لمحے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو گلے لگاتے ہیں اور آہستہ آہستہ روتے ہیں۔ دونوں بہت ضبط کر رہے ہیں تا کہ باہر کسی کو ان کی آواز نہ جائے)

گاویو:۔ بہن ـــــ میری پیاری بہن۔

اندریونا:۔ آہ میرے پیارے ـــــ میرے عزیز ـــــ میرے حسین چیری کے باغ ـــــ میری زندگی ـــــ میری جوانی ـــــ میری مسرتوں ـــــ خدا حافظ ـــــ خدا حافظ۔

(آنیا کی آواز آتی ہے جو اسے خوشی بھرے لہجے میں پکار رہی ہے: "ماما")

(تروفی موف بھی خوشی اور جوش بھرے لہجے میں پکارتا ہے: "آ ـ آ ـ ہو")

اندریونا:۔ آہ یہ دیواریں ـــــ یہ دریچے ـــــ آج میں انھیں آخری بار دیکھ رہی ہوں۔ اماں کتنے شوق سے اس کمرے میں ادھر ادھر پھرا کرتی تھیں۔

گاویو:۔ بہن ـــــ میری بہن۔

آنیا کی آواز:۔ ماما ـــــ

تروفی موف کی آواز:۔ آ ـ آ ـ ہو ـــــ

اندریونا:۔ ہم آرہے ہیں۔ (دونوں باہر جاتے ہیں)

(اب اسٹیج خالی ہے۔ باہر سے قفل بند کرنے کی آواز آتی ہے۔ اس کے بعد گاڑی کے روانہ ہونے کی آواز آتی ہے۔ اس کے بعد چند لمحے کے لیے خاموشی چھا جاتی ہے۔ دور سے کلہاڑی سے درخت کاٹنے کی آوازیں آتی ہیں، جس سے یہ خاموشی ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ آوازیں بڑی پُر درد ہیں اور تنہائی کے احساس میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ چند سیکنڈ بعد کسی کے قدموں کی آہٹ سُنائی دیتی ہے اور دائیں ہاتھ کے دروازے سے فیرس داخل ہوتا ہے۔ اپنے معمول کے مطابق اس نے سفید جاکٹ اور کوٹ پہن رکھا ہے۔ اس کے پاؤں میں چپل ہیں اور وہ بہت بیمار معلوم ہو رہا ہے۔ وہ درمیانی دروازے کی طرف جاتا ہے اور اسے کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔)

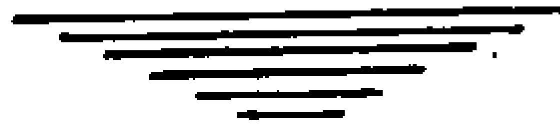
فیرس:۔ بند ہے ـــــــ وہ لوگ چلے گئے۔ (ایک صوفے پر بیٹھتا ہے)۔ وہ لوگ مجھے بھول گئے ـــــــ خیر کوئی بات نہیں ـــــــ میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھتا ہوں ـــــــ معلوم نہیں لیونڈ اندریے وچ نے اپنا فر کا کوٹ بھی پہنا ہے یا نہیں ـــــــ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے ہلکے کوٹ ہی میں چلے گئے ہوں گے۔ (کچھ سوچتا ہے اور آہ بھرتا ہے) مجھے پہلے سے سوچنا چاہیے تھا ـــــــ آہ یہ نوجوان لوگ ـــــــ! (آہستہ آہستہ بڑبڑاتا ہے) میری زندگی اس طرح گزر گئی جیسے میں کبھی زندہ ہی نہ تھا۔ (لیٹتا ہے) میں ذرا سی دیر کے لیے لیٹتا ہوں ـــــــ دوست اب تمہاری قوت جواب دے چکی ہے ـــــــ اب کچھ نہیں رہا ـــــــ تم نکمّے ہو گئے ـــــــ اب کچھ نہیں رہا۔

(ساکت لیٹا ہے)

(دور سے ایک آواز آتی ہے، معلوم ہوتا ہے آسمان سے

آرہی ہے۔ یہ شاید تاروں کے ٹوٹنے کی آواز ہے۔ یہ آواز آہستہ آہستہ ایک پُردرد انداز میں خاموشی میں گم ہوجاتی ہے اور ہر طرف مکمل سکوت چھا جاتا ہے ــــــ صرف بہت دور سے کلہاڑی کا سے درخت کاٹنے کی ہلکی سی آواز اس سکوت کو توڑ رہی ہے۔)

(پردہ گرتا ہے)





زاہدہ زیدی ۴ر جنوری ۱۹۲۹ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئیں۔ اُن کی تعلیم علی گڑھ اور پانی پت میں ہوئی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہی سے انھوں نے اعلا تعلیم بھی حاصل کی، جہاں سے میٹرک سے لے کر ایم۔اے (انگلش) تک ہر امتحان انھوں نے فرسٹ کلاس میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور اس کے بعد مزید اعلا تعلیم کے لیے کیمبرج یونیورسٹی گئیں جہاں سے انھوں نے انگلش لٹریچر میں بی۔اے آنرز اور ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ حال ہی میں وہ انگلش لٹریچر کی پروفیسر کی حیثیت سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہوئی ہیں۔

زاہدہ زیدی نے جدید مغربی تھیٹر کے دس شاہکار ڈراموں کے اردو میں ترجمے بھی کیے ہیں، جو اردو کے معیاری رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور اسٹیج پر بھی پیش کیے جا چکے ہیں اور اب کتابی صورت میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ "انتون چیخوف کے شاہکار ڈرامے" اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ زاہدہ زیدی اردو اور انگلش میں دو درجن سے زیادہ ڈرامے اسٹیج پر بھی پیش کر چکی ہیں۔ حال ہی میں ان کے طبع زاد ڈراموں کے دو مجموعے "دوسرا کمرہ" اور "صحرائے اعظم" بھی منظرِ عام پر آئے ہیں۔

اردو میں ان کے تین شعری مجموعے "زہرِ حیات"، "دھرتی کا لمس" اور "سنگِ جاں" منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور انگلش میں دو شعری مجموعے **Broken Mirror** اور **Beyond Worlds** کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔

ISBN 81-7160-045-X